کلیات آغا حشر کاشمیری

3

(خواب ہستی، خوبصورت بلا، سلور کنگ)

مرتبین
آغا جمیل کاشمیری
یعقوب یاور

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر کے پورم، نئی دہلی 066 110

Kulliyat-e Agha Hashr Kashmiri-3

Edited by : **Agha Jameel Kashmiri**

&

Yaqoob Yawar

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت : اپریل، جون **2004** شک **1926**

پہلا اڈیشن : **1100**

قیمت : **-/156**

سلسلہ مطبوعات : **1160**

ISBN: 81-7587-059-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کما حقہٗ واقفیت بھی نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت قدیم اور جدید عہد کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہم اہل فکر و فن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تاکہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے بلکہ زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جاسکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیات آغاحشر کاشمیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جاسکے۔

(ڈائرکٹر محمد حمید اللہ بھٹ)
ڈائرکٹر

فہرست

	دیباچہ	7
1۔	خوابِ ہستی	21
2۔	خوبصورت بلا	149
3۔	سلور کنگ	291

دیباچہ

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقالی سے ہے یہی سبب ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے ان علاقوں میں ملتے ہیں جہاں بت پرستی عام تھی ہندوستان اور یونان ایسے ہی خطے ہیں لیکن ان دونوں علاقوں میں ڈرامے کی روایت انفرادی طور پر پروان چڑھی۔ آگے چل کر جب دونوں میں تہذیبی روابط استوار ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ ہندوستان میں کالی داس کے ڈراموں کی فکری و فنی بلندی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ایک صدی قبل مسیح سے کافی پہلے ہوئی ہوگی۔ بدھ اقتدار میں آئے تو انھوں نے بھی اسے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے مفید پایا۔ رفتہ رفتہ مختلف ناٹک منڈلیاں وجود میں آئیں جنھوں نے اس کی شکل ایسی بدلی کہ اس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے سے رہ گیا۔

مسلمان ہندوستان آئے تو ان کا سابقہ ڈرامے کی اسی شکل سے پڑا۔ اول تو ان کا عقیدہ ایسی چیزوں کی سرپرستی کی اجازت نہیں دیتا تھا دوسرے اس عہد میں ڈرامے شرفا کے معیار پسند سے نیچے کی چیز ہو گئے تھے۔ اس لیے اس فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ شاہان اودھ کے آخری دور میں اس جانب توجہ دی گئی اور یہی اردو ڈرامے کے آغاز کا زمانہ ہے، جب سید آغا حسن امانت لکھنوی نے اندرسبھا کی تخلیق کی جسے اسٹیج پر بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں امانت کی نقل میں متعدد اندرسبھائیں لکھی گئی۔ حتی کہ یہ لفظ ڈرامے کے متبادل کے طور پر استعمال

ہونے لگا۔ یہ اندر سبھائیں ملک کے مختلف حصوں میں اسٹیج کی گئیں۔

اسی زمانے میں عروس البلاد بمبئی میں بھی اردو ڈراموں کی جانب لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ یہاں کی روایت کا سلسلہ اودھ کے بجائے انگریزی اور مراٹھی اسٹیج سے جڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے ایک منافع بخش کارو بار کی شکل دے دی تھی۔ کارو باری مسابقت نے اسے پھلنے ، پھولنے اور نکھرنے کے وافر مواقع فراہم کئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ڈراموں کے افق پر آغا حشر کاشمیری نمودار ہوئے۔

آغا حشر کی پیدائش بنارس میں 3/4/اپریل 1879 کی درمیانی شب میں ہوئی۔ ان کے اجداد کا تعلق ان کے والد آغا غنی شاہ تک کشمیر سے قائم رہا لیکن خود آغا حشر کا راست تعلق کشمیر سے نہیں تھا۔ والدین نے ان کا نام آغا محمد شاہ رکھا لیکن بعد میں انھیں شہرت آغا حشر کاشمیری کے نام سے ملی۔

جیسا کہ ان دنوں شرفا کے گھروں میں رواج تھا ،آغا حشر کو عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مولوی حافظ عبد الصمد نے دی جو اس زمانے کے مشہور معلم تھے۔ آغا صاحب کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن خود آغا حشر کو انگریزی تعلیم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد کے اصرار پر ان کا داخلہ جے نرائن اسکول میں کرا دیا گیا، جہاں انھوں نے درجہ چھ تک تعلیم حاصل کی۔جب تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے، اپنی ذہانت سے اپنے اساتذہ کا دل جیتتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں شاعری کا شوق ہوا اور وہ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آغا حشر کو ڈرامے سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اپنے ہم جماعتوں کو ساتھ لے کر اسکول سے متصل قبرستان میں چادریں تان کر اندر سبھا اسٹیج کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جبلی تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی۔ طلب علموں کو رعایتی داموں پر ٹکٹ فراہم کرنے سے انکار پر آغا حشر نے رفیع الاخبار میں اس کمپنی کے ڈراموں پر شدید نکتہ چینی کی۔

کمپنی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا تو آغا حشر نے اور شدت سے حملہ کیا۔ اس اخبار بازی سے بچنے کے لیے کمپنی کے مالکوں نے حشر کو مفت ڈراما دیکھنے کی دعوت دے کر مصالحت کرلی اس طرح نہ صرف آغا حشر کو ڈراما دیکھنے کا موقع ملنے لگا بلکہ کمپنی کے ڈائریکٹر امرت لال اور ڈراما نویس مہدی حسن احسن لکھنوی سے بھی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دن کسی بات پر احسن صاحب سے بحث ہو گئی جس کے دوران حشر نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔ احسن صاحب جیسے پختہ کار کے سامنے ایک نوجوان کا یہ دعویٰ تعلّی کے مترادف تھا تاہم اسے نبھانے کے لیے آغا حشر نے نہ صرف ڈراما ''آفتاب محبت'' لکھا بلکہ دوستوں کا ایک کلب بنا کر اسے اسٹیج بھی کر دکھایا۔ یہی آغا حشر کا پہلا ڈرامہ ہے جو 1897ء میں جواہر اکسیر پریس، بنارس میں چھپ کر شائع ہوا۔

ایک طرف آغا حشر کی دلچسپیوں کا یہ حال تھا ، دوسری طرف ان کے والد آبائی کاروبار میں ان کی دلچسپی نہ دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے فکر مند تھے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد انھوں نے اپنے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے بنارس میں میونسپل بورڈ میں ان کے لیے ایک معقول ملازمت کا انتظام کردیا۔ اس ملازمت کے لیے کچھ زرِ ضمانت مطلوب تھا۔ آغا غنی شاہ بیٹے کو ساتھ لے کر میونسپلٹی گئے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مطلوبہ رقم آغا حشر کے حوالے کر کے گھر چلے آئے۔ اتفاقاً کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ یہ رقم اس دن میونسپلٹی کے خزانے میں جمع نہ ہوسکی۔ جب آغا حشر گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں انھیں کچھ دوست مل گئے جن کی خاطر مدارات میں اچھی خاصی رقم خرچ ہو گئی اس کے بعد والد کی جواب طلبی کے خوف سے ان کا رخ گھر کے بجائے اسٹیشن کی جانب مڑ گیا اور وہ بمبئی جا پہنچے۔

بمبئی آغا حشر کے لیے نئی جگہ تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ ان کے ایک دوست عبداللہ بمبئی میں رہتے ہیں۔ وہ انھی کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ رہنے

لگے۔ عبداللہ شاعری کے دلدادہ تھے۔ اتفاق سے اسی دن بمبئی میں کوئی مشاعرہ تھا۔ وہ آغا حشر کو لے کر اس میں شریک ہوئے۔ یہاں کسی بات پر بمبئی پنچ کے ایڈیٹر مولوی فرخ سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اور یہ جھگڑا بمبئی پنچ کے صفحات تک آ گیا۔ اس طرح آغا حشر شہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر وہ الفریڈ کمپنی کے مالک کاوس جی پالن جی کھٹاؤ سے ملے۔ کاوس جی اس وقت چائے پی رہے تھے۔ حشر نے ان کے حسب فرمائش چائے پر ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی۔ اس کے بعد انھوں نے حشر کو دوسرے دن ملنے کے لیے کہا۔ حشر یہ سمجھے کہ کاوس جی نے انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونے کے بعد جب وہ کاوس جی سے ملے تو انھیں الفریڈ کمپنی میں ڈراما نویس کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا اور ۳۵ روپیہ ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے سب سے پہلے مرید شک (1899) لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چند ماہ بعد مار آستین (1899) تصنیف کیا۔ اس ڈرامے کو بھی اسٹیج پر غیرمعمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

حشر کی مقبولیت بڑھی تو مختلف ڈراما کمپنیوں کی طرف سے انھیں ملازمت کی پیش کش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر نو روز لی پری کی کمپنی کی ملازمت قبول کر لی۔ یہاں انھوں نے اسیر حرص 1901 لکھا۔ یہ ڈراما بھی بے حد پسند کیا گیا۔ حشر کی اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر کاوس جی کھٹاؤ نے انھیں دو بارہ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر اپنے یہاں بلا لیا۔ اس بار اُن کی کمپنی کے لیے انھوں نے شہید ِناز 1902 لکھا جو حسب روایت کافی مقبول ہوا۔اس کے بعد انھوں نے اڈیسر بھائی ٹھوٹھی کی کمپنی کے لیے 1906 میں سفید خون اور 1907 میں صید ہوس اور سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے 1908 میں خواب ہستی اور 1909 میں خوبصورت بلا ڈرامے لکھے جنھیں خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈراما نویس کے طور پر بے حد مقبول ہونے کے باوجود آغا حشر اپنی موجودہ

حیثیت سے ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ مالکان کمپنی ان کی تحریروں میں اپنی صوابدید کے مطابق تحریف اور کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد کے ایک تعلقہ دار کے اشتراک سے 1909 میں انھوں نے دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے سہراب جی اگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا ڈرامہ خوبصورت بلا اسٹیج کیا۔ اس کے بعد اگلے سال 1910 میں اپنا پہلا مجلسی ڈرامہ سلور کنگ عرف نیک پروین لکھ کر پیش کیا۔ اسی سال یہودی کی لڑکی عرف مشرقی حور بھی اس کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ حیدرآباد میں مقبولیت کے ڈنکے بجانے کے بعد یہ کمپنی سورت ہوتی ہوئی بمبئی پہنچی اور یہیں ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آغا حشر نے 1912 میں جالندھر کے بھائی گیان سنگھ کی نو تشکیل کمپنی میں پانچ سو روپے ماہ وار پر ڈرامہ نویس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ لیکن جلد ہی امرتسر میں یہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔

1913 میں آغا حشر نے اپنے ڈراموں کی اداکارہ حور بانو سے لاہور میں شادی کرلی۔ اسی زمانے میں انھیں دہلی میں ایک عوامی استقبالیہ دیا گیا جس میں انھیں انڈین شیکسپیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے اپنی دوسری کمپنی انڈین شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ یہ کمپنی مختلف شہروں کا دورہ کرتی ہوئی کلکتہ پہنچی۔ یہاں آغا حشر ریلوے پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے جس کے نتیجے میں ان کے دائیں پیر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انھیں کافی عرصے اسپتال میں رہنا پڑا۔ اسی علالت کے دوران انھوں نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا پہلا ہندی ڈرامہ بھگت سور داس عرف بلوا منگل 1914 لکھوایا جو ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود شاہ کی ہدایت میں پہلی بار اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد کمپنی کھڑگ پور، مظفر پور اور پٹنہ ہوتی ہوئی بنارس آئی۔ قیام بنارس کے دوران آغا حشر کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جو صرف تین ماہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ کمپنی یوپی اور پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی لاہور ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی۔ یہاں آغا حشر اپنی زندگی کے ایک اور بڑے حادثے سے ہم کنار ہوے۔ ان کی اہلیہ جن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ایک طویل علالت کے بعد

1918میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ شریک حیات کی اس مفارقت نے آغا صاحب پر کچھ ایسے نفسیاتی اثرات مرتب کئے کہ وہ کمپنی کا سارا سامان سیالکوٹ میں چھوڑ کر بنارس چلے آئے۔ اور بہت دنوں تک یہیں آرام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ رستم جی کی دعوت پر کلکتہ گئے اور جے ایف مڈنس کمپنی میں ایک ہزار روپے ماہانہ پر ملازم ہوگئے۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے مشرقی ستارہ عرف شیر کی گرج لکھا (1918) چونکہ کلکتے کے مارواڑی عوام ہندی ڈراموں کے شوقین تھے، اس لیے آغا حشر نے اس زمانے میں بطور خاص ہندی میں لکھنا شروع کیا اور مدھر مرلی (1919) بھارت رمنی (1920) بھگیرتھ گنگا (1920) ایوم پراچین اور نوین بھارت (1921) جیسے ڈرامے لکھے اس کے بعد اردو میں ترکی حور (1922) اور ہندی میں سنسار چکر عرف پہلا پیار (1922) لکھا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی اسٹار تھیٹریکل کمپنی کے لیے انھوں نے بنگلہ زبان میں اپرادھی کے (1922) اور مصر کماری (1922) بھی لکھے۔ اسی کے ساتھ (1919اور 1923 کے درمیان انھوں نے مڈنس کمپنی کی خاموش فلموں میں اپنی اداکاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ مڈنس کے لیے انھوں نے ترکی حور اور سنسار چکر عرف پہلا پیار کے بعد بھیشم پرتگیا (1923) اور آنکھ کا نشہ (1924) لکھے جنھیں زبردست عوامی مقبولیت ملی۔

شہرت اور مقبو لیت کی اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آغا حشر کے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی کمپنی قائم کریں۔ چنانچہ 1925 میں بنارس میں دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ اسے لے کر آغا حشر دورے پر نکلے۔ یہ کمپنی جب بہار اور یوپی کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی الہ آباد پہنچی تو مہا راجہ چر کھاری نے جو ان دنوں الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ آغا حشر سے سیتا بن واس کے موضوع پر ہندی میں ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے وعدہ کر لیا اور بنارس آکر اس ڈرامے کی تکمیل کی (1928) یہ ڈراما مہا راجہ کو بے حد پسند آیا چنانچہ انھوں نے اسے آٹھ ہزار روپے خرید لیااور آغا صاحب کو مع اپنی کمپنی کے چرکھاری آنے کی دعوت دی۔ وہاں انھوں نے نہ صرف آغا حشر کی

شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم کے عوض ان کی کمپنی بھی خرید لی اور آغا صاحب کو ہی اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہاں سیتا بن واس کا پہلا دیوناگری ایڈیشن جس کی تعداد اشاعت صرف دو جلد تھی (ایک آغا حشر کے لیے اور ایک مہاراجہ چرکھاری کے لیے) ولسن پریس چرکھاری سے مئی 1929 میں شائع ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد کسی بات پر خوش ہو کر مہا راجہ نے کمپنی آغا حشر کو واپس لوٹا دی اور وہیں سے یہ معمول کے دورے پر کانپور کے لیے روانہ ہو گئی۔

اسی درمیان مڈنس تھیٹرز لینڈ نے آغا صاحب کو کلکتے بلایا۔ چنانچہ وہ کمپنی کو آغا محمود شاہ کے حوالے کر کے کانپور ہی سے کلکتے چلے گئے۔ وہاں رہ کر انھوں نے مڈنس کی بمبئی شاخ دی امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف بامبے کے لیے اردو میں رستم سہراب (1929) لکھا جو اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کلکتے میں قیام کے اس زمانے میں انھوں نے مڈنس کے لیے ہندی کے تین ڈرامے دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا (1929) بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (1930) اور دل کی پیاس (1931) لکھے جو ہندی ڈرامے کی روایت میں ایک گراں قدر بلکہ انقلاب آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آغا حشر نے 1931 میں مڈنس کی ملازمت چھوڑ دی اور بنارس آگئے۔ یہاں ان کے پیر میں چوٹ آگئی۔ دیسی دواؤں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ علاج کے غرض سے کلکتے پہنچے۔ اس درمیان وہ اور بھی کئی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ ماہر امراض قلب ڈاکٹر سنیل بوس کا علاج شروع ہوا۔ یہ دور سخت پرہیز کا تھا۔ ان دنوں کلکتے میں بولتی فلموں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ مڈنس تھیٹرز کے مینیجنگ ڈائرکٹر فرام جی نے جو پانیر فلم کمپنی کے مالک بھی تھے، آغا حشر سے فلمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا صاحب نے ان کے لیے شیریں فرہاد لکھاجس میں ماسٹر نثار اور مس کجن نے بنیادی کردار ادا کیے۔ اس فلم کی مقبولیت نے دوسری فلم کمپنیوں کو آغا حشر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے فرمائشوں کی یلغار ہونے لگی جن کی تعمیل میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے فلمی ڈراما عورت کا پیار لکھا جو کافی مقبول

ہوا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے فرام جی کے لیے مزید دو ڈرامے دل کی آگ (1931) اور شہید فرض (1931) لکھے جو مختلف وجوہ سے فلمائے نہیں جا سکے۔ ان کے علاوہ نیو تھیٹرز کے لیے یہودی کی لڑکی اور چنڈی داس ڈرامے لکھے ان کا تیار شدہ فلمیں کافی مقبول ہوئیں۔ اسی دوران مڈنس نے بھگت سورداس (1914) شرون کمار (1931) اور آنکھ کا نشہ (1924) پر ہندی میں اور ترکی حور (1922) اور قسمت کا شکار پر اردو میں فلمیں بنائیں جنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کی بیماری کا سلسلہ دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے شخص نہ تھے۔ اسی عالم میں انھوں نے 1934 میں اپنی فلم کمپنی بنائی اور رستم سہراب کو فلمانے کا ارادہ کیا۔ کرداروں کا انتخاب ہونے کے بعد ریہرسل ہورہی تھی کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں لاہور جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اپنے دوست حکیم فقیر محمد چشتی کا علاج شروع کیا اور یہیں چند دوستوں کے مشورے پر حشر کلچرز کی بنیاد ڈال کر بھیشم پتامہ کی شوٹنگ شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جموں اور سری نگر کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس مسلسل تگ ودو نے ان کی صحت پر مزید برا اثر ڈالا اور مصروفیات کے سبب حکیم صاحب کا علاج بھی باقاعدگی سے جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی بیماری میں 28/اپریل 1935 کو شام کے چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا۔ حکیم فقیر محمد چشتی نے آغا محمود شاہ کو کلکتے فون کرکے ان سے لاہور ہی میں تدفین کی اجازت لے لی اور آغا صاحب مرحوم کی وصیت کے مطابق اگلے دن یعنی ۲۹/اپریل کو دن میں میانی صاحب کے قبرستان چار برجی میں انھیں ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کلیات میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے پہلے مندرجہ ذیل بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ دوران مطالعہ پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔

ا۔ 'مار آستین' (1899) آغا حشر کا واحد ڈراما ہے جسے بہ ظاہر انھوں نے

اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا کوئی ڈراما اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ برجستہ مکالمات بولتے جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی منشی انھیں قلم بند کرتے رہتے تھے۔ منشیوں کے لکھے ہوئے ان مسودوں کو وہ شاید ہمیشہ دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور ان منشیوں کی اردو بس واجبی سی تھی اور املا ناقص۔ چنانچہ ان مسودوں میں جگہ جگہ املا کی غلطیاں موجود ہیں، جنھیں مرتبین نے درست کیا ہے۔ آغا حشر کی نظر میں ان مسودوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے سنسر کے لیے مقرر حاکم مجاز کہانی کو سمجھ لے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور کردار ادا کرنے والے ایکٹر ان کی مدد سے اپنے مکالمے یاد کرلیں۔ انھوں نے ان مسودوں کی تیاری کے دوران کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان کا استعمال انھیں شائع کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آغا حشر چونکہ اپنے بیش تر ڈراموں کے ہدایت کار بھی خود ہی ہوتے تھے اس لیے اکثر حالات میں انھیں مسودوں میں ہدایات اور مناظر کی تفصیل تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جن ڈراموں میں ہدایات موجود نہ تھیں، ان میں مرتبین نے ان کا اضافہ کیاہے۔ جہاں ایسا کیا گیا ہے، اس کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

۳۔ ایک ہی ڈارمے کے ایک سے زائد مسودے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ریاست میں ڈراما اسٹیج کرنے سے پہلے اس شہر یا ریاست کے حاکم مجاز سے اسے سنسر کرانا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے ہر بار ڈرامے کی نئی نقل تیار کر کے حکام کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ جہاں سے مسودے پر checked and found nothing objectionable کا نوٹ لکھوا لینے کے بعد ہی اسے اسٹیج کیا جا سکتا تھا۔ بیش تر مسودوں پر یہ نوٹ موجود ہے۔

۴۔ عوامی مقبولیت حاصل کر لینے والے کسی ڈرامے کے چند شو مکمل ہوجانے کے

بعد اس میں نیاپن پیدا کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی غرض سے اس میں کبھی بعض نئے مناظر جوڑ دیے جاتے تھے اور کبھی بعض مناظر نکال دیے جاتے تھے۔ ان مناظر کو ڈرامے سے نکال دینے کا سبب ان کی خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسا محض تبدیلی یا نیا پن پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ آغا حشر کبھی یہ کام ڈراما کمپنیوں کے مالکان کی فرمائش پر کرتے تھے اور کبھی اپنے طور پر۔ اپنے طور پر عموماً اس وقت جب وہ خود ہی کمپنی کے مالک بھی ہوتے تھے۔

۵۔ آغا حشر کا مرکز نگاہ (Target) وہ عام لوگ تھے جو اپنا پیسہ خرچ کر کے ان کے ڈرامے دیکھنے آتے تھے، وہ نہیں جو ادب کو فن لطیف کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے اپنے گھروں میں اس کا لطف لینے کے عادی تھے۔ ڈراموں کی تخلیق کے دوران ادب ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے ان کی پوری توجہ ڈرامے کو دیکھے جانے اور ان ناخواندہ اور کم سواد ناظرین کے نقطہ نظر سے پسندیدہ اور دلچسپ بنانے پر صرف ہوتی تھی، جن کے لیے یہ ایک سہل الحصول اور سستا وسیلہ تفریح تھا۔ شعر و سخن کے شائقین اور ادب کے سنجیدہ قارئین کی خاطر اس کی نوک پلک سنوارنے سے انھیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تھیٹر دیکھنے آنے والوں کی اکثریت پہلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور انھی کی پسند پر مالی اعتبار سے کسی ڈرامے کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ڈراموں میں اپنی بھرپور ادبی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے۔

۶۔ اکثر ایک ہی ڈرامے کے دو مسودوں میں کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات کرداروں کے ناموں کے ساتھ ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آنکھ کا نشہ'' (1924) کے ایک مسودے میں کردار کالی داس، گوری ناتھ، سوہن اور کامنی ہیں۔ اس کا پس منظر بنارس ہے۔ جب کہ اسی ڈرامے کے ایک دوسرے مسودے میں

کرداروں کے نام جگل کشور، بنی پرساد، مادھو اور کام لتا ہیں اور اس کا پس منظر کولکتہ ہے۔ ان صورتوں میں مرتبین نے بعد میں لکھے جانے والے مسودوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۷۔ کلیات کی ترتیب میں مسودوں میں مستعمل قدیم املا کو جدید املا میں بدل دیا گیا ہے۔

۸۔ ایک ڈرامے کے ایک سے زائد ناموں سے موسوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ آغا حشر ڈرامے میں معمولی تبدیلیاں پیدا کر کے عوام کو باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ڈراما اس ڈرامے سے مختلف ہے جو وہ پہلے کسی اور نام سے دیکھ چکے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی اسے دوبارہ دیکھنے آئیں جو پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح کی تبدیلی صرف آغا حشر نے نہیں کی ہے بلکہ اس عہد کی تمام ڈراما کمپنیاں یہی کرتی تھیں۔

۹۔ آغا حشر کی ہندی اپنے معاصر اردو فن کاروں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ لیکن اردو ان کی فطری اور مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان کے ہندی ڈراموں کو پڑھتے وقت بار بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندی میں مکالمے لکھواتے یک بہ یک اردو بولنے لگتے تھے۔ پھر جیسے ہی انھیں خیال آتا تھا کہ جو ڈراما لکھوایا جا رہا ہے وہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے تو وہ پھر ہندی کی طرف آجاتے تھے۔ لیکن یا تو اپنی عدیم الفرصتی کے باعث یا محض تساہل کی بنا پر اتنی اردو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ وہ مکمل ڈراما پہلے اردو میں لکھاتے رہے ہوں گے اور بعد میں اس کا ہندی میں ترجمہ کرتے ہوں گے۔ اس کا امکان کم ہے کیوں کہ ایسا ہوتا تو بے خیالی میں جہاں وہ فارسی آمیز اردو لکھوا گئے ہیں اسے درست ہوجانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے غالب امکان اسی بات کا ہی ہے کہ وہ فی البدیہہ اور براہ راست ہندی میں ہی ڈراما لکھواتے تھے۔ یہ بات تو اب سب ہی جانتے ہیں کہ وہ ڈرامے ٹہل ٹہل کر منشیوں کو لکھوایا

کرتے تھے۔

۱۰۔ آغا حشر کے ڈرامے بلا اجازت چھاپنے والے پبلشروں نے ان ڈراموں کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جو مکالمے یا حصے ان کی سمجھ میں نہیں آئے، ان کو اپنی طرف سے لکھ دیا ہے بلکہ اکثر ان کے ہندی ڈراموں کو کسی اچھے ہندی جاننے والے سے مشکل اور سنسکرت آمیز ہندی میں منتقل کروا کر چھاپا ہے۔ اس تعلق سے بنارس کے ٹھاکر پرساد اینڈ سنز کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو آغا حشر کی ناک کے نیچے یہ کام دھڑلے سے کر رہے تھے۔ آغا حشر نے ذاتی طور پر کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر کے جعلی ایڈیشن چھاپنے والے پبلشرز اپنے منشیوں کو آغا حشر کے لکھے ڈرامے دیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، جہاں سے وہ اس کے مکالمات نوٹ کر لاتے تھے۔ یہ کام ایک ساتھ ایک سے زائد منشیوں سے کروایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی تحریروں کو ترتیب دے کر اور جو حصے ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ان میں حسب ضرورت اصلاح کر کے یا انھیں اپنی طرف سے ازسرنو لکھ کر ڈراما شائع کردیا جاتا تھا۔ اصلاح و ترمیم کا یہ کام عموماً وہی منشی انجام دیتے تھے جنھیں نمائش کے دوران ان ڈراموں کی نقل کے کام پر مامور کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ آغا حشر نے اپنے ہندی ڈراموں کے لیے جو گانے لکھے ہیں ان میں بیش تر فارسی وزن اور بحروں کا استعمال کیا ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھوں نے لوک گیتوں، دوہوں یا موسیقی کی لوک دھنوں کو اپنایا ہے وہاں فطری طور پر عروضی ڈھانچہ بھی ہندوستانی ہوگیاہے۔ انھوں نے بعض ہندی الفاظ کو ان کے رائج عوامی تلفظ کے مطابق استعمال کیا ہے۔

۱۲۔ یہ معاصر ماحول میں رچی بسی انگریزی زبان کے اثرات کا نتیجہ ہے یا پھر شعوری طور پر ایسا کیا گیا ہے کہ عمومی بات چیت کے مکالموں میں آغا حشر

نے حال استمراری (Present Imperfect) کی بجائے حال قریب (Present Indefinite) کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اردو میں انگریزی کے اس صیغے (Tense) کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ اردو میں عام طور پر 'وہ جاتا ہے' کے بدلے 'وہ جا رہا ہے' کا پیرایہ بیان زیادہ مقبول ہے۔ اور جب 'وہ جاتا ہے' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عادت کے اظہار کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی جگہوں پر اس کا مفہوم 'وہ جایا کرتا ہے' ہو جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ آغا حشر نے ڈرامے میں ایک مصنوعی فضا قائم کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا ہو۔

اس کلیات کی ترتیب کے دوران ہمیں مسلسل اردو کے معتبر محقق پروفیسر حنیف نقوی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ اگر ان کی خاص توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہ پاتا۔ مسودوں کی تلاش، چھان بین اور انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں خانوادہ حشر کی تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے جناب آغا نہال احمد شاہ کاشمیری نے جس طرح ہماری مدد کی ہے، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

آغا حشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیر مصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر کی دین پر خاطر خواہ کام ہو سکے گا۔

آغاحشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں

تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیرمصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر کی دین پر خاطر خواہ گفتگو ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب اور دیگر اراکین بالخصوص ڈاکٹر روپ کرشن بھٹ اور ڈاکٹر رحیل صدیقی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔

مرتبین

بنارس
31/اکتوبر 2003

خوابِ ہستی

خواب ہستی (1908)

یہ ڈراما بنیادی طور پر سہراب جی اُگرا کی کمپنی دی نیو الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف بمبئی کے لیے لکھا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسے دوسری کمپنیوں نے بھی اپنے اسٹیج پر پیش کیا۔ ان میں خود آغا حشر کی اپنی کمپنی دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ بھی شامل ہے۔ اسے ''خواب ہستی'' کے علاوہ ''پیار کی پتلی'' کے نام سے بھی کھیلا گیا۔ یہ ڈراما بھی آغا حشر کے کامیاب ترین ڈراموں میں سے ایک ہے۔ اس کا تعلق اکثر ناقدین نے شیکسپیئر کے ڈرامے ''میکبیتھ'' سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اصلاً ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔

آغا حشر کے ذخیرے سے اس کے تین مسودے دستیاب ہوئے ہیں۔ پہلا مسودہ مجلد ہے۔ اس میں جابہ جا پنسل سے اصلاح ہے۔ غالب امکان ہے کہ خود آغا حشر نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ مسودہ خوشخط، صاف اور اچھی حالت میں ہے۔ لیکن اس میں نہ کاتب کا نام درج ہے اور نہ کتابت کی تاریخ اور مقام۔ یہ مسودہ سب سے پرانا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا مسودہ بھی خوشخط ہے۔ اس پر بھی کاتب کا نام اور کتابت کی تاریخ وغیرہ درج نہیں نہیں نیز اس پر بھی آغا حشر کے ہاتھ کی تصحیح معلوم ہوتی ہے۔ مشمولہ متن کی تیاری میں ان دونوں نسخوں سے مدد لی گئی ہے۔

تیسرا مسودہ منظور احمد مہدوی عظیم آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر کتابت کی تاریخ 17/جولائی 1927 اور مقام بانس بریلی درج

ہے۔ یہ مسودہ بھی اچھی حالت میں ہے۔ اس پر سنسر کے دستخط کے نیچے 16/ستمبر 1927 کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اس پر بھی آغا حشر کے ہاتھ کی اصلاح معلوم ہوتی ہے۔ اس میں ابتدا میں ایک باب کا اضافہ ہے جو پہلے کے دونوں مسودوں میں شامل نہیں۔ پنسل کی یہ تحریر آغا حشر کی ہے۔ یہ باب بھی مشمولہ متن کا حصہ ہے اور پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے۔

ان مسودات کے علاوہ آئینہ ادب، چوک مینار، انار کلی، لاہور سے 1983 میں شائع شدہ نسخہ بھی مرتب کے پیش نظر رہا ہے۔

کردار

مرد:

نواب اعظم	صولت کا باپ، حسنیٰ کا پرورش کنندہ
صولت	نواب اعظم کا بیٹا
فضیحتہ خان	نواب کا ملازم اور صولت کا مصاحب
فیروز	حسنیٰ کا بھائی
اسفند یار	فیروز کے گروہ کا سردار
منوا	فضیحتہ کا نوکر

اس کے علاوہ سپاہی، جمعدار، پجاری، گرو وغیرہ

عورتیں:

رضیہ	نواب اعظم کی بھتیجی
حسنیٰ	فیروز کی بہن اور صولت کی عاشق
عباسی	ایک بیوہ۔ صولت کی داشتہ اور مشیر
عورت	فضیحتہ کی بیوی

اس کے علاوہ کنیزیں اور سہیلیاں وغیرہ

باب پہلا ——— تمہیدی سین

نواب اعظم کا دیوان خانہ

(سہیلیوں کا گانا)

مالک پیارا۔ جگ ساگر سے تارن ہارا
سرجن ہارا ہے نیارا
ہم ہیں تمہرے دوارا
مالک پیارا......
دکھ روپی سنسار میں کام نہ آوے کوے
پھنسے جو آ منجدھار میں پار تمھیں سے ہوے
سگر جگت نس دن۔ پل پل چھن چھن
انت ہے دیا کے دھیان
جیا کے دھام۔ تیرو ہی نام
داتا مالک پیارا.....

(سب کا جانا۔ نواب اعظم کا آنا اور انتہائی غصے میں صولت کو برا بھلا کہنا)

نواب اعظم: شرم کر۔ شرم کر۔ بے غیرتی کے پتلے شرم کر۔ ے
شریروں کے شر سے، بدوں کے اثر سے، جفا سے، خطا سے، دغا سے بھرا ہے
جفا کار، عیار، مکار، موذی فرشتے سے شیطان پیدا ہوا ہے

نہ قدر محبت، نہ پاس شرافت نہ توقیر و عزت نہ خوف خدا ہے
برائی کا بندہ، طبیعت کا گندا، نہ دنیا کی عزت نہ شرم و حیا ہے
مری شان و شوکت، بزرگوں کی عزت مٹی دوجہاں سے ترے شہدے پن سے
برائی بھی کہتی ہے تجھ کو برا ہے، ندامت بھی نادم ہے تیرے چلن سے

(عباسی کا اندر سے آواز دینا)

عباسی: ملعون آدمی۔

صولت: بس جناب بس اتنا فرمایئے کہ میں سخت زبان بولنے پر مجبور ہوجاؤں۔ آپ کی باتوں سے طبیعت ابلتی ہے۔ یاد رکھیے جب پتھر پر پتھر گرتا ہے تو دونوں سے چنگاری نکلتی ہے۔ ؎

مجھ میں بھی شرارت ہے، حرارت ہے، غضب ہے
اس پر بھی جو کہتا نہیں کچھ صرف ادب ہے
راحت نہیں دیتے تو اذیت بھی نہ دیجے
رکھ لی ہیں دعائیں تو یہ لعنت بھی نہ دیجے

نواب اعظم: اگر تو لعنت سے اتنا ڈرتا ہے تو فصیحتہ اور عباسی ان دو زندہ لعنتوں سے کیوں نہیں گریز کرتا ہے۔ جو ریاست کے گھن، دولت کی جونک، دستر خوان کی مکھی، سونے کی ہڈی چچوڑنے والے کتے ہیں۔ ان جیتی جاگتی لعنتوں سے کیوں نہیں پرہیز کرتا ہے۔ ؎

یہ وہیں تک ساتھ دیں گے جب تلک کچھ آس ہے
جب تلک احمق ہے تو اور جب تلک زر پاس ہے
جب خزاں آئی نہ لیں گے نام تیرا بھول سے
یوں جدا ہوجائیں گے جس طرح پتے پھول سے

صولت: جن دو ہیروں سے میری زندگی کی انگوٹھی چمک رہی ہے آپ انھیں کو پتھر کہہ کر رد کرتے ہیں۔ معاف کیجیے۔ معلوم ہوا کہ آپ

میرے دوستوں کی خوبیاں دیکھ کر حسد کرتے ہیں۔

نواب اعظم: بے وقوف۔ ان میں سے ایک تیرے دل کا زخم اور دوسرا داغ ہے۔

صولت: نہیں۔ بلکہ یوں فرمایئے کہ ایک میری قسمت اور دوسرا دماغ ہے۔

نواب اعظم: احمق۔ ایک تیری قسمت پر تیل چھڑکے گی اور دوسرا آگ لگائے گا۔

صولت: جی نہیں۔ ایک آپ کی لگائی ہوئی آگ پر پانی چھڑکے گی اور دوسرا بجھائے گا۔

نواب اعظم: میری سن۔ میں تیرا دوست ہوں۔

صولت: مجھ سے نہ کہیے۔ آپ میرے دشمن ہیں۔

نواب اعظم: بے وقوف۔ ہم تیرے باپ ہیں۔

صولت: آپ مجھے ڈسنے والے سانپ ہیں۔

نواب اعظم: اف۔ کیا یہی قاتل باتیں سننے کے لیے ہم نے تجھے پالا ہے۔

صولت: آپ نے مجھے کاغذ کی زمین پر قلم کی چھری سے حلال کر ڈالا ہے۔

نواب اعظم: ؎مجھ سے اور یہ بد کلامی یہ برابر کا جواب۔

صولت: ؎تیر کا ہے تیر اور پتھر کا ہے پتھر جواب۔

نواب اعظم: ؎سامنے میرے تجھے صبر و تحمل چاہیے۔

صولت: ؎غیر ممکن ہے کہ کانٹے بوے اور گل چاہیے۔

نواب اعظم: ؎باپ اور بیٹے کے منھ سے بدزباں ایسی سنے۔

صولت: ؎ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے۔

نواب اعظم: بس جا دور ہو۔ اب میری آنکھیں تجھے نفرت اور غصے سے بھی دیکھنا نہیں پسند کرتیں۔ جا شیطان کی طرح مردود ہو۔ اس کے ایمان کی طرح نابود ہو۔ میری خوشی کی طرح مٹایا جاے۔ کانٹے کی طرح پیدا ہو۔ گھاس کی طرح کٹے اور کوڑے کی طرح جلایا جائے۔

لقمۂ حرص، غذائے دوزخ، کافر، بے دیں، بندہ زر کا
دل کا زخم، بدن کا پھوڑا، جاں کا غم، ناسور جگر کا
ننگ شرافت، لائق لعنت، کور نمک، بد خواہ پدر کا
دشمن گھر کا، دشمن درکا، دشمن زر کا، دشمن سرکا
قسمت پھوٹے، سر پر ٹوٹے، میری لعنت بن کر بجلی
خاک ہو تواور خاک پہ برسے دن بھر آتش شب بھر بجلی

(نواب اعظم اور صولت کا جانا۔عباسی کا آنا)

عباسی: ریاست کے گھن۔ دولت کی جونک، بولتے ہوے پتھر، ان باتوں کا انتقام لیا جاے گا۔ ۔

لوں گی اپنے ہاتھ سے، تیغ و تبر سے انتقام
تیرے گھر سے، تیرے در سے، تیرے سر سے انتقام
گوشت سے،ہڈی سے،جاں سے، جسم و سر سے انتقام
جاں سے،دم سے، روح سے،دل سے، جگر سے انتقام
موت لرزے چیخ اٹھے خود، کانپے تھر تھر انتقام
ساتواں دوزخ کہے یہ ہے برابر انتقام

باب پہلا ——— سین دوسرا

رضیہ کا محل

(رضیہ کا اندر سے گانا گاتے ہوئے آنا)

چمکت گل کاری۔ دہکت پھلواری ہے نیاری
کیاری، سنگاری۔ کیا پیاری پیاری
چمکت گل کاری......
الٰہی آبرو رکھیو دل اخلاص پرور کی
کہ آئندہ کسی کو کیا خبر اپنے مقدر کی
ڈالی ڈالی پر کویل کالی
بھکتی کرے تمھاری۔
چمکت گل کاری.....

رضیہ: سبحان اللہ۔ میں حیران تھی، یارب! وہ مجمع کہاں ہے۔ زمین کے ستاروں کا جھرمٹ یہاں ہے۔

(سب سہیلیوں کا آنا)

ڈالی: بہن لو۔ مقدر نے درجہ بڑھایا۔ ضرورت تھی جس چاند کی نظر آیا۔

رضیہ: اے میں بھی سنوں بات کیا ہو رہی ہے۔

ڈالی: دعا کررہے تھے۔ دعا ہو رہی ہے۔

رضیہ: دعا۔ کس غریب کے واسطے؟
بہار: جی نہیں۔ ایک خوش نصیب کے واسطے۔
رضیہ: خوب۔ کس خوش حال کے لیے؟
ڈالی: آپ اور آپ کے اقبال کے لیے۔
بہار: آپ کے دولت و مال کے لیے۔
تیسری: آپ کے حسن و جمال کے لیے۔
چوتھی: قیامت سی چال کے لیے۔
ڈالی: غضب کے خط و خال کے لیے۔
بہار: پھول سے گال کے لیے۔
رضیہ: ماشا اللہ۔ ماشا اللہ۔
تیسری: ے رہے جہاں میں تو رونق جہاں کی طرح۔
چوتھی: ے رہے بہار تری باغ بے خزاں کی طرح۔
ڈالی: ے ترا اٹھان ترقی کرے قیامت کی۔
بہار: ے ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح۔

(رامش گروں کا گانا)

پیاری ناز کے بھالے۔ کرلے
مگر کچھ کاری نیعن کے بھرے مد کے پیالے
رنگت سندریا موہنیاں
نجر نجر تو منا کٹاری پوری
دلاوری موری
نس دن لگاتی من پہ کان
نیعن کے بھالے
پیاری ناز.....

رضیہ: بس بس معلوم ہوا کہ تمھیں دعائیں دینے میں خوب مشاقی ہے۔

ڈالی: اے حضور بڑے سرکار نے اپنی ساری دولت آپ کے نام لکھ دی ہے۔ ابھی تو اس کی مبارک باد باقی ہے۔

بہار: ہاں بی بی مبارک۔

تیسری: ہاں حضور مبارک۔

چوتھی: سرکار مبارک۔

ڈالی: اب تو مٹھائیاں کھلوایئے۔

بہار: اب تو انعام دلوایئے۔

تیسری: میں تو ایک ہزار کا توڑا لوں گی۔

چوتھی: اور میں توڑے کے ساتھ زری کا جوڑا لوں گی۔

رضیہ: دیوانیو۔ یہ سچ ہے کہ بیٹے کی نالائق حرکتیں دیکھ کر چچا جان نے اپنی تمام دولت میرے نام لکھ دی ہے۔ مگر میں واقعی غیر حق دار ہوں۔ اگر صولت کا چال چلن ٹھیک ہو جائے تو کل ہی وصیت نامہ چاک کرکے اس کی دولت اسے دینے کو تیار ہوں۔

ڈالی: جب تک عباسی اس کی ہم دم اور فضیحتہ اس کا مشورہ کار ہے، اس وقت تک صولت کا راہ پر آنا دشوار ہے۔

بہار: حضور۔ یہ موئی عباسی کون ہے؟

تیسری: وہی صولت کی آشنا۔

رضیہ: چپ بے شرم۔ عباسی کرنل بہرام کی بیوی ہے۔ کرنل ایک دولت مند شخص تھا۔ اتفاق سے دولت و مال نے منھ پھیرا۔ مفلسی نے آن گھیرا۔ بیچارے نے تنگ آکر زہر کھاکر اپنی جان گنوائی اور یہ بے وفا عورت دوسرے ہی روز بھائی صولت کے ساتھ بھاگ آئی۔

بہار: جہنمی شہکارہ۔

تیسری: حضور کیسی خود کشی۔ میں نے تو سنا ہے کہ اس مردار نے زہر دے کر اپنے شوہر کو مارا۔

رضیہ: ہاں۔ ممکن ہے۔

بہار: اور اس نمک حرام فضیحتہ کو تو دیکھیے۔ فضیحتہ کو۔

رضیہ: ہاں۔ دیکھو نا۔ کمینے نے آٹھ برس تک اس گھر کا نمک کھایا۔ دس بارہ دفعہ چچاجان نے اسے جعل و فریب کے مقدموں سے چھڑایا۔ نوکری سے علاحدہ کرنے کے بعد بھی پانچ سو روپیہ عطا فرمایا۔ اب ان احسانوں کا بدلہ اتارتا ہے کہ انھیں کے لڑکے کو بگاڑتا ہے۔

چوتھی: لعنت ہو موے پر۔

(ایک سہیلی کا داخل ہونا)

رضیہ: کیوں؟

پانچویں: دستر خوان تیار ہے۔ حضور کا انتظار ہے۔

(گانا)

کامنیا کا ہے کھڑی ہو
چل کے کرو سنگار۔ ہڑی رخسار۔ کھلے گلزار
کاہے کھڑی ہو.....
امنگ کے۔ سنگ سنگ رنگ چھایا
رنگ جمایا۔ آہا آہا۔ واہ۔ واہ
رنگیلی، رسیلی، نکیلی، نار نویلی، گائیں ہم ملھار
کامنیا.....

(گاتے گاتے سب کا اندر جانا)

باب پہلا ——— سین تیسرا

راستہ

(حسنیٰ کا گاتے ہوے آنا)

آیو ہے ساون۔ من بھاون
سکھیاں گاوت ہیں سب میگھ اور ملھار سر تان سے
آیو ہے......

خدایا میں درد مند ہوں۔ دوا دے۔ میں عشق کی بیمار ہوں شفا دے۔ میں محبت کا زہر پی گئی ہوں آب بقا دے۔ چمک اے امید کے خوب صورت آفتاب، کہ غم کی ڈراونی اور لمبی رات کا سویرا ہو، قسمت میری دعاؤں پر آمین بول۔ تاکہ جس کی میں ہو چکی ہوں وہ بھی میرا ہو۔ چل حسنیٰ اپنے صولت، اپنے دیوتا کے مندر میں چل۔

تن پریم کی راکھ لگالے تو وہاں جوگن بن کر جانا ہے
جہاں آج رگوں کے تاروں پر الفت کا راگ سنانا ہے
اے آنکھوں کی گنگا جمنا سوامی کے پاؤں دھلانا ہے
من لے چل اپنے داغوں کو موہن پر پھول چڑھانا ہے
میں بل بل جاؤں مکھڑے پر اور سوامی کے ان چرنوں پر
میں جب جانوں کہ پجاری ہوں جب راضی وہ گردھاری ہوں

(حسنیٰ کا گاتے گاتے اندر جانا)

عباسی: (آکر) میرے راستے کی ٹھوکر یہی ہے۔ جو بھوکے شیر کے منھ سے اس کا شکار چھین لینا چاہتی ہے۔ صولت اور اس کی دولت کو میرے حرص کے دانتوں سے بچانا چاہتی ہے۔ نہیں رہ سکتی جس آسمان کے نیچے میں جیتی ہوں۔ جس زمین پر میں بستی ہوں۔ جس ہوا میں سانس لیتی ہوں۔ نہیں رہ سکتی۔ ڈر ڈر اے اس شہر کی سب سے زیادہ خوب صورت مگر بے وقوف عورت، عباسی سے ڈر، جس نے آرام کے لیے عصمت کو سلام کیا۔ جس نے صولت کے لیے اپنا نام بدنام کیا۔ جس نے دولت کے لیے اپنے مفلس شوہر کو زہر دے کر تمام کیا۔ کیا اس کا کینہ تجھے جلاکر نہ خاک کرے گا۔ نہیں نہیں چھری کا وار۔ رسّی کا پھندا یا تھوڑا سا زہر، تیرا قصہ بھی پاک کرے گا۔

نہ ہو گر یہ تو میرے خون دل پینے پہ لعنت ہے
مرے غصے، مرے کینے، مرے جینے پہ لعنت ہے

باب پہلا ——— سین چوتھا

عیش گاہِ صولت

(صولت، عباسی کا معہ مصاحبین داخل ہوتا)

(سہیلیوں کا گانا)

سرداری پاوے
ساقی پلا کو پیالا۔ جھومت آوے متوالا۔ نرالا۔ دے پیالا
سرداری پاوے
تصدق کم سنی کا واسطہ جوش جوانی کا
لنڈھا دے ساقیا کنٹر شراب ارغوانی کا
الٰہی رات دن چھوٹا کریں صہبا کے فوارے
ریاض دہر سے اٹھ جائے استعمال پانی کا
دل کی کلی کھلے۔ رنگ جوانی
رنگ سے، امنگ سے دکھلا موج کرے پینے والا
گل لالہ دے پیالا
سرداری پاوے

مصاحب ا: ـ

کیا دیر ہے اے ساقی گلفام چھکادے
ساغر نہیں ملتا ہے تو چلو سے پلادے

مصاحب ۲: ـ

یارب ترے کوثر میں نہ تیزی ہے نہ مستی
ہم کو جو پلانی ہے تو دنیا سے منگادے
سرداری پاوے ساقی......

(سہیلیوں کا گاتے گاتے اندر جانا)

صولت: ـ

پیو اے گل بدن، گلفام، گل اندام، گل پیکر
مے گل رنگ، گل نیرنگ، گل اورنگ، گل پرور

مصاحب ا: ـ

دہن شیشہ سے جب نغمۂ قلقل نکلے
مے کے قطروں پہ گماں ہوتا ہے بلبل نکلے

نفیحت: ـ

ماسٹر سے کہو، لڑکوں کو پلا جام شراب
کہ ہر اک طفل ترا غیرتِ بلبل نکلے

مصاحب ۲: ـ

دم بادہ کشی کچھ ناچ گانا ہو تو بہتر ہے

نفیحت: ـ

چمن بے بلبل نغمہ سرا صحرا سے بدتر ہے

(دو رنڈیوں کا آنا)

ہم سے کرکے بہانہ یار سوتن گھر جاتے ہو
جاو جاو۔ مجھے نہ ستاؤ۔ جاو جاو۔ مجھے نہ ستاؤ

قسم کیوں جھوٹی کھاتے ہو
ہم سے کرکے......
ہم سے کرکے بھانت و ناک
تاک مارے توری ترچھی نجریا
جلمی نجرکی کٹریا
آنکھوں میں ٹونا۔ نگاہوں میں جادو
پیاری کی بالی عمریا
جیا ترسے۔ بدریا برسے
سانوریا کیوں ترساتے ہو
ہم سے کرکے......

(رنڈیوں کا جانا اور سامنے سے حسنیٰ کا آتے نظر آنا)

فضیحتہ: آرہی ہے۔
صولت: کاٹھ کی پتلی۔
عباسی: جو حماقت کے پیٹ سے پیدا ہوئی۔
فضیحتہ: بے وقوفی کے دودھ سے پلی۔
عباسی: اور جوان ہوکر عشق کے منتر سے اندھی ہو گئی۔
صولت: آرہی ہے۔

(فضیحتہ، عباسی اور مصاحبوں کا جانا اور حسنیٰ کا آنا)

حسنیٰ: یہی ہے میری خوشی، یہی ہے میری خوشی کی دنیا، یہی ہے میری دنیا کی روشنی ۔
محفل ہستی میں شمع انجمن آرا ہے یہ

بے کسی کی رات میں امید کا تارا ہے یہ
آرزو کے آنکھ کی پتلی تمناؤں کی جاں
پیار بھی کرتا ہے جس کو پیار وہ پیارا ہے یہ

صولت: اوہ، محبت۔ غلط۔ کچھ نہیں۔ کبھی نہیں۔ لوگوں کے دلوں میں فتور ہوا ہے۔ محبت کا نام محض شاعروں کی بدولت، جنھیں گل و بلبل کا دلال کہنا چاہیے، دنیا میں مشہور ہوا ہے۔

حسنیٰ: (آہستہ سے) میرے اللہ۔ یہ کیا کہتا ہے؟

صولت: ؎

مطلب کی دوستی ہے مطلب کی سب وفا ہے
مطلب کے سب ہیں بندے مطلب فقط خدا ہے
الفت ہے کام دل کا اور دل کے حرف دو ہیں
ان میں بھی ہے یہ نفرت ایک ایک سے جدا ہے

حسنیٰ: نہیں۔ ایسے لفظ زبان پر نہ لاؤ۔ اچھے صولت تمام دنیا پر الزام نہ لگاؤ ؎

سبھی یکساں نہیں، نااہل بھی، معقول بھی ہیں
باغ میں خار ہیں گر چار تو دو پھول بھی ہیں

صولت: حسین حسنیٰ۔ تو بھولی بھالی ہے۔ یہ دنیا فریب کا نقارہ ہے۔ جو شور بہت کرتا ہے لیکن اندر سے خالی ہے۔

حسنیٰ: میرے آفتاب تم اندھیرے میں ہو۔ قدرت نے محبت ہی کی زمین پر دنیا کا محل اٹھایا ہے۔ خدا نے آگ پانی مٹی ہوا، ان سب کو محبت کے پانی میں گوندھ کر یہ بولتا ہوا مکان بنایا ہے ؎

بلبل نثار ہوتا ہے گل ہائے باغ پر
پروانہ جان دیتا ہے جل کر چراغ پر
دنیا کے ذرہ ذرہ میں الفت کی لاگ ہے
پتھر کے بھی جگر میں محبت کی آگ ہے

صولت: ہاں۔ مگر نہیں ہے تو میرے بیدرد باپ کے دل میں۔

حسنیٰ: میرے صولت۔

صولت: حسنیٰ۔ کیا دنیا ایسے کو اچھا باپ کہے گی جو بیٹے کے حق میں ایسی بے ایمانی کرے۔

حسنیٰ: اور صولت۔ کیا دنیا ایسے کو اچھا بیٹا کہے گی جو اپنے باپ کے ساتھ ایسی بدزبانی کرے۔

صولت: جس کا دل جلتا ہے۔ اس کے منھ سے ایسا ہی کلمہ نکلتا ہے۔

حسنیٰ: نہیں۔ یہ بروں کی خصلت ہے۔ اچھوں کی زبان پر ہمیشہ اچھی ہی بات آتی ہے۔ سانپ دودھ پیتا ہے اور زہر اگلتا ہے لیکن گائے گھاس کھاتی ہے اور دودھ پلاتی ہے۔

صولت: حسنیٰ۔ غور کر۔ آدمی کے مقابلے میں حیوان کی مثال دینا کس قدر واہیات ہے۔

حسنیٰ: اور صولت تم بھی غور کرو کہ جو کام حیوان نہیں کرتا وہ کام انسان کرے تو کتنی شرم کی بات ہے۔

صولت: میری روح۔ تو کیا تو بھی میری قسمت کی طرح مجھ سے جنگ کرتی ہے۔

حسنیٰ: میرے صولت۔ حسنیٰ تم سے نہیں، تمھاری بدی سے لڑتی ہے۔

صولت: ~

اچھا کہے گا کون اسے اس جفا کے بعد

حسنیٰ: ~

دنیا میں باپ ماں کا ہے درجہ خدا کے بعد

صولت: حسنیٰ۔ حسنیٰ۔

بیاں نہیں ہے یہ سوز نہاں نکلتا ہے
جگر کی آگ کا منھ سے دھواں نکلتا ہے

حسنیٰ: ؎

حیا سیکھو، ادب برتو، بچو آتش بیانی سے
بجھادو اس بدی کی آگ کو نیکی کے پانی سے

صولت: ؎

جس کو دوا سمجھتے تھے وہ درد ہوگیا
بس جاؤ جاؤ تم سے بھی دل سرد ہوگیا

حسنیٰ: بے سبب ناراضی۔

صولت: بس رہنے دو لفاظی۔

حسنیٰ: میری تقصیر؟

صولت: میری تقدیر ؎

سب ہیں ستانے والے، غم کو بڑھانے والے
دل کے جلانے والے، چرکے لگانے والے
قسمت کے زخمیوں کا ہمدم نہیں ہے کوئی
نشتر تو سینکڑوں ہیں، مرہم نہیں ہے کوئی

حسنیٰ: ؎

جان اور جہان پھینک دوں تم پر سے وار کے
قدموں کے آگے ڈال دوں یہ سر اتار کے
آنکھیں نکال دوں میں اشارہ اگر ملے
پی جاؤں زہر حکم تمھارا اگر ملے

صولت: اوہ، چپ رہو۔ سب کو زبانی دعویٰ ہوتا ہے۔ کون کسی کے لیے جان کھوتا ہے۔ ؎

مشکل ہے ساتھ دے کوئی حال تباہ میں
سایہ بھی چھوڑ جاتا ہے روزِ سیاہ میں

حسنیٰ: صولت۔ میرا عشق وفادار ہے۔

صولت: میری حسنیٰ۔ یہ دشوار ہے۔

حسنیٰ: صولت۔ مجھے آزماؤ۔
صولت: حسنیٰ۔ تم موم ہو۔ امتحان کی آگ کے سامنے نہ آؤ۔
حسنیٰ: میں پھر کہتی ہوں کہ مجھے محبت ثابت کرنے کا موقع دو۔
صولت: ہاں تو یہ لو۔
حسنیٰ: یہ کیا ہے؟
صولت: جعلی وصیت نامہ ہے۔ اسے رکھ کر کسی طرح میرے باپ کی تجوری سے اصلی وصیت نامہ لادو ۔

کسوٹی اب بتادے گی کہ کیا کیا تم سے ہونا ہے
یہ چمکیلا سنہرا عشق پیتل ہے کہ سونا ہے

حسنیٰ: او خدا۔ یہ تو مجھے چوری کرنے کو کہتا ہے۔ اب۔ میں۔ نہیں نہیں۔ صولت تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟
صولت: اپنی زندگی۔ اپنی روح۔ اپنی جان۔
حسنیٰ: کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ جسے تم اپنی روح سمجھتے ہو اس کو جہنم میں گرانے کے لیے تیار ہو۔
صولت: سرد ہوگئی۔ زرد ہوگئی۔ محبت کا جوش مرگیا۔ عشق کا بخار اتر گیا ۔

راہ وفا میں دو ہی قدم چل کے گر گئی
کیا جان دے گی تو جو زباں دے کے پھر گئی

حسنیٰ: ۔

زباں دی تھی کہ تم پر جان دوں گی جان حاضر ہے
کہا تھا سر کٹا دوں گی، یہ سر اس آن حاضر ہے
مری دولت، محبت، جان و دل سب کچھ تمھارا ہے
نہ دوں گی میں مگر ایماں کہ یہ ان سب سے پیارا ہے

صولت: آہ قسمت۔ قسمت۔ امید کی روشنی بھی مجھے راستہ نہیں دکھاتی ہے۔
حسنیٰ: خدا تجھے نیک راستہ دکھائے۔
صولت: خدا مجھ بد بخت کے لیے تجھے رحم دل بنائے۔

حسنیٰ: صولت۔ یہ گناہ ہے۔ اس لیے طبیعت جھجکتی ہے۔
صولت: حسنیٰ۔ محبت اندھی ہے۔ اس لیے گناہ کو نہیں دیکھ سکتی ہے۔
حسنیٰ: میں کیا کروں۔ کچھ سمجھ نہیں پڑتا ہے۔
صولت: حسنیٰ۔ اچھی حسنیٰ۔
حسنیٰ: اوہ جی ٹھہرو۔ تمھارا عشق میرے ایمان سے لڑتا ہے۔
صولت: خدا کرے وہ فتح یاب ہو۔
حسنیٰ: اوہ محبت۔ تو خراب ہو۔
صولت: دل آرا۔
حسنیٰ: دل ہارا۔

(گت)

باب پہلا ——— سین پانچواں

محل

(سہیلیوں کا ناچنا اور گانا)

کیا بہار چھائی دیکھو پھولا ہریالا جی
ڈالی ڈالی پر کھلیاں
جوہی چمپا کی کلیاں
بن بھی چمن بن گیا ہے رنگت والا جی
کیا بہار چھائی......
ہری ہری ڈالیاں
جی من ہری ہری ڈالیاں
بولت پپیہا رہ
لبھاوت ہے جیارہ
دل یہ سدا گل کی ادا ہے
آؤ پیاری گائیں
ساری پھول ہے ہریالا جی
کیا بہار چھائی......

رضیہ: بہار۔
بہار: سرکار۔
رضیہ: ڈالی۔

ڈالی: حضور عالی۔

رضیہ:

ہوا ہے مست، قمری گا رہی ہے، پھول ہنستے ہیں
گھٹا چھائی ہوئی ہے، ہر طرف موتی برستے ہیں
چلو گلشن کو لطف سبزہ و گل یاد کرتا ہے
چلی آتی ہے ہچکی......

ڈالی: .....کوئی بلبل یاد کرتا ہے۔

بہار: ہاں ہاں حضور۔ ضرور چلیے۔ طبیعت بھی تازی ہوگی اور باغ کی بھی سرفرازی ہوگی۔

ڈالی: مگر بی تم کیوں آتی ہو؟

بہار: اور بی تم کیوں ساتھ جاتی ہو؟

ڈالی: میں بانکی بن کے۔ ناز سے تن کے۔ سرو کو چال سکھاؤں گی۔

بہار: میں ان گالوں کی لالی سے لالے پہ رنگ جماؤں گی۔

ڈالی: میں مسی مل کے ہونٹوں پہ، بی سوسن کو شرماؤں گی۔

بہار: میں ڈورا بھر کے کاجل کا نرگس سے آنکھ لڑاؤں گی۔

ڈالی: میں ایسا ٹھاٹھ بناؤں گی۔ گلشن سارا تعظیم کرے۔

بہار: میں ایسی شان سے جاؤں گی۔ ہر گل جھک کر تسلیم کرے۔

رضیہ: نگوڑیو۔ چلو تو سہی۔ گھر ہی میں گل و گلزار سے ٹھٹھا۔ یہ تو وہی مثل ہوئی۔ سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔

ڈالی: میں صدقے گئی۔

آرام دل کو دیجیے راحت دماغ کو
جم جم سے آپ جایئے گل گشت باغ کو
گستاخیاں مگر نہ کرے کوئی بھول کے
بلبل نہ منھ کو چوم لے دھوکے میں پھول کے

رضیہ: چل ولالہ۔ شیطان کی خالہ۔ خبردار جو ایسا لفظ زبان سے نکالا۔

موئے بلبل کو اپڑی چوٹی پر سے واروں۔ ایسی گستاخیاں دکھائے تو ایک ایک پھول کے سامنے سو سو جوتیاں ماروں۔

بہار: اے حضور۔ ایک مرتبہ اسے کالے کوے نے چوما تھا۔ اس لیے آپ کو بلبل سے ڈراتی ہے۔

ڈالی: چل موئی اُچھال چھکا۔ اپنا عیب دوسروں کے سر چپکاتی ہے۔

بہار: دیکھا حضور۔ سچی بات سے کیسی آگ لگ اٹھی۔

ڈالی: لو یہ دیا سلائی کی پٹی بھی سلگ اٹھی۔

بہار: موئی سیلی ہوئی پھلجھڑی۔ کوے کے نام پر سوکھے ہوے کوئلے کی طرح کیوں چٹکتی ہے؟

ڈالی: موئی خوشامدی مینا۔ تو دم کٹی گلہری کی طرح کیوں جھکتی ہے؟

جس جا دیکھا کچھ ہریالا، جس جا دیکھا کچھ گل لالہ
ہاتھ میں لے کر بھیک کا پیالہ، بیٹھ گئیں اور بولیں لالا

بہار: ـــ

چل دلّالہ دیو کی خالہ، منھ پر اجلا پیٹ میں کالا
ہم سب سے بھی بتا بالا، گڑ کھائے اور کہے مصالحہ

ڈالی: آگ لگے اس ٹھٹھے کو بس چھوڑو بندی جاتی ہے۔

رضیہ: اے ہے بنو اتنا غصہ......

بہار: ......اے بی بی اتراتی ہے۔

رضیہ: کیا جھنجلا گئیں؟

سہیلی ۱: اجی نہیں بوکھلا گئیں۔

سہیلی ۲: نہیں جی شرما گئیں۔

رضیہ: بیگم زبان تو کھولو۔

بہار: میاں مٹھو منھ سے تو بولو۔

سہیلی ۱: حلوا چاہیے کہ بوٹی۔

بہار: پیسہ مانگتی ہے کہ روٹی۔

ڈالی: چل نٹ کھٹ کھوٹی۔ سمجھ کی موٹی۔ طبیعت کی چھوٹی۔ زیادہ ستائے گی تو کاٹ لوں گی ناک اور چوٹی۔

بہار: او ہو ہو ہو۔ عورت ہے یا افرا سیاب کی خالہ۔

رضیہ: بس بس۔ تم شریروں نے بھی غریب کو ذرا سی چوک ہونے پر نکو بنا ڈالا۔

ڈالی: دیکھیے نا حضور۔ لونڈی نے کون سی بری بات کہی۔ مانا کہ بلبل سے گستاخی ہوئی تو آپ اس پر غصہ نکالیے گا۔ لیکن خدا رکھے چار دن کے بعد چاند سا دولھا آئے گا تو کیا اس کے ہونٹوں پر بھی تالا ڈالیے گا۔

رضیہ: کیوں غائبانی۔ پھر وہی چھیڑ خانی ۔

کون باندھے اپنی قسمت غیر کی تقدیر سے
میں تو کوسوں بھاگتی ہوں قید بے زنجیر سے
شاد ہوں ہر حال میں مجھ کو نہیں شادی پسند
گلشن دنیا میں ہوں میں سرو آزادی پسند

(سب کا مل کر گانا)

آئے آئے شام سندر
سیاں بل جیاں من ہردا
میں یاں گردا تو ہے ڈالوں
دل جو کسی سے لگائیں گے۔ ہے ری گوئیاں
دل جو کسی سے لگائیں گے۔ ہے ری گوئیاں
ناحق کے صدمے اٹھائیں گے
آج جن کی آنکھوں میں جادو بھرا ہے
کل وہی آنکھیں دکھائیں گے

ہے ری گوئیاں۔ کل وہی آنکھیں دکھائیں گے
ملے دل بر دل آرا
ملے پیاری کو پیارا
چندر سے تارا
آئے آئے شام سندر

ڈالی: اچھی عورت بغیر مرد کے اور مرد بغیر عورت کے اس مصیبت بھری دنیا میں آرام نہیں پاتا۔ اکیلا پہیہ گر پڑتا ہے۔ اور گاڑی میں دوسرے کے ساتھ مل کر منوں بوجھ اٹھا لے جاتا ہے۔

رضیہ: مرد ہمیشہ حکومت جتاتے ہیں۔

ڈالی: اور عمر بھر غلامی بھی تو کر دکھاتے ہیں۔

رضیہ: ادنیٰ ادنیٰ بات پر دباتے ہیں۔

ڈالی: فضول سے فضول ناز بھی تو اٹھاتے ہیں۔

رضیہ: ذرا سے قصور پر دیدے دکھاتے ہیں۔

ڈالی: ذرا سے اشارے پر آنکھیں بھی تو بچھاتے ہیں۔

رضیہ: بی بی کو گھر میں بند کرکے خود باہر گل چھرّے اڑاتے ہیں۔

بہار: حضور یہ تو اولڈ فیشن والوں کا دستور ہے۔ ہمیں تو آپ کو کسی نئی روشنی والے جنٹل مین سے بیاہنا منظور ہے۔

رضیہ: بھئی میرا تو شادی کے نام سے جی جلتا ہے۔

بہار: تو کیوں دل جلائیے۔ شادی کا سوڈا اور نکاح کی راسبیری نوش فرمائیے۔

(سب کا گانا)

تیرے دل کی لگی کو بجھادیں
میری جان کوئی ملادیں گے

بانکا سانوریا ہاں لادیں گے۔ بانکا سانوریا
(رضیہ) چلو چنچل چھبیلی روکو زبان
تیرے دل کی ملے دل بر دل آرا۔
پیاروں کا پیارا
بانکی دولھنیاں۔ بنو موری جنیاں
سانورے سلونے پہ وارد تم جان
بن ٹھن کے پیاری۔ سانوریا۔ تیرے دل......

باب پہلا ——————سین چھٹا

خواب گاہ نواب اعظم

(نواب اعظم کو سوتے ہوئے دکھائی دینا۔ حسنیٰ کا فانوس
لیے آنا اور تجوری سے وصیت نامہ بدل لینا)

باب پہلا ——— سین ساتواں

مکان فضیحتہ

(منوا کا گاتے ہوے آنا)

نشیالے سے کوئی مت کچھو رے جھیلا
نشے باز البیلا
مرے پیارے سے کوئی مت کچھو رے جھیلا
بھنگڑی کہے تھا آج پی نہیں بھنگ
چل تکیے میں تو چار یار کے سنگ
پی کر بھنگ مچے گی جنگ۔ کون گرو کا چیلا
میرے پیارے سے کوئی مت کچھو رے جھمیلا
نشیالے......

(گاتے گاتے اندر جانا اور فضیحتہ کی عورت کا باہر آنا)

عورت: توبہ توبہ، موے نوکروں نے تو مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ بغیر گھرکی جھڑکی لات جوتے کے کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ منوا او موے منوا۔ ارے موے جواب تو دے۔ اونگھ گیا۔ کیا سانپ سونگھ گیا۔

منوا: سرکار حاضر ہوں میں۔

عورت: ارے او کام چور۔ حرام خور۔ مردود۔ کافر۔ پاجی۔ تین آوازوں پر

ایک جواب۔ تیرا خانہ خراب۔ تاناشاہ کا پوتا ہے یا نادر شاہ کا نواسہ ہے؟

منوا: حضور آپ تو مفت خفا ہوتی ہیں۔ ناحق گالیاں دیتی ہیں۔

عورت: ارے موے بدذات۔ کم اوقات۔ ہم مفت خفا ہوتے ہیں۔ کیا تو تنخواہ نہیں پاتا ہے تنخواہ۔

منوا: تو کیا میں گالیاں کھانے کی تنخواہ پاتا ہوں۔ میں نے ہاتھ بیچا ہے یا ذات۔

عورت: ہائے ہائے۔ جی چاہتا ہے کہ موے کو پھانسی لگادوں پھانسی۔

منوا: اہ ہا۔ اب میں سمجھا۔ شاید ہائی کورٹ کے اختیارات بھی آپ جہیز میں ساتھ لائی ہیں۔

عورت: ارے موے گستاخ نفر۔ پھر کھجایا تیرا سر۔ لوں جوتا اور کروں مرمت۔

منوا: خبردار۔ وہیں ٹھہر جانا۔ آگے قدم بڑھایا تو تم نے جانا۔ زبان سنبھالو۔ اپنی نوکری بھاڑ میں ڈالو۔

عورت: موے۔ حرام خور۔ نوکروں پر اسی طرح رعب و ادب قائم رکھنا چاہیے۔ بلکہ نوکر ہی پر کیا منحصر ہے۔ سب مردوں سے اسی طرح پیش آنا چاہیے۔ ورنہ مرد کی ذات ذرا سے منھ لگانے سے چڑھ جاتی ہے۔ عورتوں کو لازم ہے کہ مردوں کی ڈور ڈھیلی نہ چھوڑیں۔ ان سے ذرا بھی دب کر نہ رہیں۔ کیونکہ عورتوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور مردوں کو ٹھیکے پر بنوایا ہے۔ مردوں کا فرض ہے عورتوں کی خدمت کرنا، کمانا، بستر بچھانا، پاؤں دبانا، تابع داری کرنا، حقہ بھرنا، ہاں میں ہاں ملانا، کیوں ٹھیک ہے نا؟

(جانا اور فضیحتہ کا آنا)

فضیحتہ: آداب عرض ہے۔ لیجیے فضیحتہ بھی آگیا۔ کہتے ہیں جس کو عرف میں

فتنہ بھی آگیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے ایمانی نہ کرو۔ ارے بھائی بے ایمانی نہ کرو تو کیا بھوکے مرو۔ خدا بخشے ہمارے اباجان فردوس مکان بات بات پر سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا تو ایمان دار رہے گا تو بھوکا مرے گا۔ اور بے ایمانی کے غبارے اڑا ئے گا تو تر نوالے کھائے گا۔ اگر حلال کی کمائی چاہے گا تو حرام موت مارا جائے گا۔ کیا کریں یارو۔ ایسا کام کرنے کو جی تو نہیں چاہتا۔ مگر بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرنا بھی عین سعادت مندی ہے۔ اس لیے ہم نے بھی یہی سبق یاد کرلیا ہے ۔

اے امانت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم
اے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم

جھوٹا نوٹ بنانا مجھے یاد ہے۔ سکہ ڈھالنے میں بندہ استاد ہے۔ ابھی ابھی جعلی وصیت نامہ بناکر صولت کو دیا ہے۔ یقین ہے کہ حسنیٰ کی معرفت بدلوائے گا اور کُل مال و دولت کا مالک ہوجائے گا۔ کیا شک ہے کہ ہر بات میں ہوشیار ہوں۔ یکتائے روزگار ہوں۔ مگر ایک عورت کے ہاتھ سے لاچار ہوں۔ ارے یارو اندھیر ہے نا کہ جو ہزاروں آدمیوں کو انگلیوں پر نچائے وہ اپنی سگی جورو سے مات کھائے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو بڑے گھر پہنچایا ہے اور یہ مجھے خدا کے گھر پہنچانا چاہتی ہے۔ دیکھیے تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ منوا۔ ارے او منوا، منوا، منوا۔

(منوا کا آنا)

منوا: سرکار حاضر ہوں میں۔ ارشاد۔

فضیحتہ: ادھر آ۔ یہ تو بتا۔ آج کل ہماری بی بی کے مزاج کا تھرمامیٹر کتنی ڈگری پر رہتا ہے۔

منوا: سرکار۔ ان کے مزاج کا قوام تو ہمیشہ کڑا ہی رہتا ہے۔ آج وہ گالیوں کا تار باندھا کہ الاماں۔ الاماں۔ میرا جی تو ایسی نوکری سے بالکل بیزار ہوگیا ہے۔

فضیحتہ: اے ٹھہر جا بھائی۔ کیوں گھبراتا ہے۔ میں اس شیطان زادی کو ابھی ٹھیک کیے دیتا ہوں۔ مجھے امید تھی کہ سمجھانے سے سمجھ جائے گی۔ لیکن لوہے سے نرمی اور برف سے گرمی کی امید فضول ہے۔ مگر دیکھ تو اب ایک کام کرنا۔

(منوا کے کان میں کچھ کہنا اور عورت کا آنا)

عورت: کیوں جی۔ یہ کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے؟

فضیحتہ: جی کچھ نہیں۔

عورت: جی کچھ نہیں۔ دیکھو میں دونوں کے اچھی طرح کان کھولے دیتی ہوں کہ میرے گھر میں آئندہ اس طرح کی کھسر پھسر نہ ہونے پائے۔

فضیحتہ: اجی کھسر پھسر کیسی۔ کوئی مشورہ کی باتیں کررہے تھے۔

عورت: مشورہ بیوی سے کرتے ہیں یا خدمت گار سے۔ دو کوڑی کے پاجی نوکر کو یار غار بناؤ گے تو خطا پاؤ گے۔ جوتیاں مار کے نکالو۔ موے کتے کے منہ پر خاک ڈالو۔

منوا: اری کلکھنی کتیا۔ بھونکے جاتی ہے اور مجھے کتا بتاتی ہے؟

عورت: موے حرام خور پاجی۔ شیطان بے ایمان۔ ایڑی چوٹی پر تجھے کروں قربان۔ گھر جا۔ اپنی اماں بہنا کو سنا۔ او موے مردوے نکھٹو۔ بھاڑے کے ٹٹو۔ کھڑا کھڑا سنتا ہے اور کچھ نہیں بولتا۔

فضیحتہ: او خدا۔ جو لوگ میری حالت کو دیکھ کر ہنستے ہیں۔ خدا کرے ان کی بیویاں بھی ایسی ہی ہو جائیں۔ چلو ان باتوں کو چھوڑو۔ نوکروں

سے سر نہ پھوڑو۔

عورت: چل موے بھالو۔ شیطان کے خالو۔ ٹکر ٹکر دیکھتا ہے اور کچھ نہیں بولتا۔

فضیحتہ: میں کیا بولوں۔ اپنا سر؟

عورت: تو سنتا نہیں موے بڈھے جھڑوس۔

فضیحتہ: کیا ہے بیوی فانوس۔

عورت: موے بے حیا۔ دیکھ کیا ہورہا ہے؟

فضیحتہ: میری عزت کا نیلام۔

منوا: جو بڑھے سو پائے۔

عورت: ہات تجھے خدا خاک میں ملائے۔

منوا: دیکھو سرکار۔

عورت: ہات ترے سرکار پر خدا کی مار۔

فضیحتہ: ہیں یہ کیا۔ منوا کی خطا اور ہم کو سزا۔

عورت: چل موے مشعلچی۔ ایک مداری ایک ڈفلچی۔

فضیحتہ: تم تو یوں ہی خالی خولی خفا ہوتی ہو۔

عورت: بیٹا۔ خالی بھری کے بھروسے نہ رہنا۔ مارے جوتیوں کے بھیجا بہادوں گی۔ میاں اور نوکر دونوں کو مزہ چکھا دوں گی۔ موے کو دیکھو تو سہی۔ صورت نہ شکل، بھاڑ میں سے نکل۔ خدا تجھے غارت کرے۔ نیست و نابود کرے۔ الٰہی! مجھے رانڈ کردے رانڈ۔

فضیحتہ: ٹھہر تو سہی۔ تجھ سے پہلے میں رنڈوا ہوتا ہوں.....اچھا اب قصور معاف کرڈالو۔

عورت: نہیں۔ کبھی نہیں۔ اس کو ابھی ابھی میرے گھر سے نکال دو۔

منوا: کتیا۔ کیا یہ تیرے باپ کا گھر ہے جو بھونکے جاتی ہے کہ اِس کو نکال دو اُس کو نکال دو۔

عورت: دیکھو دیکھو موا کیا بکتا ہے۔

فضیحت: کیوں بے منوا۔ تو بہت سر چڑھ گیا ہے۔ منھ لگایا تو ساتھ کھانے لگا۔ اب کے تو نے چوں بھی کی تو فوراً نکال دیا جائے گا۔ سمجھا پاجی، نمک حرام۔ شیطان، لچا، گنڈا، بدمعاش، گستاخ، منھ زور، بدلگام، صورت حرام، ہماری اکلوتی بیوی کے منھ لگتا ہے۔ تو جانتا نہیں ہماری بیوی کیا ہے۔ لچھمی کا اوتار ہے۔ جب سے اس کا قدم گھر میں آیا ہے سارا محلّہ اجاڑ۔ ارے نہیں آباد رہتا ہے۔ گھر کی صفائی دن بہ دن ترقی پر ہے (عورت سے) بس پیاری۔ اب تو خوب دھمکایا۔ اب تم غصہ کو تھوک دو۔

عورت: تو دیکھو۔ اس کو آٹھ دن کے اندر ہی اندر گھر سے نکال دو۔

فضیحت: اجی اللہ اللہ کرو۔ آٹھ دن کس کے۔ خدا نے چاہا تو ابھی ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے۔ میرا بھی ناک میں دم آگیا ہے۔ جب تک یہ بلا یہاں سے نہ جائے گی۔ مجھے بھی کل نہ آئے گی۔ ذرا ٹھہر تو سہی۔ گھڑی میں گھڑیال ہوا چاہتا ہے۔

عورت: اور ہاں خوب یاد آیا۔ کیوں جی وہ میرے گلے کا ہار تیار ہوا۔

فضیحت: وہ تو بالکل تیار ہے۔

عورت: تیار ہے تو کب لاؤ گے۔ یا یوں ہی بے پر کی اڑاؤ گے۔ آج سے کل۔ کل سے پرسوں۔ یوں ہی گذارے جاؤ گے برسوں۔

فضیحت: پیاری۔ خدا جانے۔ دن رات مجھے تیرے ہی ہار کی فکر لگی رہتی ہے۔

عورت: تم تو روز ٹالا کرتے ہو۔ نئے حیلے نکالا کرتے ہو۔ میرا تم پر زور ہے تو ابھی منگاؤں گی ورنہ مزہ چکھاؤں گی۔

فضیحت: ہاں۔ ابھی لے آؤں گا۔ دیکھو اسی واسطے تو میں نے یہ پانچ سو روپیہ کا نوٹ بھی تیار کر رکھا ہے۔

عورت: دیکھوں۔ دیکھوں۔ یہ نوٹ میں دیکھوں۔

فضیحت: یہ لو (نوٹ دیتا ہے) کیوں پیٹ بھر دیکھ چکیں ادھر لاؤ۔

عورت: اجی بس جاؤ۔ منھ دھو آؤ۔ بندی ایسی بھولی بھالی نہیں ہے جو آیا ہوا نوٹ کھوئے گی۔

نفسیحتہ: جبھی تو اپنی قسمت کو روئے گی۔

عورت: اب تو بندی خود جائے گی اور سنار سے ہار لائے گی۔

نفسیحتہ: دیکھ یہ بات اچھی نہیں دھوکا کھاجائے گی۔

عورت: اجی جاؤ۔ یہ ڈراؤ کسی اور کو بتاؤ۔ میں ابھی جاتی ہوں اور دیکھو ہار لے کر آتی ہوں۔

(نوٹ لے کر چلے جانا)

نفسیحتہ: بے شک ہار تو تیری قسمت ہی میں ہے۔ ہاہاہا۔ کیوں بیٹا منوا کچھ خیال میں آیا کہ استاد نے کیسا رنگ جمایا۔

منوا: اجی جایئے بھی۔ آپ تو جورو کے ہاتھ بکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

نفسیحتہ: کیوں؟

منوا: یہ قیمتی نوٹ کیوں اس کو دے دیا۔

نفسیحتہ: تو کیا کرتا۔

منوا: آپ تو کہتے تھے کہ میں اس کے نکالنے کی فکر میں ہوں۔ اور آپ نے اس کے خلاف کھٹ سے پانچ سو روپے کا نوٹ دے دیا۔

نفسیحتہ: بیٹا تو نادان ہے۔ اگر میں نوٹ نہیں دیتا تو یہ بلا بھی گھر سے نہ نکلتی۔ اس نوٹ کو اس کا رخصتانہ سمجھو......کیوں کچھ سمجھا۔

منوا: اونھ ہوں۔ میں تو کچھ نہیں سمجھا۔

نفسیحتہ: تو کیا سمجھے گا۔ عقل آنے کو ایک عمر چاہیے۔ جا کرسی لا....... اور سن بازار سے ایک وسکی کی بوتل جلد لے آ۔

(منوا کا جانا اور فوراً ہی گھبرائے ہوئے آنا)

منوا: اجی میاں غضب ہوگیا۔
فضیحتہ: کیا ہوگیا۔
منوا: پولس کے جوان ادھر آتے ہیں۔
فضیحتہ: آتے ہوں گے۔ کیا راستہ ہمارے باپ کا ہے۔
منوا: مگر حضور کی بیوی بھی تو ان کے ساتھ ہیں۔
فضیحتہ: چلو تیر نشانے پر پڑا اور موٹھ چل گئی۔ یاروں کا ایک ہی فقرہ اسے بڑے گھر پہنچانے کو کافی ہے۔

(فضیحتہ کی بیوی کو پولس کا گرفتار کرکے لانا)

عورت: لو ان سے پوچھو۔ یہ نوٹ کس کا ہے؟
جمعدار: کیوں جی یہ نوٹ تمھارا ہے؟

(تین بار پوچھنا)

فضیحتہ: جی ہونٹ۔ ہونٹ سردی سے پھٹ گئے ہیں۔
جمعدار: تم پاگل ہوگئے ہو۔ ہم پوچھتے ہیں یہ نوٹ تمھارا ہے؟
فضیحتہ: حضور آپ مجھ سے دل لگی کرتے ہیں۔ شاید آپ میرا امتحان لیتے ہیں۔ جناب اگرچہ میں ایک غریب آدمی ہوں مگر کسی کا حرام کا مال نہیں لیتا۔ کیوں منوا؟
منوا: جی بجا ہے قبلہ۔
عورت: ارے غضب۔ ابھی ابھی تم نے یہ نوٹ مجھے نہیں دیا؟
فضیحتہ: جمعدار صاحب۔ یہ عورت کیا کہتی ہے؟

عورت: مذاق جانے دو۔ دل لگی ہوچکی۔

فضیحتہ: اری مائی۔ ہم دل لگی کیوں کرنے لگے۔ پرائی عورت تو ہماری ماں بہن جیسی ہے کیوں بیٹا منوا۔

منوا: جی بجا ہے قبلہ۔

عورت: تم ایسی باتیں کرتے ہو جیسے مجھے جانتے ہی نہیں۔

فضیحتہ: آپ کو پہلے تو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

منوا: حضور۔ کہیں میلے ٹھیلے میں دیکھا ہوگا۔

فضیحتہ: ہاں جمعدار صاحب۔ آپ کا منشا کیا ہے؟

جمعدار: یہ جعلی نوٹ......

فضیحتہ: جالینوس؟

جمعدار: جالینوس نہیں۔ جعلی نوٹ بازار میں چلانے آئی۔ تو سرکار کی مجرم قرار پائی۔

فضیحتہ: اللہ رے توبہ توبہ۔ جھوٹا نوٹ۔ کیا ایسی دغابازی بھی دنیا میں ہونے لگی۔

منوا: جی ہاں۔ بھلا آپ جیسے ایمان دار آدمی اب دنیا میں باقی کہاں رہے۔

فضیحتہ: کیا برا زمانہ ہے۔ عورتیں بھی ایسا کام کرنے لگیں۔

منوا: جی ہاں قبلہ۔

عورت: تم نے یہ نوٹ مجھے نہیں دیا۔ تو یہ بھی کہہ دو کہ میں تمھاری جورو بھی نہیں۔

فضیحتہ: کیا کہا جورو؟

منوا: ہیں جورو۔ جمعدار صاحب جورو۔

جمعدار: چپ رہو۔

فضیحتہ: ارے توبہ توبہ۔ یہ بے چاری تو بالکل بدحواس ہو گئی ہے۔ غریب دکھیاری۔ آفت کی ماری۔ یا جناب باری۔ کون ہوگی لاوارث

بے چاری؟

عورت: تو کیا تم میرے میاں نہیں ہو؟

فضیحتہ: شاید تم آدمی بھول گئی ہو۔

منوا: ہاں جمعدار صاحب۔ یہ کوٹھری کا نمبر بھول گئی ہے۔

فضیحتہ: ایک شکل کے دو آدمی ہونے سے انسان دھوکا کھا جاتا ہے۔

عورت: نہیں جمعدار صاحب۔ یہ جھوٹا ہے۔ میں اس کی جورو ہوں۔

فضیحتہ: اچھا مائی۔ تجھے اپنے منھ پر اختیار ہے۔ چاہے سو کہہ دے۔ مگر میں تم کو اپنی سگی بہن سمجھتا ہوں۔

منوا: جی ہاں۔ اور میں اپنی اماں سمجھتا ہوں۔

عورت: ہت تیرا ستیا ناس ہو جائے۔ تجھ کو پیٹوں، تیرا حلوہ پکاؤں۔ جنم جلا۔ نصیبوں پیٹا۔ تیرا کھوج کھوؤں۔

فضیحتہ: ارے جمعدار صاحب۔ یہ بے چاری تو بالکل پاگل ہوگئی ہے۔

جمعدار: اچھا سعادت خاں۔ اس کی مشکیں باندھ لو ورنہ یہ کسی کو کاٹ کھائے گی۔

عورت: جمعدار صاحب۔ آپ مجھے کیوں باندھتے ہیں۔ میں کوئی دیوانی نہیں ہوں۔ مجھے تو اس کی باتوں پر غصہ آتا ہے۔ جی چاہتا ہے اس کی بوٹیاں کھا جاؤں۔

(فضیحتہ کو کاٹنے دوڑتی ہے)

فضیحتہ: دیکھیے دیکھیے حضور۔ میں نہ کہتا تھا یہ کاٹ کھائے گی۔

جمعدار: چپ رہ۔ اب کے بولے گی تو سزا پائے گی۔ تیرے پاگل پن کے ہم سب گواہ ہیں۔ تو ہمارے سامنے اس کو کاٹنے کو تیار ہوئی۔

عورت: ارے موے۔ کیا انجان بنا ہے۔ اپنی خالہ کو اتنی جلدی بھول گیا۔ منڈی کاٹا۔ دنیا بھر کا اٹھائی گیرا۔ تجھے گہری گور میں گاڑوں۔ الٰہی

اس کو کفن بھی نصیب نہ ہو۔

فضیحتہ: جمعدار صاحب۔ اس کا آزار بڑھ گیا ہے۔ اس کو پاگل خانے پہنچا دیجیے۔

جمعدار: سعادت خاں۔ چلو اس کو پاگل خانے پہنچاؤ۔

عورت: موے پاگل کہنے والے کو ملیا میٹ کروں۔ اس کو روؤں۔ اس کو چباؤں۔ اس کو گاڑوں۔ خدا کرے تو مرجائے۔ اجڑ جائے۔ تیرا نام لیوا پانی دیوا کوئی نہ رہے۔

(پولس کا عورت کو لے جانا)

فضیحتہ: لے جایئے۔ لے جایئے۔ ہاہاہاہا ۔

کیا ہاتھ صاف ہے کبھی خالی گیا نہ وار
میں اپنی آپ کرتا ہوں تعریف بار بار

(گانا)

میں آفت کا پرکالا ہوں
سو حکمت فطرت والا ہوں
رگڑے جھگڑے کی ہنڈیا میں ہلدی مرچ مسالا ہوں
قسمت کا مارا پیٹا ہوں
میں پھر بھی شیخ فضیحتہ ہوں
لچے، شہدے، غنڈے، بدمعاشوں کا دادا ہوں
میں آفت کا.....

تم مجھ کو سانپ سمجھو
بھوتوں کا باپ سمجھو
دنیا کا پاپ سمجھو
میں آفت کا......

باب پہلا ــــــــــ سین آٹھواں

صولت کا مکان

صولت: (خود کلامی) ہر ایک انسان قسمت کی قید میں ہے۔ اور میری قسمت ایک وصیت نامہ کی قیدی ہے۔ میری غریب تقدیر۔ اول تو تجھے حرفوں کی کالی زنجیر پہنائی گئی پھر زنجیر پر سیاہ لفظوں کی مہر لگائی گئی اور پھر لفافے کے قید خانے میں ڈالا ہے اور قید خانے کے دروازے پر لاکھ کا تالا ہے۔ تالے کی تجوری پہرے دار ہے اور اس تجوری کی حفاظت کا میرا باپ ذمہ دار ہے۔ دشوار ہے۔ دشوار ہے۔ اگر شیطان بھی اپنی تمام چالاکیاں صرف کرڈالے تو بھی تیری رہائی دشوار ہے ؎

امید جس سے چور ہو وہ بات چن کر لائے گی
دل پیسنے کے واسطے حسنیٰ بھی پتھر لائے گی
ہر لفظ ہوگا ایک داغ اپنے جگر کے واسطے
تیار رہ اے کان تو غم کی خبر کے واسطے

(حسنیٰ کا آنا)

حسنیٰ: ؎

اے آسمان رکھتا ہے ایسا نکھار چاند
صدقے اس ایک چاند پہ تیرے ہزار چاند

دل و جاں،دین وایماں خود نما انداز کے صدقے
ادھر بھی دیکھ لو میں اس نگاہِ ناز کے صدقے

صولت: کون حسنیٰ؟ پیاری حسنیٰ!

حسنیٰ: میرے قیصر۔

صولت: ؎

تریاق لائی زہر ہلاہل کے واسطے
کیا وار مل گیا غم قاتل کے واسطے

حسنیٰ: ؎

جنت تھی اس طرف تو جہنم تھا اس طرف
نیکی بدی میں جنگ ہوئی دل کے واسطے
خوبی، امانت، آبرو، حق، فرض، اعتبار
سب قتل ہوگئے ترے بسمل کے واسطے

صولت: ؎

تو بے شک ہے آب بقا لے کے آئی
ہے مرہم مرے زخم کا لے کے آئی
مسیحا بنی تھی شفا لے کے آئی
مرے دردِ دل کی دوا لے کے آئی
سیوں چاک قسمت وہ رشتہ مجھے دے
فرشتے نوشتہ مجھے دے

حسنیٰ: ؎

چتون نے جان چھینی، زلفوں نے دل سنبھالا
تھی عقل وہ بھی کھودی پی کر وفا کا پیالا
اس لوٹ سے فقط ایک ایمان بچ گیا تھا
تیرے خریدنے کو لے وہ بھی بیچ ڈالا

(صولت کو وصیت نامہ دینا)

صولت: ہاں یہی ہے وہ منتر، وہ جادو، وہ طلسم، وہ قید، جس میں میری قسمت بند ہے۔ یہی ہے ؎

اے رنج بس اب دور ہوجا خاک ہو جل جا
غم سنتا ہے اٹھ اور میرے سینے سے نکل جا
غصے میں ہوں اے یاس مرے آگے سے ٹل جا
شیطان تو ان سارے خبیثوں کو نگل جا
ہاں عیش، خوشی، لطف، سرور و طرب آؤ
دل خالی ہے رہنے کے لیے آؤ سب آؤ

حسنیٰ: صولت۔

صولت: دولت، عیش، خوشی، فتح، ہُرّے ہُرّے۔ دارا کو دربانی دوں گا۔ سکندر کو خانسامانی دوں گا۔ قارون محافظ خزانہ ہوگا۔ جمشید کے ہاتھ میں شراب خانہ ہوگا۔ انڈین شیکسپیئر اپنے ناٹکوں میں میری تعریف کرے گا۔ فردوسی شاہنامہ کے بعد اب میرا عیش نامہ تصنیف کرے گا۔ ہُرّے۔ ہُرّے۔ ہُرّے۔

حسنیٰ: صولت۔ صولت۔ کیا خوشی سے دیوانے ہوگئے۔

صولت: ؎

کیا مال ہے قاروں کا خزانہ مرے آگے
پھیلائے گا اب ہاتھ زمانہ مرے آگے
رضواں کو بھی سر ہوگا جھکانا مرے آگے
اک کھیل ہے جنت کا بنانا مرے آگے
پھولے نظر آئیں گے چمن لعل و گہر کے
دیکھوں گا جدھر پھول برس جائیں گے زر کے

حسنیٰ: پیارے صولت ؎

ایمان ہے، احسان ہے، نیکی ہے، خدا ہے
کاغذ پہ فدا ہوگئے اس طرح یہ کیا ہے
شادی میں کہیں غم کے نہ پہلو نکل آئیں
اتنا نہ ہنسو جان کہ آنسو نکل آئیں

صولت: ؎

سہرا خوشی کا باندھا قسمت نے میرے سر پر
اب بھی اگر یہ روئیں لعنت ہے چشم تر پر
دنیا کی عشرتوں سے گہری سدا چھنے گی
اب میں بنا بنوں گا دولت بنی بنے گی

حسنیٰ: یہ میرا حق ہے۔ وہ کبھی نہیں ہوسکتی۔ میرے یوسف ثانی۔ حسنیٰ سے تو وعدہ اور دولت پر مہربانی۔

صولت: یہ ہاتھ تیرے ساتھ بھی مہربانی اور گوہر افشانی کرنے کو تیار ہے۔

حسنیٰ: مگر محبت کی محتاج حسنیٰ تو فقط اس ہاتھ کی حق دار ہے۔

صولت: تو اس ہاتھ کو لے کر کیا کرے گی؟

حسنیٰ: اس کی غلامی، محبت اور ادب کروں گی۔ اور جب میری اطاعت سے یہ خوش ہوگا تو اس سے تمھارا دل طلب کروں گی۔

صولت: تو کیا تو میری بیوی بننے کی آرزو رکھتی ہے۔

حسنیٰ: میں صرف تمھاری لونڈی بنوں گی۔

صولت: لونڈی بننا عزت کی تباہی ہے۔

حسنیٰ: مگر محبت کی غلامی دنیا کی بادشاہی ہے۔

صولت: حسنیٰ۔ ؎

پری ہو، مشتری ہو، نازنیں ہو، مہ جبیں تم ہو
جہاں میں حسن کی عزت ہے جس سے وہ حسیں تم ہو
مگر یہ دل کسی لیلیٰ پہ مجنوں ہو نہیں سکتا
تمھیں میں پیار کی آنکھوں سے دیکھوں ہو نہیں سکتا

حسنیٰ: او خدا۔ او خدا۔ انسان کتنا خود غرض ہے۔ صولت۔ بے درد صولت۔ کیا یہی میری ہمدردی کا عوض ہے۔ ؎

یہ وہ سینہ ہے کہ جو صدق و صفا کا گھر ہے
یہ وہ کعبہ ہے کہ جو پاک وفا کا گھر ہے
کوئی شیشہ نہیں، پتھر نہیں، تصویر نہیں
دل کو مت توڑ ستم گر یہ خدا کا گھر ہے

صولت: اُنھ۔ جب میرے پاس سونے اور چاندی کو اینٹوں کا انبار ہے تو ایک ٹوٹے ہوے گھر کا دوبارہ بنانا کیا دشوار ہے۔ ؎

موتی کا صاف پانی، ہیروں کے صاف کنکر
سونے کی زرد مٹی، لعلوں کے لال پتھر
سب کچھ ہے مانگ دوں گا دل کا بنا مکاں تو
کاغذ دیا ہے تو نے لے دولت جہاں تو

حسنیٰ: دولت۔ او بے مروت کیا تو میری وفا کو روپے سے خریدنا چاہتا ہے۔

صولت: کیوں کیا تو انسان نہیں ہے۔ کیا روپے کا نام سن کر تجھے لالچ نہیں آتا؟

حسنیٰ: لالچ۔ او خود غرض، اس وقت تیری سمجھ چوکتی ہے۔ محبت دولت کی لالچی نہیں بلکہ دولت کے منھ پر تھوکتی ہے۔

صولت: حسنیٰ تو بالکل بدتمیز ہے۔ دولت، پیاری دولت، خوبصورت دولت تھوکنے کے لائق نہیں چومنے کے لائق چیز ہے ؎

خوشی،راحت،مزہ، آرام، سب ہے اس کے ہونے سے
یہ وہ نعمت ہے جس کی مانگ ہے یاں کونے کونے سے
میں سچ کہتا ہوں کہ شیطان بھی سجدے میں گر پڑتا
بناتے خاک کے بدلے اگر آدم کو سونے سے

حسنیٰ: ؎

خوار دنیا میں ہوں عقبیٰ میں مگر بات رہے
اپنی دولت ہے وہی مر کے بھی جو ساتھ رہے
قبر میں صرف کفن اوڑھ کے سونا ہوگا
نہ تو چاندی ہی کہیں ہوگی نہ سونا ہوگا

صولت: احمق۔

اس باغ میں وہی گل ذی اختیار تھے
جن کے گلے میں لعل و جواہر کے ہار تھے
دارا و جم، سکندر و خاقان و کیقباد
پاگل نہ تھے جو دولت و زر پہ نثار تھے

حسنیٰ: اگر دولت ہی کو لازوال جانتے تھے تو بے شک دیوانے تھے۔

جم اور دارا کا مال سارا زمیں پہ یا چرخ پر کہاں ہے
بھرا تھا قاروں نے جو خزانہ اٹھا کے دیکھ اب نظر کہاں ہے
اندھیری قبروں میں کیوں پڑے ہیں، چراغ لعل و گہر کہاں ہے
وہ رعب اور کروفر کہاں ہے، وہ زر کہاں ہے، وہ گھر کہاں ہے
جو کل تھا دولت سے جگمگاتا وہ آج کالا پڑا ہوا ہے
وہ قبر میں ہیں اور ان کے گھر پر فنا کا تالا پڑا ہوا ہے

صولت: بس حسنیٰ بس۔ دولت کے سوا تیری خدمت کا عوض میں اور کچھ نہیں دے سکتا ہوں۔

حسنیٰ: میں اس دولت پر لعنت بھیجتی ہوں۔

صولت: میں اس لعنت پر نفرت کرتا ہوں۔

حسنیٰ: میں اس نفرت کو حقارت سے دیکھتی ہوں۔

صولت: حسنیٰ۔ تو مفلس اور فقیر ہے۔

حسنیٰ: مگر حسنیٰ دل اور خصلت میں تجھ سے زیادہ امیر ہے۔

صولت: حسنیٰ سن۔ میں عیاش ہوں۔ بدمعاش ہوں۔ تمام دنیا سے ہٹیا ہوں۔ مگر پھر بھی نواب اعظم کا بیٹا ہوں۔

حسنیٰ: اس لیے؟

صولت: اپنی عزت کی بربادی نہیں چاہتا۔

حسنیٰ: یعنی؟

صولت: تو چور ہے۔ اور میں چور عورت سے شادی کرنا نہیں چاہتا۔

حسنیٰ: میں چور! تم ساہوکار!! اور میں چور ہوں!!!

صولت: کیوں۔ کیا تم نے وصیت نامہ نہیں چرایا؟

حسنیٰ: مگر مجھے چوری کرنے کے لیے کس نے سمجھایا۔ ایک فرشتے سے گناہ کس نے کرایا۔ ایک سیدھی سادی ایمان دار عورت کو کس نے بہکایا۔ تو نے۔ او دولت مند مفلس تو نے۔ جس بدذاتی سے بڑھ کر کوئی بدذاتی نہیں۔ جس بے ایمانی سے بڑھ کر کوئی بے ایمانی نہیں۔ جس دغا سے بڑھ کر کوئی دغا نہیں۔ کس نے کی؟ تو نے او نواب اعظم کے بیٹے تو نے۔ میں محبت سے سرشار تھی۔ میں تجھ پر نثار تھی۔ میں تیری مرضی کی تابعدار تھی۔ چوری کی لاچار تھی۔ او خوب صورت سانپو تمھیں کیسی زہریلی باتیں یاد ہوتی ہیں۔ او خدا۔ آج مجھے معلوم ہوگیا کہ مردوں کے ہاتھ سے بے چاری عورتیں اسی طرح برباد ہوتی ہیں ؎

دعائیں دی ہیں میں نے جب کوئی تو نے جفا کی ہے

خدا ہی داد دے گا بے وفا، جیسی وفا کی ہے

صولت: وفا، کیسی وفا، کہاں کی وفا۔ وفا محلوں میں نہیں۔ قلعوں میں نہیں۔ امیرزادیوں میں نہیں، شہزادیوں میں نہیں، پھر تجھ میں کہاں سے آئی۔ تو نے کہاں سے پائی؟

حسنیٰ: تو وفا کو غلط جگہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ امرت ظلمات میں جاکر ہاتھ آتا ہے۔ وفاداری کا چراغ امیروں کے محلوں میں نہیں، غریبوں کی جھونپڑی میں جگمگاتا ہے۔

صولت: ؎

خیر میں ہی بے وفا ہوں، باوفا ہے ایک تو
میں ہوں دنیا بھر کا بد دنیا میں ہے بس نیک تو
جیسی مجھ میں ہے کسی میں ایسی بد ذاتی نہیں
چھوڑ دے، پھر دور ہو، مر، کس لیے جاتی نہیں

حسنیٰ: خیر جاتی ہوں......(وصیت نامہ چھین لینا) مگر یہ ساتھ لے جاتی ہوں میں۔

صولت: اوہ دغا......؟

حسنیٰ: ...... بس داغ پایا۔ داغ، دے جاتی ہوں میں۔

صولت: لا ادھر کاغذ و گرنہ لوں گا ظلم و جور سے۔

حسنیٰ: بس وہیں۔ ورنہ جہاں آجائے گا اک شور سے۔

صولت: پیاری حسنیٰ۔ پیاری۔

حسنیٰ: میں پیاری۔ تیری پیاری۔

صولت: ہاں ہاں۔ میری پیاری۔

حسنیٰ: کون؟

صولت: ماہ پارہ۔

حسنیٰ: کون؟

صولت: دل آرا۔

حسنیٰ: کون؟

صولت: اچھی حسنیٰ۔

حسنیٰ: اے پر کون؟

صولت: ایسی وفا شعار سے ایسے ستم فریب؟

حسنیٰ: بے شک کیا فریب مگر تجھ سے کم فریب۔

صولت: وہ چاہ وہ نباہ ترے دل سے ڈھل گئی۔

حسنیٰ: پہلے تھی ایک نیند میں، اب آنکھ کھل گئی۔

(حسنی کا وصیت لے کر چلے جانا)

صولت: ؎

ان تری بے مہریوں سے ہائے چھاتی چھن گئی
میری قسمت کی طرح سے تو بھی دشمن بن گئی

(فضیحتہ کا آنا)

فضیحتہ: اجی حضور۔
صولت: ہائے فضیحتہ۔
فضیحتہ: ارے پر کس کا فضیحتہ۔ کہاں کا فضیحتہ۔ کیا فضیحتہ۔ کیوں فضیحتہ۔
صولت: ہائے فضیحتہ میں مرگیا۔
فضیحتہ: خدا آپ کو جنت نصیب کرے۔
صولت: اب کیا کریں؟
فضیحتہ: کفن خریدیں۔
صولت: کہاں جاؤں؟
فضیحتہ: قبرستان میں۔
صولت: ہائے ہم تو مرگئے معبود۔
فضیحتہ: واہ بیٹا نمرود۔ کھاکر امرود۔ مرگئے مردود۔ جن کا فاتحہ نہ درود۔
صولت: ارے یہ کیا بڑبڑاتا ہے۔
فضیحتہ: فاتحہ پڑھتا ہوں۔
صولت: ہائے کیا سب کی نظر سے میری عزت گرگئی۔
فضیحتہ: اب تمھارے خانۂ عزت میں جھاڑو پھر گئی۔
صولت: ہائے اب اپنے عیش و عشرت کے دن گئے۔
فضیحتہ: اس کا باعث حضور؟

صولت: قسمت کا پھیر۔ تقدیر کا فتور۔ فضیحتہ۔ حسنیٰ آئی تھی اور دستاویز بھی لائی تھی۔ مگر واپس لے گئی۔

فضیحتہ: واقعی حضور۔ بہت برا ہوا۔

صولت: مگر تو اپنی چالاکی دکھا سکتا ہے۔

فضیحتہ: حضور اس امر میں تو میری چالاکی لاچار ہے۔

صولت: کیا قسمت کے جوے میں میرے لیے ہار ہی ہار ہے۔

(عباسی کا آنا)

عباسی: کھیل کا کچھ قصور نہیں۔ تمھیں پانسہ ہی پھینکنے کا شعور نہیں۔

صولت: تو کیا میری نادانی میرا داؤ ہراتی ہے۔

عباسی: بے وقوف کھلاڑی۔ قسمت کی بازی تدبیر کے مہروں سے جیتی جاتی ہے۔

صولت: میں مصیبتوں سے لاچار ہوں۔ میں تیار ہوں۔ اگر قسمت کے جیتنے کی تدبیر صرف شیطان ہی کو معلوم ہے تو اس کی بھی خوشامد کرنے کو تیار ہوں۔

عباسی: شیطان کہتا ہے کہ اپنی عقل کی خوشامد کرو۔

صولت: میری عقل بانجھ ہوگئی ہے۔ اس سے کوئی تدبیر پیدا نہیں ہوسکتی۔

عباسی: تو میری عقل سے کام لو۔ انسان اندھیرے میں ٹھوکر نہیں کھاتا ہے۔ اگر اس کے چراغ میں تیل نہیں رہا تو دوسروں سے چراغ مانگ کر کام چلاتا ہے۔

صولت: تو شمع بن کر اجالا دے۔ میں پروانہ بن کر تیری روشنی میں جلوں گا۔

عباسی: دنیا ایک میدان جنگ ہے۔ جس میں عقل ترقی سے لڑرہی ہے۔ ایک آدمی کی غرض دوسرے آدمی کی غرض پر حملہ کررہی ہے۔ ہاتھ

پاؤں مدد پہنچاتے ہیں۔ کمزور مرتے اور زبردست فتح پاتے ہیں۔ اگر دور اندیشی کو عقل کے ہتھیاروں سے سجاکر میدان میں لاؤ گے، ہاتھ پاؤں ہلاؤگے، تو تم بھی فتح پاؤگے۔ ورنہ زندگی کی جنگ میں بے جان لاش کی طرح کچل دیے جاؤ گے۔

صولت: تمھارے لفظ دہشت پیدا کرتے ہیں۔

عباسی: انسان جب تک دہشت میں نہیں پڑتا اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھاتا ہے۔ جب تک سانپ کو مارنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا تب تک خزانہ نہیں پاتا۔

صولت: تمھارا کیا مطلب ہے؟

عباسی: آدمی کا دوسرا نام مطلب ہے۔ وہ اپنے لباس کے لیے ریشم کے کیڑوں کو پامال کرتا ہے۔ وہ اپنی غذا کے لیے جانوروں کو حلال کرتا ہے۔ وہ دنیا کی تمام چیزوں کو اپنا خدمت گار خیال کرتا ہے۔

صولت: تو کیا اسے ایسا نہ کرنا چاہیے؟

عباسی: اسے ایسا ضرور کرنا چاہیے۔ جو اڑتا نہیں وہ اوپر نہیں جاتا ہے۔ جو آقا بننے کی کوشش نہیں کرتا وہ غلام بنادیا جاتا ہے۔

صولت: میرے دماغ پر حکومت کرنے والی، میں کیا کروں؟

عباسی: تم......تم۔

صولت: ہاں میں۔

عباسی: تمھیں راحت اور دولت درکار ہے۔

صولت: ہاں۔

عباسی: تمھارے باپ کو دینے سے انکار ہے۔

صولت: ہاں۔

عباسی: تمھارا ہاتھ زور دار ہے۔

صولت: یعنی؟

عباسی: تمھارے پاس خنجر آب دار ہے۔
صولت: اوہ۔
عباسی: تمھارے خنجر میں دھار ہے۔
صولت: تو؟
عباسی: تھوڑا جوش۔ ایک وار۔ جھگڑا پار۔
صولت: کیا خون؟
عباسی: چپ۔
صولت: باپ کا؟
عباسی: چپ۔
صولت: عورت۔ عورت۔
عباسی: غریبی یا دولت۔
صولت: مگر۔ مگر۔
عباسی: سنو۔ خنجر آب دار لو۔ میں عورت ہوں۔ مجھ سے مرد پنا ادھار لو۔
صولت: میں مرد ہوں۔
عباسی: میں خوش ہوں۔
صولت: بس۔
عباسی: مرے گا۔
صولت: مرچکا۔

باب پہلا ـــــــــــ سین نواں

بارہ دری ندی

(صولت، عباسی اور فضیحتہ کا چھپ کر آنا)

فضیحتہ: رات کالی رات۔

عباسی: عیب چھپانے والی رات۔

فضیحتہ: ؎

سَرو چمن پہ قمری مدہوش ہو رہی ہے
بلبل چراغ گل کو گل کرکے سو رہی ہے

عباسی: ؎

خواب گراں میں دریا محبوس ہوگیا ہے
آب رواں کو گویا کابوس ہوگیا ہے

صولت: ؎

بزم جہاں کے مہماں آرام کو سدھارے
کاشانۂ فلک میں سب سوگئے ستارے

عباسی: ؎

دنیا سیاہ چادر اوڑھے ہوے پڑی ہے
مردوں کے امتحاں کی صولتؔ یہی گھڑی ہے

چلو آج اس خنجر سے دو کام کرنا ہے۔ تمھارے باپ کے بعد حسنیٰ کو بھی تمام کرنا ہے۔ ہاں۔ وہ آرہی ہے۔ چھپ جاؤ۔ موت شکار

کو دھوکا دے کر لا رہی ہے۔

(سب کا چھپ جانا)

حسنیٰ: سناٹا۔ رات۔ تاریکی۔ ستاروں نے دنیا کا گناہ نہ دیکھنے کے لیے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ یہی وقت ہے جب خیال ناپاک اگلتا ہے۔ یہی وقت ہے جب جرم گنہگار کے سینے سے باہر نکلتا ہے۔ یہی وقت ہے جب شیطان کے شور سے بدی جاگتی ہے۔ یہی وقت ہے جب ظالم کا خنجر مظلوموں کے گلے پر چلتا ہے اور اس کی تھرتھراتی ہوئی چیخ خدا کی طرف پناہ لینے کے لیے بھاگتی ہے۔ یہی وقت تھا جب محبت نے ایمان کو بہکایا اور میں نے وصیت نامہ چرایا۔ چل حسنیٰ چل۔ گو تیرا گناہ سخت ہے مگر اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا یہی وقت ہے۔

(صولت، عباسی اور فضیحتہ کا ظاہر ہونا)

صولت: کفارہ نہیں تیری موت کا وقت ہے۔

حسنیٰ: کیا یہ خنجر میرا خون پینے کو تیار ہے۔

صولت: ہاں۔ ہاں۔ خون۔ تیرا خون لذت دار ہے۔

حسنیٰ: میں نے کون سا قصور کیا ہے۔

صولت: تو نے میری امیدوں کو چور کیا ہے۔

حسنیٰ: صولت۔ صولت۔

صولت: وصیت۔ وصیت۔ بے وقوف عورت وصیت۔

حسنیٰ: نہیں۔ یہ تو کبھی نہیں پائے گا۔ جہاں سے یہ آیا ہے وہیں رکھا جائے گا۔

صولت: ـ

نہیں کیسی نہیں، سن، تو جو مار آستیں نکلی
زباں ہی کاٹ ڈالوں گا اگر منہ سے نہیں نکلی
ترے انکار کے پنجے کو یہ لوہا مروڑے گا
تجھے دینا پڑے گا تجھ سے خنجر لے کے چھوڑے گا

(وصیت نامے کو چھین لینا)

حسنیٰ: او ظالم۔ میں نے ہمیشہ تیرے ساتھ محبت کی ہے۔
صولت: نہیں۔ تو نے ہمیشہ میرے ساتھ عداوت کی ہے۔
حسنیٰ: او پُر جفا۔ میں تیری منت کرتی ہوں۔
صولت: او پُر دغا۔ میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں۔
حسنیٰ: او سفاک۔ میں تیرے قدموں پر سر جھکاتی ہوں۔
صولت: او ناپاک۔ میں تیرے سر کو ٹھوکر مارتا ہوں۔
حسنیٰ: ـ

اے اندھیری رات تجھ سے بڑھ کے ہے یہ دل سیاہ
اے ستارو اس کی بے رحمی پہ تم رکھنا نگاہ
اے زمیں بہتا ہے تجھ پر آج خون بے گناہ
اے فلک تو دیکھتا ہے حشر میں رہنا گواہ
نوجواں مرتی ہوں میں اور باوفا مرتی ہوں میں
او خدا، عادل خدا، سن بے خطا مرتی ہوں میں

صولت:ـ سن چکا۔ بس سر جھکا۔ اب قبر میں بدذات جا۔
حسنیٰ:ـ رحم ظالم رحم.......
صولت:ـ ....ہاں۔ اب رحم اور تو ساتھ جا۔

(حسنٰی پر وار کرنا۔ نواب اعظم کا آکر روکنا)

نواب اعظم: بس۔ خبردار۔
عباسی: صولت۔ کیا دیکھتا ہے مار۔

(عباسی کا نواب اعظم کو مارنا)

نواب اعظم: مردار۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔
(حسنٰی کا بھاگنے کی کوشش کرنا۔ فضیحتہ کا اسے پکڑ کر دریا میں پھینک دینا)

(ڈراپ سین)

باب دوسرا ——— سین پہلا

جنگل

(سپاہیوں کا کروفر سے بیٹھے ہوئے نظر آنا اور اسفند یار کا داخل ہونا)

اسفند یار: سردار مبارک۔ دوستو مبارک۔

سردار: اس قدر خوشی کا اظہار۔ کیا خبر لائے ہو اسفندیار۔

اسفند یار: بہادر سردار۔ جس غریب عورت کو ہم لوگوں نے پانی سے نکالا۔ وہ اب اچھی طرح ہوش میں آئی ہے۔ اور اس کی باتوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہمارے آقا فیروز کی ماں جائی ہے۔

سردار: کیا ہمارے آقا کی کوئی بہن بھی ہے؟

اسفند یار: جی جناب۔ آج سے بیس برس پیش تر جب بڑے حضور یعنی آقائے نامدار کے والد مرحوم پر بغاوت کا الزام لگایا گیا تھا اور ان کے ساتھ ان کے خیر خواہوں کو بھی جلا وطن کرایا گیا تھا۔ اس وقت ان کے دو بچے تھے۔ ایک دو برس کی بچی حسن افروز اور ایک نو برس کا فیروز۔ فیروز چونکہ ہوشیار ہوچلا تھا اس لیے بڑے حضور اپنے ہمراہ لائے تھے اور حسن افروز کو بوجہ کم سنی کے اپنے جانی دوست نواب اعظم کو پرورش کرنے کے لیے سونپ آئے تھے۔

سردار: تو کیا یہ وہی بچی ہے جو اب پوری جوان عورت بن کر ہم کو دریا میں ڈوبتی ہوئی ملی۔

اسفند یار: میرے جناب۔

سردار: او خدا۔ تیرے انتظام کو کون سمجھ سکتا ہے۔

(سب کا گانا)

کرد گار۔ استوار۔ روزگار
کاروبار پر ہے اختیار
خاکسار۔ خوار۔ زار۔ ہم ہیں گناہ گار
تیرے آگے سر کو جھکائیں
الم، ستم، قدم تھا ہم پہ دم بہ دم
تیرے کرم سے ٹل گئے تمام رنج و غم
خوشی سے آج سارے مرے مٹ گئے الم
تیرے آگے سر کو جھکائیں
کرد گار۔ استوار

(سب کا جانا اور فیروز اور حسنیٰ کا آنا)

فیروز: بس۔ بس۔

حسنیٰ: بھائی فیروز یہ خدا کی مرضی تھی۔

فیروز: تو بہن حسنیٰ۔ وہ تلوار سے مارا جائے، یہ بھی خدا کی مرضی ہے۔ کیا مجھ میں شریفوں کا غصہ، جوانوں کا جنون نہیں ہے۔ کیا میرے بدن میں بہادر باپ کا خون نہیں ہے۔ کیا میرے پاس تلوار نہیں ہے۔ کیا میری تلوار دشمن شکار نہیں ہے۔

حسنیٰ: بھائی بے شک تمھاری تلوار روانی میں برق ہے۔ مگر یہ تو خیال کرو کہ اگر برائی کا بدلہ برائی سے لیا جائے تو ہم میں اور برائی کرنے والے میں کیا فرق ہے۔

فیروز: حسنیٰ۔ آگ کو آگ ہی سے جلانا ہوگا۔ اس نے تیرے حق میں ظلم کا بیج بویا ہے۔ اب اسے میرے ہاتھ سے تلوار کا پھل کھانا ہوگا۔

حسنیٰ: نہیں بھائی نہیں۔

فیروز: بس چپ رہو۔ آہ جس روز اس ظالم نے تجھے بہتے ہوئے دریا کی پرشور موجوں کے دامن کا کفن دے کر بھنور کے تابوت میں موت کے حوالے کیا ہوگا۔ اس روز یہ سمجھتا ہوگا کہ آج میرے گھر میں عید ہے۔

حسنیٰ: لیکن میرے زندہ مل جانے سے تمھارے گھر میں بھی بقر عید ہے۔

فیروز: بے شک میں اپنے گھر میں بقر عید پاتا ہوں۔ اور اس بقرعید کی خوشی میں صولت کی قربانی کیا چاہتا ہوں۔

حسنیٰ: رحم۔ رحم۔ میرے دلیر بھائی۔ میرے شیر بھائی رحم۔

فیروز: حسنیٰ۔ میری عداوت موج زن ہے۔

حسنیٰ: مگر میری محبت بھی جوش زن ہے۔

فیروز: جب عداوت کا چشمہ ابلتا ہے تو دشمنوں کو بہا لے جاتا ہے۔

حسنیٰ: اور محبت کا دریا جب جوش میں آتا ہے تو دوستوں کو خوف کے منجدھار سے نکال کر امن و امان کے کنارے پر پہنچاتا ہے۔

فیروز: میرے دریائے عداوت کی موج اس سنگ دل سے ضرور ٹکرائے گی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑائے گی۔

حسنیٰ: مگر میری محبت کی چٹان ڈھال بن جائے گی اور اسے اپنی آڑ میں چھپالے گی۔

فیروز: حسنیٰ۔ مجھے انتقام لینے دے۔ وہ تیرا ستانے والا ہے۔ اس کا دل موت کی طرح بے رحم اور قبر کی طرح کالا ہے۔

حسنیٰ: سچ ہے۔ مگر بھائی یہ تو خیال کرو کہ اس کے باپ نے مجھے اٹھارہ برس تک اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔

فیروز: آہ۔ نواب اعظم۔ کیسا شریف، نیک، فیاض، والد مرحوم کا تنہا اور

سچا دوست۔ ہمارا رواں رواں اس کے احسانوں کا قرض دار ہے۔ افسوس باپ جتنا نیک خصلت تھا، بیٹا اتنا ہی ناہنجار ہے۔

حسنیٰ: بھائی۔ باپ کی شرافت کا خیال کرکے بیٹے کی نالائق حرکتوں سے درگذر کرو۔

فیروز: درگذر کروں۔ بخش دوں۔ نہیں نہیں۔ میں ضرور بدلہ لوں گا۔ میں ضرور سزا دوں گا۔

حسنیٰ: کیا تلواروں سے؟

فیروز: آہ۔ تلوار کو تو اس کے باپ کے احسانوں نے توڑ دیا۔ اب سزا دوں گا لعنت کی بوچھاروں سے، ملامت اور پھٹکاروں سے۔ میں اس کے پاس جاؤں گا۔ اسے بلاؤں گا۔ اس کے ظلم اس کے سامنے دہراؤں گا اور اس قدر ذلیل کرکے آؤں گا کہ جب تک اس دنیا میں زندہ رہے گا اپنی پاجیانہ حرکتوں پر شرمندہ رہے گا۔

(فیروز کا جانا)

حسنیٰ: صولت۔ صولت۔ بے رحم صولت۔ تو میرا نہ ہوا۔ مگر میں قیامت تک تیری ہی رہوں گی ۔

باوفاؤں پہ جو اس طرح جفا کرتے ہیں
سخت بے درد ہیں ظالم ہیں، برا کرتے ہیں
تو سلامت رہے، آباد رہے، شاد رہے
ہم تو زندہ ہیں جہاں تک یہ دعا کرتے ہیں

(گانا)

منجدھار۔ نیا موری پار لگاؤ

ڈوبتی دکھیا کو بچاؤ
موج اٹھے بھاری بھاری
چھائی غم کی اندھیاری
نراسا کی آسا بندھاؤ رے
جاناں ستم کا پھل
کیا ہے پارہ پارہ آرزو کا دل
لٹا گھر، در، زر، چھوٹا دل بر، دل آرا
رہا نہ اب کوئی سہارا
ہائے منجدھار نیا موری.........

(حسنٰی کا جانا)

باب دوسرا ——————سین دوسرا

عباسی کا مکان

(عباسی اور صولت سو رہے ہیں۔ فضیحتہ کا آنا)

فضیحتہ: غرضی یار کس کے۔ مطلب نکلا اور یار کھسکے۔ دنیا میں سگے باپ اور بھائی پر بھروسا نہ کرنا چاہیے۔ سیانا وہ ہے جو ہر وقت کیل کانٹے سے تیار رہے۔ موقع آپڑے تو سب سے پہلے وار کرنے کو تیار رہے۔ اگرچہ صولت آج میرا دم بھر رہا ہے۔ جو کہتا ہوں وہ کررہا ہے مگر کل کو بدل جائے تو کیا دیر لگتی ہے۔ اس لیے صولت کو ہمیشہ قابو میں رکھنے کی ترکیب یہ ہے کہ وصیت نامہ اڑا لے جاؤں۔ اپنے حصے سے چوتھائی یاروں کو دے تو خیر ورنہ صاف بُتا بتا دوں۔ بس اب اس کا غذ کے ذریعے سے صولت کو جو ناچ چاہوں نچاؤں گا۔

(وصیت نامہ چراکر جانا۔ فیروز کا آنا)

فیروز: میں ناچ نچانے سے پہلے اس لوہے کے جوتے سے تیری کھوپڑی سہلاؤں گا۔

(فیروز کا جانا۔ عباسی کا نیند میں بڑبڑانا۔ صولت عباسی کی آواز سے جاگتا ہے اور اس کی باتیں سنتا ہے)

صولت: ہیں.....!!!!

عباسی: لے لو۔ میرا سب کچھ لے لو۔ مگر مجھے اندھیرے غار میں نہ ڈھکیلو۔

صولت: دیکھ صولت دیکھ۔ اسے بھی تیری طرح گناہ ستارہا ہے۔ نہیں۔ نہیں۔ ناپاک خیال دماغ کے دوزخ میں سزا پارہا ہے۔

عباسی: نہیں نہیں۔ مجھے سانپوں کے غار میں نہ اتارو۔ مجھے آگ کے کوڑے نہ مارو۔ میرے پاس وصیت نامہ نہیں ہے۔

صولت: کیا وصیت نامہ نہیں ہے۔

عباسی: (نیند میں) ہاں۔ ہاں وصیت نامہ نہیں ہے۔

صولت: ہیں۔ کیا اس نے جلادیا۔ کھودیا۔ دے دیا۔ ہرگز نہیں۔ خواب میں بہکتی ہے۔ وصیت نامہ تو سوتے وقت سر کے نیچے رکھتی ہے۔ دیکھوں تو سہی۔ اوہ غضب۔ یہاں تو کچھ نہیں۔

(عباسی کا گھبرا کر اٹھنا)

عباسی: خون۔ موت۔ چھوڑ دو۔ چھوڑ دو۔ میں آگ اور جہنم کے اندھیرے غار میں نہیں جانا چاہتی۔

صولت: عباسی۔ وصیت۔

عباسی: چلے جاؤ۔ دور ہو۔ مجھے نہ چھیڑو۔ ہیں۔ تم۔ تم؟

صولت: وصیت عباسی۔ وصیت۔

عباسی: کون! خواب تھا !! صولت !!!

(بے ہوش ہوکر عباسی کا گرنا)

باب دوسرا ——— سین تیسرا

محل

(فضیحتہ کا اندر سے آنا)

فضیحتہ:

اے واہ فضیحتہ تری تقدیر کی خوبی
دل لایا اڑا، یہ تری تدبیر کی خوبی

(گانا)

بڑا ہوں دانا۔ بڑا ہوں سیانا
بڑا رنگی جنگی فرزانہ
چلتا ہوں پرزہ۔ سب سے سیانا
میں آفت کا فتنہ
فضیحتہ ہوں۔ لپیٹا ہوں۔ آہاہاہا
ہمدم بن کر گھر کالوں کروں واللہ فنافی اللہ
گھر در سب چٹ کر ڈالوں
جو ہاتھ آیا سو بسم اللہ
بڑا ہوں دانا.....

جب مجھے اچانک اس تمسک پر قبضہ پاجانے کا خیال آجاتا ہے تو

بے اختیار پکار اٹھتا ہوں کہ یا الٰہی ۔

آج قسمت نے دیا کیا ڈال میری جیب میں
آپڑا جو بینک اف بنگال میری جیب میں
کل تو کوڑی کوڑی کا تھا کال میری جیب میں
آج لاکھوں کا پڑا ہے مال میری جیب میں
کل نہ تھا ایک سوت کا رومال میری جیب میں
آج سونے کے پڑے ہیں تھال میری جیب میں

میں حیران ہوں کہ بوڑھا ملعون۔ یہ گنج قارون لایا بھی تو کہاں سے! ارے بھائی خواہ وہ کم بخت جہنم ہی سے کیوں نہ لایا۔ مگر کام تو آخرکار یاروں ہی کے آیا۔ اب کوئی روئے یا سر پیٹے۔ تم چین اڑاؤ میاں فضیحتے۔

(فیروز کا آنا)

فیروز: آہ ہا۔ کم بخت بھاگ نکلا۔

فضیحتہ: ہیں۔ یہ بلا کہاں سے نازل ہوئی۔....اجی حضرت۔

فیروز: ہاں۔ وہ شیر تھا۔ بڑا زبردست خوں ریز۔ بارہ ہاتھ کا لمبا مگر کر گیا گریز۔

فضیحتہ: لو ایک اور اندھیر۔ کم بخت کیا خواب میں دیکھتا ہے بارہ ہاتھ کا شیر۔ اجی میاں دلیر۔

فیروز: کیوں؟

فضیحتہ: یہ بتلاؤ۔ یہاں کاہے کو آئے؟

فیروز: ہماری خوشی۔ دل نے چاہا تو آئے۔

فضیحتہ: تمھارا دل چاہے گا تو کسی کا گلا بھی کاٹ ڈالوگے؟

فیروز: بے شک۔ ہماری خوشی۔

فصیحہ: ارے واہ اچھی تمھاری خوشی۔
فیروز: اچھا اچھا نہ گھبراؤ۔ اب ادھر آؤ۔ کرسی لاؤ۔ ذرا آرام سے بیٹھ جاؤ۔

(کرسی لاکر دینا)

فصیحہ: اب کیا کروں۔ کم بخت تو گلے پڑگیا۔ ہاں اب نرمی سے کام نہ چلے گا۔ ذرا سختی سے پیش آؤں تو یہاں سے ٹلے گا۔ سنو جی میں کیا کہتا ہوں۔
فیروز: کہو جی۔ میں سب سنتا ہوں۔
فصیحہ: بس میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ فوراً سے پیش تر اور پیش تر سے فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ۔ ورنہ پولس کو بلاتا ہوں۔
فیروز: (طمنچہ دکھا کر) خبردار۔ ورنہ ابھی یہ برق شرر بار ہوگی سینے کے پار۔
فصیحہ: ہیں۔ یہ کیا؟ ڈاکہ زنی کا ہتھیار؟
فیروز: ہاں۔ ملک الموت کا مددگار۔
فصیحہ: کیا یہ سچ مچ کا طمنچہ ہے؟
فیروز: جی ہاں۔ یہ جان نکالنے کا شکنجہ ہے۔
فصیحہ: ارے چولھے میں جائے تیرا طمنچہ اور شکنجہ۔ ؎

لینا نہ دینا مفت کا یہ درد سر کیسا لیا
دھمکی جسے دیتا تھا میں اس نے مجھے دھمکالیا

فیروز: کیوں جی کیا سوچ رہے ہو۔
فصیحہ: میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ نے میرے حال پر کیوں کرم فرمایا۔
فیروز: شکار کو۔
فصیحہ: تو شکار گاہ کو جایئے۔

فیروز: نہیں۔

فصیحہ: نہیں تو جنگل کو جایئے۔

فیروز: نہیں۔

فصیحہ: نہیں تو جہنم کو جاؤ۔

فیروز: نہیں۔ میرا جی تو تمھارے شکار کو چاہتا ہے۔

فصیحہ: ہیں۔ میرا شکار۔ یہ کیوں کر؟

فیروز: یہ دیکھو۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے وبال۔

فصیحہ: آگیا بیتال۔ آدمی کے جی کا کال۔

فیروز: ہاں۔ اس پر نظر رکھیے۔

فصیحہ: صاحب ذرا مہربانی فرماکر اس کو ادھر ہی رکھیے۔ یہ بھری ہے یا خالی ہے؟

فیروز: دیکھو یہ پستول پانچ نالی ہے۔ چار میں گولیاں ہیں اور ایک خالی ہے۔ لیکن تم نہ گھبراؤ۔ یہ بغیر میرے حکم کے کچھ نہ کرے گی۔ جب تک میں ایک دو تین نہ کہوں گا تب تک ایک گولی بھی نہ چلے گی۔

فصیحہ: ارے گولی چلے نہ چلے۔ میرا جی تو تیری باتوں سے نکل چلا۔

فیروز: اجی ڈرو نہیں۔ میں تمھیں کچھ ایذا نہ پہنچاؤں گا۔ صرف تمھیں قتل کرکے چلا جاؤں گا۔

فصیحہ: ہیں یہ تو قتل کرنا ذرا سی بات جانتا ہے۔ کیا مجھے کتا بلی سمجھتا ہے۔

فیروز: دیکھو۔ میں ایک دو تین کرکے پستول چلاؤں گا اور تمھارے سر کا نشانہ بناؤں گا۔

فصیحہ: ارے صاحب۔ یہ کیا کرتے ہو کار زبوں۔

فیروز: کچھ نہیں۔ فقط تمھارا خوں۔

فصیحہ: یہ لو فقط ہمارا خون۔

فیروز: ہاں۔ بس یہی مضمون۔

فصیحت: مگر بے خطا مرنے سے تمھیں کیا حاصل۔

فیروز: ہماری مرضی اور شوقِ دل۔

فصیحت: مگر صاحب۔ یہ شوق تو بہت برا ہے۔

فیروز: برا ہو یا بھلا۔ جب تم کو شوق چرایا تو تم نے خون بہایا۔ اب میرا وقت آیا۔ چلو سیدھے ہو جاؤ۔ ایک۔ دو۔

فصیحت: او باپ رے۔ لینا ایک نہ دینا دو۔ مفت میں ناس ہمارا ہو۔

فیروز: چپ۔ اپنے گناہوں کی توبہ کرلے۔

فصیحت: ارے۔ پر میں نے گناہ ہی کون سا کیا ہے۔ جو مار مار کے توبہ کراتا ہے۔

فیروز: جب تو نے گناہ نہیں کیا تو پھر مرنے سے کیوں جی چراتا ہے؟

فصیحت: مگر جب موت آئے تو مرجاؤں۔ یا قضا سے پہلے قضا کر جاؤں۔

فیروز: فرض کرو کہ میں ہی تمھارا ملک الموت بن جاؤں۔ چلو ایک۔دو۔

فصیحت: یا اللہ بچائیو۔ اے بندۂ خدا۔ کچھ تو خدا کا خوف کر۔

فیروز: جب تو نے قتل کا موقع پایا تھا تو تیرے دل میں بھی کچھ خدا کا خوف آیا تھا۔

فصیحت: صاحب میں نے کس کو قتل کیا۔ میں نے تو کبھی ایک چیونٹی کو بھی نہیں مارا ہے۔

فیروز: چیونٹی کو تو نہیں مارا ہے مگر آدمی کوموت کے گھاٹ اتارا ہے۔ چلو اپنی زندگی کے جہاز کا لنگر اٹھاؤ۔

فصیحت: ارے پر کون سے بندر گاہ کو؟

فیروز: عدم آباد کو۔ ایک۔ دو۔ تین۔

(پستول سے فائر کرنا)

فضیحت: ارے ہائے ہائے میں مرگیا.....وہ نائی بندوق مار دی۔ گولی میرے پیٹ میں اتاردی۔ میں موا۔ میری جان گئی۔ ارررر۔ ایک۔ دو۔ تین۔

(فضیحت کا مردہ بن کر لیٹ جانا)

فیروز: کیسا مکار ہے۔ میں نے خالی فائر کیا اور اس نے سچ مچ اپنا حال غیر کیا۔ ارے اٹھ۔ کیا ایک ہی گولی میں مرگیا۔ ابھی تو میں تین گولیاں اور چلاؤں گا۔ (سائڈ میں) اچھا اب ذرا اس کو بناتا ہوں....... اب میرا کام پورا ہوا۔ اب جلدی یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خون کے الزام میں گرفتار ہو جاؤں۔

(فیروز کا چلے جانا)

فضیحت: ایک دو تین۔ (اٹھنا) ہٹ تیرا باپ مرے۔ کم بخت نے ایک دو تین کرکے میری جان آدھی کردی۔ اب میرے جی کو قرار ہوا۔ اب مجھے کوئی نہیں مار سکتا ہے۔

(فیروز کا دوبارہ آنا)

فیروز: مار سکتا ہے۔

فضیحت: باپ رے۔

فیروز: ارے واہ۔ یہ تو اچھا سوانگ لایا۔ ایک۔ دو۔

فضیحت: بس۔

فیروز: کیوں بے مردود۔ تو تو مرگیا تھا۔

فصیحہ: ہاں۔ مگر دم لینے کو زندہ ہوگیا۔

فیروز: اچھا تو میں اس مرتبہ تیرا پورا بندوبست کرتا ہوں۔ تیرا گلا کاٹ کے قبر میں دفن کرتا ہوں۔

فصیحہ: دیکھیے صاحب۔ اب تو آپ کا شوق پورا ہوگیا۔ بس میری جان پر ستم نہ توڑیے میرا پیچھا چھوڑیے۔

فیروز: مجھے تیری منت و زاری پر رحم آتا ہے۔

فصیحہ: رحم آتا ہے۔ آنے دو۔ آنے دو۔

فیروز: مگر ایک شرط سے۔

فصیحہ: فرمایئے۔

فیروز: مگر خبردار۔ دیکھنا۔ مجھے دھوکا دیا تو پھر ایک۔ دو۔

فصیحہ: کیا بار بار ایک دو۔ ایک دو۔ اجی صاحب بس اس کو پھینک دو۔

فیروز: نہیں۔ نہیں۔ میں تو تجھے یوں ہی خبردار کرتا ہوں۔

فصیحہ: اجی میں تو بالکل خبردار ہوں۔ مگر اس اگیا بیتال سے ڈرتا ہوں۔

فیروز: میں یوں ہی دل لگی کرتا ہوں۔

فصیحہ: پر میں تو بے موت مرتا ہوں۔

فیروز: اچھا تو ادھر آو۔ مجھ سے نہ ڈرو۔

فصیحہ: پہلے مہربانی کرکے اپنے اس ایک دو کو غلاف کرو۔

فیروز: اچھا یہ لو۔ (طمنچہ رکھ لینا) اب چلو تمھارے پاس جو وصیت نامہ ہے نا۔ وہ مجھے دے دو۔

فصیحہ: ہیں۔ آپ نے کیا فرمایا۔

فیروز: وصیت نامہ جو تو لایا۔

فصیحہ: میری سمجھ میں نہیں آیا۔

فیروز: تو میں سمجھاؤں؟

فصیحہ: یہ سمجھانا کیسا؟

فیروز: تو یہ بُتا بالا بتانا کیسا؟

فضیحتہ: میرے پاس وصیت نامہ کہاں سے آیا؟
فیروز: جہاں سے تو نے چرایا۔
فضیحتہ: یہ میں جانتا نہیں۔
فیروز: یہ میں مانتا نہیں۔
فضیحتہ: اچھا ٹھہرو۔ ذرا سوچنے دو۔ (سائڈ میں) بھائیو سچ کہنا میں نے کسی کا وصیت نامہ چرایا ہے؟ یا کوئی کاغذ میرے ہاتھ آیا ہے؟ میں اور چوری کروں۔ توبہ کرو توبہ۔ مگر اس سے میرا فریب نہ چلے گا۔ اب یہاں سے رفو چکر ہوجاؤں۔ کسی طرح جان بچالوں...... ہاں۔ ہاں۔ مجھے بلاتے ہو۔ آیا۔ آیا......
فیروز: خبردار۔
فضیحتہ: خدا جانے اس جان لیوا چیز کا بتانے والا کون مردود ہے۔ نہ وہ پستول بتاتا اور نہ یہ کم بخت گھڑی گھڑی مجھے ایک دو تین کرکے ڈراتا۔
فیروز: اب یہ کوسنا کاٹنا رہنے دے۔ جلدی نکال ورنہ ایک دو۔
فضیحتہ: ارے کیا صاحب۔ گھڑی گھڑی۔ ایک دو۔ ایک دو کرکے ڈراتے ہو۔ مارنا ہے تو لو مار ڈالو۔
فیروز: جب تو خوشی سے مرنے کو تیار ہے تو مجھے کب انکار ہے۔ ایک۔ دو۔
فضیحتہ: باپ رے۔ کیوں یارو۔ یہاں کوئی روپے آٹھ آنے کا وکیل بیرسٹر ہے جو کچھ تدبیر بتائے۔ اس موذی کے پنجے سے مجھے چھڑائے۔
فیروز: ارے کیوں نکالا؟
فضیحتہ: نکالتا ہوں۔
فیروز: ارے کیوں ہوگیا بدحواس۔
فضیحتہ: ہائے ہائے۔ میرا تو ہوگیا ستیاناس۔ وہ نوشتہ تو کہیں کھوگیا۔
فیروز: کہاں کھوگیا؟

نفیسہ: چور بازار گیا تھا۔ وہاں کسی نے جیب کتر کر نکال لیا۔

فیروز: کیوں پھر وہی چال چلتا ہے۔ دیکھوں تو سہی تیری مٹھی میں کیا ہے؟

نفیسہ: کہاں کچھ بھی نہیں ہے۔

فیروز: خبردار۔ او دغاباز۔ منہ کھول۔ ورنہ چھوڑتا ہوں پستول (منہ سے وصیت نامہ نکال لینا) اچھا جا میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

نفیسہ: اے واہ۔ کیا چھوڑ دیا۔ جان تو نکال لی اور مردہ چھوڑ دیا۔ اچھا اتنا تو بتایئے کہ آپ ہیں کون۔ اور یہ وصیت نامہ آپ کے کس کام آئے گا۔

فیروز: میرے تو کسی کام نہ آئے گا۔ مگر جس طرح یہ ایک سے دوسرے کے پاس آیا ہے۔ اب اسی طرح دوسرے سے تیسرے کے پاس جائے گا۔

نفیسہ: یعنی؟

فیروز: رضیہ کے پاس۔

نفیسہ: ہیں۔

فیروز: کیوں ہوا بدحواس۔

نفیسہ: میرا تو ہوگیا ستیا ناس۔

فیروز: ابھی کہاں۔ سن ـ

کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یہ سودا دست بدستی ہے

نفیسہ: اجی صاحب۔ یہ خواہ مخواہ کی زبردستی ہے۔

فیروز: خبردار۔ ہوشیار رہنا۔ ایک۔دو۔تین۔

(فائر کرکے جانا)

فضیحتہ: یا رب العالمین۔ ابھی ہے یا سٹک گیا۔ وہ لعین۔ ایک۔ دو۔ تین۔
ہت تیرا ستیا ناس ہو ۔

افسوس گنتے رہ گئے ہم ایک دو تین
وہ دے کے اڑگیا ہمیں دم ایک دو تین
گنج شہانہ ہاتھ میں آکر نکل گیا
پلے رہے نہ دام و درم ایک دو تین
میں تو نہ چھوڑتا اسے پر ہاے کیا کروں
دیتے تھے مجھ کو رنج و الم ایک دو تین
ایک آپ دوسرا وہ طمنچہ شرر فشاں
اور تیسری صداے ستم ایک دو تین

خداوندا میری شادمانی بھی کیا نیلام کی بولی تھی جو پورے ایک دو تین پر ختم ہوگئی۔ ۔

صبح دم مرغ سحر بول اٹھا ککڑوں کوں
دل گیا دل بھی گیا رہ گئے ہم ٹٹروں ٹوں

باب دوسرا ــــــــــ سین چوتھا

رضیہ کا محل

(رضیہ کا مع سہیلیوں کے آنا اور سہیلیوں کا گانا)

ناہیں مانوں ری۔ سکھی ری
کیوں سمجھاوے۔ کاہے رار مچاوے۔ توہے لاج نہ آوے
تیرے قربان۔ بنتی مان
متواری۔ سن پیاری۔ بلھاری۔ ہم واری
ناز و ادا کی ہے
جب فوج ساتھ۔ تو پھر خوف کھانے کی ہے کون بات
میں نہ مانوں۔ گھر در سے تھرتھر جیارا لرزے

ڈالی: اے حضور آپ کی ہٹ بھی دنیا سے نرالی ہے۔ کسی سے دو باتیں کرلینا کوئی گالی ہے۔

رضیہ: نہ ہو۔ مگر تو جانتی ہے کہ مجھے مردوں سے سخت نفرت ہے۔

ڈالی: یہ تو سچ ہے۔ مگر ایک شریف آدمی کو دروازے سے ٹال دینا۔ یہ بھی تو خلاف مروّت ہے۔

رضیہ: مگر تو نے یہ کیسے جانا کہ وہ شریف ہے؟

ڈالی: رنگ سے۔ ڈھنگ سے۔ چال سے۔ ڈھال سے۔ آن سے۔ بان سے۔ چہرے کی شان سے۔ طرز بیان سے شریفوں میں جو چاہیے اس نشان سے۔

رضیہ: تو کیا بلا لوں؟
ڈالی: شرافت خوش ہوگی۔
رضیہ: اور جو نہ بلاؤں؟
بہار: انسانیت ناراض ہوگی۔
رضیہ: لیکن انسانیت کو راضی رکھوں تو میری ضد خفا ہوتی ہے۔
بہار: لیکن ضد کی ضد رکھیے گا تو مروت بگڑکر ہوا ہوتی ہے۔
رضیہ: جی تو نہیں چاہتا۔ خیر بلالو۔ سنتا۔ سنتا۔ بھلا تو یہ نہیں کہہ سکتی کہ جناب تھوڑی دیر کے بعد آنا۔
ڈالی: اے حضور۔ آپ کو بھی مانا۔ کیا وہ کوئی فقیر ہے جو کہہ دوں کہ سائیں پھر آنا۔

(ڈالی کا باہر جاکر فیروز کو لانا)

فیروز:۔

عصمت، حیا و حسن کی تعظیم فرض ہے
خاتونِ ذی وقار کو تسلیم عرض ہے

ڈالی: سنا حضور۔
فیروز: اللہ رے غرور۔ بندہ پرور مزاج اچھا ہے؟
رضیہ: ان سے پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
ڈالی: جناب ہماری بیگم ارشاد کرتی ہیں.......
فیروز: کیا ارشاد کرتی ہیں؟
ڈالی: کہتی ہیں کہ۔ ؎

خاموشی سے دل سرد ہے تقریر سے گرمائیں
کیا نام ہے، کیا کام ہے،کیوں آئے ہیں فرمائیں

فیروز: ان سے کہو کہ خود پوچھیں ؎

پھیلائیں ذرا نور شبستانِ سخن میں
کیا شمعِ زباں بجھ گئی فانوسِ دہن میں

ڈالی: اظہار سے مطلب ہے کہ تکرار سے مطلب۔

فیروز: حضرت سے نہیں ہم کو ہے سرکار سے مطلب۔

ڈالی: عجیب کینڈے کا مردوا ہے۔

بہار: اے حضرت اس میں حجت ہی کیا ہے۔ آپ اظہار حال کردیں۔

فیروز: اپنی بیگم سے کہو کہ خود سوال کریں۔

بہار: اور میں جو سوال کرتی ہوں۔

فیروز: تمھارے سوال کا جواب میرا نوکر دے گا۔ میں کیا کوئی غلام ہوں جو لونڈی باندیوں سے ہم کلام ہوں۔

بہار: سچ سچ یہ تو تھان کا ٹرّا معلوم ہوتا ہے۔

فیروز: لیجیے ملاقات تمام۔ ایسے برتاؤ کو سات سلام۔

ڈالی: ٹھہریے ٹھہریے۔ (رضیہ سے) اے حضور آپ ہی پوچھیے نا۔ اتنا کھنچنا بھی کیا ضرور ہے۔ مہمان نوازی تو دنیا کا دستور ہے۔

رضیہ: خیر میں خود جاتی ہوں۔ (سامنے آکر) کہیے حضرت۔ میں خود حاضر ہوں۔

فیروز: اللہ اللہ۔ کیا عالم ہے۔ اس حسن پر جتنا غرور ہو کم ہے۔

رضیہ: جناب کیا کہنا ہے۔ فرمایئے۔

فیروز: بے ادبی معاف۔ آنکھیں تو اوپر اٹھایئے۔

ڈالی: آپ کہیے نا مہربان۔ باتیں آنکھیں سنتی ہیں یا کان۔

فیروز: بیگم صاحبہ۔ آنکھ سے آنکھ ملاکر جو بات سنی جاتی ہے وہ بہت جلد سمجھ میں آتی ہے۔

بہار: دیکھا بہن۔ مردوے اسی چال سے عورتوں کو پھنساتے ہیں۔

رضیہ: ؎

فرمائیں آپ آئے ہیں کس کام کے لیے

یہ وقت خاص ہے مرے آرام کے لیے

فیروز: ؎

غفلت نے سب تلف کیا قسمت نے جو دیا
آرام کیسا آپ نے آرام کھودیا
آیا، چرایا، لے گیا دشمن نکال کے
لایا ہوں اس سے چھین کر رکھیے سنبھال کے

(رضیہ کو وصیت نامہ دینا)

رضیہ: ارے یہ تو وہی کھویا ہوا وصیت نامہ ہے۔ دغا۔ فریب۔ دھوکا۔ عیاری۔ دوڑو۔ پکڑو۔ چور۔ چور۔

ڈالی: اے ہے بیگم۔ کیسا چور، کیسا شور۔ کیوں چلاتی ہو۔ محلّہ بھر کو بلاتی ہو۔

رضیہ: ارے موئی۔ آج پتہ پایا۔ کہ اس نے وصیت نامہ چرایا۔ چور نکل جاے گا۔ پولس کو بلایا؟

بہار: ارے حضور ہوش میں آیئے۔ چور ایسے ہوتے ہیں۔

رضیہ: تو پھر اور کیسے ہوتے ہیں۔

بہار: اے جناب۔ یہ رعب یہ داب۔ یہ آب۔ یہ تاب۔ یہ صورت۔ یہ سیرت۔ یہ وضع۔ یہ قطع۔ یہ شان۔ یہ زبان۔ یہ تہذیب۔ یہ ترکیب۔ یہ اخلاق۔ یہ اشفاق۔ اور چور کا اشتباہ۔ خدا کی پناہ۔

رضیہ: یہ سچ ہے مگر......

ڈالی: کیسا اگر مگر۔ آپ نے بھی غضب ڈھایا۔ اگر اس شریف آدمی نے چرایا تو واپس دینے کیوں آیا؟

فیروز: بھئی واہ ؎

عنایت ہو تو ایسی ہو مروت ہو تو ایسی ہو
کسی کے گھر میں مہمانوں کی دعوت ہو تو ایسی ہو

رضیہ: ہے ہے۔ میں نے گھبراہٹ میں یہ کیا کیا۔ ارے تم دونوں منھ کیا دیکھتی ہو۔ اس حماقت کا کوئی علاج بتاؤ۔

ڈالی: پولس کو بلاؤ۔

رضیہ: دل لگی میں نہ اڑاؤ۔

بہار: مشکیں کسواؤ۔

رضیہ: آخر صورت تلافی؟

ڈالی: ہاتھ جوڑیے اور مانگیے معافی۔

رضیہ: ارے واہ میں ہاتھ جوڑوں۔

بہار: ہاتھ نہیں جوڑتیں تو پاؤں پڑیے۔

رضیہ: تو تو جوتیاں کھائے گی۔ اچھی تو کس دن کام آئے گی۔ جا اور میری طرف سے معافی چاہ۔

ڈالی: اے بھلا میں کیوں جاؤں۔

رضیہ: تو کیا میں جاکے گڑگڑاؤں۔

ڈالی: بے شک۔ آپ کا تو قصور ہے۔

رضیہ: ہاں۔ میرا قصور ہے۔ مگر معافی بھی میں ہی مانگوں۔ یہ کیا ضرور ہے۔

ڈالی: لو سنو۔ یہ بھی خوب ؎

موئی الٹی ہوا چلنے لگی ہے اب زمانے میں
خطا بی بی کریں لونڈی پڑے جھگڑا چکانے میں

حضور عالی!

فیروز: کیوں کیا ہے؟ کوئی سزا نکالی۔

ڈالی: قصور ہوا۔ دل صاف کیجیے۔

فیروز: بس جایئے اب معاف کیجیے۔

ڈالی: حضور۔ یہ تو معافی کا نام سن کر میں میں آگئے۔ میں در گذری۔ آپ ہی جایئے اور سمجھایئے۔

رضیہ: مردار تجھے شرم نہیں آتی ہے۔ اجنبی شخص سے مڈبھیڑ کراتی ہے۔

ڈالی: جائیے تو سہی۔ ذرا پاس سے دیکھیے۔ کیا قبول صورت پائی ہے۔ گویا گلفام کا چھوٹا بھائی ہے۔

بہار: مگر ہماری بیگم بھی تو سبز پری سے کم نہیں۔

رضیہ: نگوڑیو۔ تم دونوں میں ذرا بھی شرم نہیں ہے۔ اے میں قربان۔ واقعی حسن ہے یا خدا کی شان۔
جناب عالی۔

فیروز: حضور والا۔

رضیہ: آپ کیا خیال فرما رہے ہیں۔

فیروز: اپنی غلطی پر شرمارہے ہیں۔

رضیہ: مجھے اپنی حماقت پر رونا آتا ہے۔

فیروز: اور مجھے آپ کے رونے پر ہنسی آتی ہے۔

رضیہ: کیا آپ مجھے جھنپاتے ہیں۔

فیروز: اور کیا آپ مجھے بناتی ہیں۔

رضیہ: میں اپنے برتاؤ سے سخت شرمسار ہوں۔ قصور ہوا۔ معافی کی خواستگار ہوں۔

فیروز: بانو۔ اگر ایسے خوبصورت لفظوں میں معافی مانگی جائے تو کس کو دینے سے انکار ہوگا۔

رضیہ: آپ یوں فرمائیں گے تو خطا وار دل اور بھی شکر گزار ہوگا۔

فیروز: اس شکر گزاری کا شکریہ۔ مگر وصیت نامہ سے خبردار رہیے۔ صولت اور فضیحتہ سے بھی ہوشیار رہیے۔

رضیہ: یہ وصیت نامہ کیسے آپ کے ہاتھ آیا؟

فیروز: معاف کیجیے۔ میں ابھی یہ نہیں بتاسکتا کہ کس سے ملا اور کہاں سے پایا۔ وقت آئے گا تو آپ کو سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ لیجیے تسلیم۔

رضیہ: اے ہے اتنی جلدی۔ خدا کی قسم آپ کے جانے سے تو محفل سونی ہوجائے گی۔

ڈالی: محفل تو نہیں۔ البتہ عشق کے تھرمامیٹر کی گرمی دونی ہوجائے گی۔

فیروز: معزز بانو۔ مجھے ایک نہایت ضروری کام الوداع کہنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ ورنہ چمکتے ہوئے چاند، مہکتے ہوئے پھول اور چہکتی ہوئی قمری کے پاس سے جدا ہونا کون شخص بخوشی منظور کرسکتا ہے۔

رضیہ: تو کیا میں امید رکھوں کہ آپ اس غریب خانہ پر دوبارہ تشریف لائیں گے۔

فیروز: ہم تو سیدھے مسلمان ہیں۔ ایک بار جنت کا پتہ مل گیا تو سو بار آئیں گے۔

رضیہ: آپ کی تشریف آوری سے میں خوش ہوں گی۔

فیروز: آپ خوش ہوں گی تو میں اپنے نصیب کو مبارک باد دوں گا۔

رضیہ: آپ تمام مردوں میں ایک مرد ہیں۔

فیروز: اور آپ تمام عورتوں میں ایک عورت ہیں۔ یاد رکھیے گا۔ کبریا حافظ۔

رضیہ: آپ بھی۔

فیروز: بندگی۔

رضیہ: خدا حافظ۔

(گانا)

شادماں۔ شادماں۔ مہرباں
جگ میں تم سکھ پاؤ۔ جاؤ۔ آآآآ
یاد کروں گی صبح و شام
مجھ کو سمجھیے گا غلام

یاد رکھوں گی میں مدام۔ لیجیے میرا سلام
شادماں۔ شادمان
آن ملا تھا اک پردیسی۔ بھول نہ اس کو جانا جی
درشن بن ترسیں گی انکھیاں۔ پھر مکھڑا دکھلانا جی
جانا جی۔ آنا جی۔ شادماں......

باب دوسرا ــــــــ سین پانچواں

راستہ

(حسنیٰ کا مردانہ لباس میں فیروز کے ساتھ آنا)

حسنیٰ: بھائی فیروز۔ میں نے سنا ہے کہ عباسی بیمار ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں اس مردانہ لباس میں عباسی کے مکان پر جاؤں اور اس کو دیکھنے کے علاوہ اس بات کا بھی پتہ لگاؤں کہ صولت کس حال میں ہے۔

فیروز: بہن حسنیٰ۔ یہ ٹھیک ہے لیکن تمھارا وہاں تنہا جانا خطرے سے خالی نہیں۔

حسنیٰ: نہیں بھائی۔ تم اطمینان رکھو۔ اسی لیے تو میں نے یہ حکیم کا بھیس بدلا ہے تاکہ مجھے کوئی پہچان نہ سکے۔

فیروز: اچھا خیر۔ تمھاری مرضی۔ مگر جہاں تک ہو۔ ہوشیار رہنا۔

حسنیٰ: او خدا۔ میں کیا تھی اور اب کیا ہوں۔ کہاں وہ آرام کی زندگی گزارنا اور کہاں محبت کے سبب جنگل و بیابان کی خاک اڑانا۔ سچ ہے۔ دنیا کا عیش و آرام دھوپ چھاؤں ہے۔ کبھی اس گاؤں تو کبھی اس گاؤں ہے۔

باب دوسرا ـــــــــ سین چھٹا

محل

(حسنیٰ کا مردانہ لباس میں ایک کنیز کے ہمراہ آنا)

حسنیٰ: یہ سب کچھ نیند میں کرتی رہی۔
کنیز: مردوں کی سی نیند۔
حسنیٰ: خدائی انتقام۔
کنیز: دیکھیے وہ اسی طرف آرہی ہے۔
حسنیٰ: قسم ہے اس بیدار قدرت کی کہ وہ گہری نیند میں ہے۔
کنیز: سنو کچھ بولتی ہے۔

(عباسی کا آنا)

عباسی: بجھادو۔ میرے پیارے بجھادو۔ میں تم سے کہتی ہوں کہ چراغ بجھادو۔ وقت کو اندھا بنانا ہے تو چراغ بجھادو۔ ارے ابھی تک یہ باقی ہے۔
کنیز: دیکھو۔ وہ اپنے ہاتھوں کو کس طرح رگڑ رہی ہے۔
حسنیٰ: کم بخت کو وہم بیٹھ گیا ہے کہ اعظم کے بے گناہ خون سے ابھی تک اس کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔
عباسی: اے لعنتی داغ دور ہو۔ میں کہتی ہوں نا۔ (گھنٹی بجانا) ارے یہی

وقت ہے۔ کام کا یہی وقت ہے۔ شرم شرم میرے پیارے شرم۔ مرد کے سینے میں عورت کا دل۔ کون دیکھتا ہے۔ کسے معلوم ہوتا ہے۔ آہ کسے خیال تھا کہ بوڑھے جسم میں اتنا خون ہوگا۔

حسنٰی: جتنا اسے خیال ستا رہا ہے۔ اس سے زیادہ جہنم بھی گنہگار کو سزا نہیں دے سکتا۔

عباسی: کیا یہ ہاتھ کبھی صاف نہ ہوں گے۔ کیا دنیا کے تمام سمندر بھی مل کر میرے ہاتھوں سے خون نہیں دھو سکتے۔ میرے صاحب تم چونک کر سب کام بگاڑو گے۔ کانپو نہیں۔ ڈرو نہیں۔ داغ۔ لہو کا داغ۔

حسنٰی: آہ کم بخت عورت۔ انسان اس سے زیادہ اپنے دشمن کو اور کیا سزا دے سکتا ہے۔

عباسی: صولت کے گھر میں ایک عورت تھی۔ وہ اب کہاں ہے۔ ارے ابھی تک خون کی بو آرہی ہے۔ دنیا کے سارے قسم کے عطر بھی اس ہاتھ کو خوشبودار نہیں کرسکتے۔ کون ہے۔ چھری پھینک دو۔ ہاتھ دھو ڈالو۔ چپ۔ چپ۔ چپ۔ (جانا)

کنیز: آپ کی بیمار کی نسبت کیا رائے ہے۔

حسنٰی: اگر میری عقل ہنوز درست ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ عباسی اب بھی........

کنیز: تو آپ کا یہ منشا ہے کہ ان کا مرض لاعلاج ہے۔

حسنٰی: میرے خیال میں تو اب وہ حکیم کے عوض عابد اور دوا کے بدلے دعا کی محتاج ہے۔

(ایک اور کنیز کا آنا)

کنیز۲: غضب۔ مصیبت۔ سخت مصیبت۔ غلطی سے موت۔ جوان موت۔

حسنیٰ: کیوں کیا ہے۔ خیر تو ہے؟
کنیز۲: بیگم کا حال بالکل غیر ہے۔
کنیز۱: یا اللہ انھیں کیا ہوا؟
کنیز ۲: جنون نے آخر جی لیا۔ ایک شیشی میں زہر رکھا تھا۔ بیگم نے دوا کے دھوکے میں پی لیا۔
حسنیٰ: کیا۔ زہر؟ آہ۔ یہ ہے اپنے ہاتھوں اپنی سزا۔ یہ ہے خدا کا قہر۔
کنیز ۱: میرے خدا۔

(عباسی کا ہاتھ میں شیشی لے کر لڑکھڑاتے ہوئے آنا)

عباسی: پانی۔ پانی۔ آہ میرے بدن سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ میرے سینے میں آگ کی بھٹی روشن ہے۔ جس میں میری روح اور تمام قوتیں آندھی کی طرح چل رہی ہیں۔
کنیز ۲: حضور کیا حال ہے؟
عباسی: بدنصیب ہوں۔ نامراد ہوں۔ تنہا چھوڑ دی گئی ہوں۔ کیا کوئی تم میں ایسا نہیں جو ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی پر جمی برف کا ٹکڑا میرے دہکتے ہوئے حلق میں رکھنے کے لیے لادے۔ کیا کوئی تم میں ایسا نہیں جو اس ملک کے دریاؤں کو اپنا قدیم راستہ بدل کر میرے گرم سینے سے گزرنے کے لیے سمجھائے۔
کنیز ۱: افسوس۔
عباسی: افسوس کیوں کرتے ہو۔ میں تم سے سلطنت نہیں مانگتی۔ جوانی نہیں مانگتی۔ بہشت نہیں طلب کرتی۔ صرف پانی۔ تھوڑا ٹھنڈا پانی مانگتی ہوں۔
کنیز۱: اگر میرے آنسو سرد ہوتے تو میں اپنی دونوں آنکھیں آپ کے سینے پر نچوڑ دیتی۔

کنیز۲: یہ لیجیے۔ (پانی کا گلاس دینا)

عباسی: یہ پانی ہے۔ زہر ہے۔ آگ ہے۔ تیزاب ہے۔ آہ۔ پیاس پیاس۔ آہ ارے میں مرتی ہوں۔ میں بے قرار ہوں۔ خدا کی قسم اگر کوئی ایک گلاس ٹھنڈا پانی لادے تو میں اپنا حسن، عیش، نعمت دولت سب کچھ دینے کو تیار ہوں۔

حسنیٰ: دیکھ اے آنکھ دیکھ۔ دنیا اور دنیا کے عیش و آرام کی قیمت موت کے وقت سمجھ میں آتی ہے۔ جن چیزوں کے لیے اس نے ایسے ایسے گناہ کیے انھیں آج ایک گلاس پانی پر بیچے ڈالتی ہے۔

عباسی: دیکھ دیکھ۔ شیطان مجھے آنکھیں دکھاتے ہیں۔ فرشتے آگ کے کوڑوں سے ڈراتے ہیں۔ جاؤ واپس چلے جاؤ۔

حسنیٰ: زہر اس کے خون پر اور گناہ اس کے دماغ پر حملہ کررہے ہیں۔

عباسی: موت۔ موت مجھے کیوں پکڑتی ہے۔ میں ابھی جوان ہوں۔ میرے پاس دولت ہے۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ جا۔ جا۔ اسے ٹال دو۔

حسنیٰ: موت اور زندگی کی جنگ شاید اب ختم ہوا چاہتی ہے۔

عباسی: پانی۔ پانی۔ زہر موت کے ہاتھ کا آتشی خنجر ہے۔ ظالم میری رگوں کی رسیوں کو جس میں میری زندگی کا جہاز بندھا ہوا ہے کاٹے ڈالتا ہے۔

مرے قلب و جگر میں رکھ دیا شعلہ جہنم کا
عوض لیتا ہے مجھ سے زہر بن کر خون اعظم کا

(دھماکے کی آواز کے ساتھ نواب اعظم کی روح کا دکھائی دینا)

وہی۔ وہی۔ کیا قیامت سے پہلے زمین کو مردے اگلنے کی اجازت مل گئی۔ جاجا اپنی قبر میں جا۔ کیوں آیا ہے۔ کس نے بلایا ہے۔

کنیز۱: حضور کس سے باتیں کررہی ہیں؟

عباسی: وہ دیکھ۔ وہ اسے دیکھ۔ سفید کفن۔ زرد چہرہ۔ ڈراؤنی آنکھیں۔ دور ہو۔ اے زندگی کے خیالی سائے دور ہو۔ کون کہتا ہے کہ مجھ سے یہ کار زبوں ہوا ہے۔ تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس خنجر سے تیرا خون ہوا ہے۔

حسنیٰ: چھینو۔ چھینو۔ اس نے یہ خنجر کہاں سے پایا؟

کنیز۲: یہ تو وہی خنجر ہے جو میرے سامنے میز کی دراز سے نکالا۔ حضور یہ مجھے دے دیجیے۔

عباسی: جھوٹی ہے۔ اے روح تو جھوٹی ہے۔ کوئی ثبوت نہیں۔ کوئی داغ نہیں۔ کیا میں نے مارا۔ اعظم کو مارا۔ کیا۔ کیا کہتی ہے۔ اس....... اس طرح مارا.......آہ۔

(عباسی کا خنجر مارکر مرجانا)

حسنیٰ: آہ۔ عبرت ناک موت۔

باب دوسرا ——— سین ساتواں

رضیہ کا محل

(اندر سے دونوں سہیلیوں کا گفتگو کرتے ہوئے آنا)

ڈالی: بہن۔ بیگم تو بالکل بدل گئیں۔
بہار: ہاں دیکھو نا۔ چکنے چکنے گال دیکھ کر پھسل گئیں۔
ڈالی: میں تو اب خوب بناؤں گی۔
بہار: اور میں کچھ نہ چھپاؤں گی۔
ڈالی: بس ہم تو ان مردوں کے چرتر مان گئے۔
بہار: اے بہن خدا بچائے۔ یہ ڈاڑھی مونچھ والے تو عورتوں کو پھنسانے کے سینکڑوں ہتھ کنڈے جانتے ہیں۔
ڈالی: لیجیے وہ آرہی ہیں۔
بہار: اے ہے۔ بیگم کا چہرہ کیوں زرد ہے؟
ڈالی: کیا سر میں درد ہے؟

(رضیہ کا آنا)

رضیہ: آہ۔
بہار: کچھ تو بتاؤ۔
رضیہ: جاؤ۔
ڈالی: کچھ تو فرماؤ۔

رضیہ: مغز نہ کھاؤ۔

بہار: ذرا نبض تو دکھاؤ۔

رضیہ: مت ستاؤ۔

ڈالی: اے حضور۔ میں تو عورتوں کی دائی ہوں۔

بہار: اور میں تو ولایت سے ڈاکٹری پاس کرکے آئی ہوں۔

رضیہ: ارے تم دونوں کیا مجھے بتاتی ہو۔

ڈالی: اور آپ کیا ہم دونوں کو اڑاتی ہیں۔

بہار: کہیے۔ ـ

الفت کا نام سن کے بگڑنا کدھر گیا
ناراض ہونا، روٹھنا، لڑنا کدھر گیا

ڈالی: ـ

چاہت سے تھی جو دل کو عداوت وہ کیا ہوئی
مردوں سے تھی جو آپ کو نفرت وہ کیا ہوئی
مت پوچھ وہ غرور وہ غصہ کدھر گیا
وہ اک نشہ تھا آج جو سر سے اتر گیا

(سب کا مل کر گانا)

جاؤ سکھی پیا کو لے آؤ
شام کو میرے آنگن لاؤ
آج تورے من میں قلق ہیں نیارے
روز پیا کرتے ہیں مجھ سے جو لارے
غیر سے ملنا ملانا۔ جلانا
جاو سکھی.....

(فضیحتہ کا فقیر کے بھیس میں آنا)

فضیحتہ: مجھ سے سیانہ سو دیوانہ۔ واللہ وہ تدبیر سوجھی ہے کہ واہ بھئی واہ۔ رضیہ کو دھوکا دے کر جنگل میں لے جاتا ہوں۔ اور وہاں زبردستی اس کا صولت سے نکاح پڑھواتا ہوں۔ جب رضیہ نکاح میں آگئی تو پھر صولت کے پو بارہ ہیں۔ اور اس کا جو کچھ مال ہے وہ ہمارا ہے۔ پھر کیا ہے۔ پانچوں انگلی گھی میں اور سر کڑاھی میں۔ دھڑ چولھے میں اور میاں فضیحتہ عیش و خوشی کے جھولے میں۔ ارے کوئی آرہا ہے۔ بیٹا فضیحتہ پوری کرامات دکھاؤ۔ فقیر کا بھیس لیا ہے تو سچ مچ کے فقیر بن جاؤ۔ دم مدار۔ غم مدار۔ بائی کی خیر۔ مائی کی خیر۔ نوکر دائی کی خیر۔ بلاؤ چٹ۔ صفاؤ چٹ۔ الم چٹ۔ غم چٹ۔ تم چٹ۔ ہم چٹ۔

ڈالی: ارے او موے بندر۔ کیوں آیا ہے اس گھر کے اندر۔

فضیحتہ: دما دم مست مچھندر۔ شاہ قلندر۔ مال چکھندر۔ باہر اندر۔ پالے بندر۔ کھائے چقندر۔ انتر منتر۔ تنتر۔ جنتر۔ سات سمندر پار کرے۔ زر دار کرے۔ کنگالوں کو۔ بدحالوں کو۔ قوالوں کو۔ سر والوں کو۔ بے تالوں کو۔ ممبئی کے ناٹک والوں کو رشک دارا۔ فخر سکندر۔ دما دم مست مچھندر۔

ڈالی: ارے موے ڈفالی کے ڈھول۔ کچھ مطلب تو منھ سے بول۔

فضیحتہ: ہُرے بابا ہُرے۔ ایک پیسہ لوں گا اور سو گالی دوں گا۔ گالی بھی وہ گالی جو دنیا بھر سے نرالی۔ آدھی گوری آدھی کالی۔

بہار: لو بہن ڈالی۔ موے نفرے کو دو پیسہ اور کھاؤ گالی۔

فضیحتہ: ارے او ٹوٹی ہوئی ٹم ٹم۔ نہیں جانتی کہ کون ہیں ہم۔ ہمارے حکم سے ہوا میں جہاز چلتا ہے۔ سوئی کے ناکے سے اونٹ نکلتا ہے۔ ہماری بدعا سے آدمی پس کر میدا ہوتا ہے۔ ہماری کرامات سے

بانجھ عورت کے گھر میں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے پسینے سے چراغ جلتا ہے۔

ڈالی: تو کیا چلاتا ہے موا جھوٹ کی ریل۔ موے تیرا پسینہ ہے یا مٹی کا تیل۔

فضیحتہ: ارے چپ۔ کل کی لڑکی تو فقیروں کا رتبہ کیا جانے۔

ڈالی: جانتی کیوں نہیں۔ آج کی لڑکیاں پیدا ہوتے ہی سب کچھ جان لیتی ہیں۔

فضیحتہ: ٹھیک ہے بابا۔ بلکہ جاننے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔

(رضیہ کا دخل دینا)

رضیہ: یہ کیا شور مچا رکھا ہے۔

ڈالی: اے حضور۔ اس بے ڈھنگے، زمانے بھر کے لفنگے سے پوچھیے کہ تکیہ سمجھا تھا یا مندر جو بے دھڑک چلا آیا گھر کے اندر۔

فضیحتہ: بھول ہے۔ او خاک کی پتلی تیری آنکھوں میں غفلت کی دھول ہے۔

مٹی چن چن محل بنایا لوگ کہیں گھر میرا بابا
ناگھر تیرا نا گھر میرا چڑیا رین بسیرا بابا
اللہ کے بندے تیری نگری میں بولتا ہے کون؟

رضیہ: ذرا شک نہیں۔ پورا خدا رسیدہ ہے۔ بڑا کامل اور جہاں دیدہ ہے۔ حضرت سلامت آپ کا نام؟

فضیحتہ: بیٹا نام تو اللہ کا ہے۔ مگر اس مشت خاک کو چھپت سنگھ غائب غلّہ کہتے ہیں۔

ڈالی: ہیں۔ چھپت سنگھ غائب غلّہ۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر۔

فضیحتہ: یہ ہے تیری سمجھ کا پھیر۔

رضیہ: مگر آپ کی ذات ہندو ہے یا مسلمان؟

فضیحتہ: آدھا ہندو آدھا مسلمان۔ دن کو یہودی رات کو کرستان۔ آدھا مسان آدھا قبرستان۔

رضیہ: اور میاں مذہب؟

فضیحتہ: مذہب۔ مذہب رکابیہ۔

رضیہ: اچھا تو ذرا اس رکابیہ مذہب کے عقاید تو بیان کیجیے۔

فضیحتہ: سن۔ پہلا عقیدہ لا پلیٹ۔ دوسرا بھر پیٹ۔ تیسرا جلد سمیٹ۔ چوتھا نذر بھینٹ۔ پانچواں بن سیٹھ اور چھٹا آرام سے لیٹ۔

رضیہ: یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

فضیحتہ: بیٹا یہ بڑی دور کی باتیں ہیں۔ ابھی تیری سمجھ میں نہیں آنے کی۔

رضیہ: یا سائیں داتا۔ مجھ پر کرم فرمائیں۔ ایسی کوئی تدبیر بتائیں کہ میرا پیارا میرے قابو میں آجائے۔

فضیحتہ: اے لڑکی ہم جانتے ہیں۔ تجھے جس بات کا غم ہے۔ مگر یقین رکھ کہ اس کی میعاد بہت کم ہے۔ اس لیے جا اپنے اوڑھنے کی شال میں پانچ سو ریال اور تھوڑی سی ماش کی دال ڈال کر فقیروں کے سوال کے مطابق صدقہ نکال۔ پھر دیکھ کیا تماشہ ہوتا ہے۔

رضیہ: ابھی لائی سائیں داتا۔

(رضیہ کا جانا)

ڈالی: ذرا مجھ پر مہربانی فرمایئے۔ میرے شوہر کا حال بتایئے۔

فضیحتہ: افسوس بیٹا۔ تیرے شوہر نے تو ملک عدم کا ٹکٹ لے لیا۔

ڈالی: ہیں۔ وہ کیسے؟

فضیحتہ: وہ تقدیر کا ہیٹا۔ الو باپ کا جنتی بیٹا۔ کھاکر موٹر کار کا جھپیٹا۔ خاک کے بستر پر جا لیٹا۔

ڈالی: ہائے ہائے۔ میں مرگئی۔ میں برباد ہوگئی۔

(رضیہ کا آنا)

رضیہ: یا حضرت لیجیے یہ شال اور تمام مال و منال۔
فضیحتہ: جا بیٹا۔ اللہ تیرا بھلا کرے گا۔ ہمیشہ فقیروں کی خدمت کیا کرنا۔ آج رات کو نو بجے شاہ بولر کے مزار پر آنا اور جو تعویذ دوں اسے لے جانا۔
رضیہ: مگر میں تنہا کیسے آسکتی ہوں۔
فضیحتہ: اچھا تو دو سہیلیوں کے ساتھ آنا۔ جا اللہ تیرا بھلا کرے۔

(سب کا جانا)

اللہ تیرا بھلا کرے۔ اللہ تیرا ستیاناس کرے۔ آہاہاہا۔ اس میں تو سب ستارے ہی ستارے بھرے ہیں۔ مکان بناؤں تو آسماں سے اونچا بنے۔ عیش پر آؤں تو برسوں گاڑھی چھنے۔ چلو مزے ہی مزے ہیں۔

باب دوسرا ــــــــ سین آٹھواں

جنگل

(سب پجاریوں کا آنا اور بھجن گانا)

آؤ دلبر پیارا جی۔ میں تورے بلہاریاں
مدوا پیو مورے پیارے جی
میں تورے بلہاریاں
آؤ پیارے نین میں موند پلک تو ہے لوں
ناہیں دیکھوں اور کو نہ تو ہے دیکھن دوں
آؤ دلبر پیارا.....

پجاری ا: آؤ یارو۔ یہاں سب بیٹھ جاؤ اور کسی کنچنی کو بلاؤ۔ اس سے گانا سنیں۔

(طوائف کا مع سازو سامان کے داخل ہونا اور گانا)

مزا تھا کس غضب کا، دیکھنا جور ستم گر میں
شہید ناز کو نیند آگئی آغوش خنجر میں
نگاہیں ملتے ہی غش آگیا مشتاق جاناں کو
خدا جانے بھرا کیا تھا فسوں چشم فسوں گر میں
جگہ دی ان بتوں کو ہم نے اپنے خانۂ دل میں
بنایا ہم نے بت خانہ خلیل اللہ کے گھر میں
کبھی والشمس پڑھتے ہیں کبھی واللیل یٰسیں کو

ہوئے ہیں حافظِ قرآں خیال روئے دل بر میں
ہوا کیا، ہے اگر غیروں پہ یہ لطف و کرم تیرا
تجھے لینا ہے بالآخر، تو ہے میرے مقدر میں

(رادھو کا آنا)

رادھو: بھائیو۔ ایک بہت بڑا بکرا ہاتھ آیا ہے۔ چلو اس کو دیوی ماتا کی بھینٹ چڑھائیں۔

سب: چلو چلو۔ جے دیوی کی۔

باب دوسرا ——— سین نواں

پہاڑی مندر

(پجاریوں کا فضیحتہ کو پکڑ کر لانا)

فضیحتہ: دنیا میں بھلائی کا بدلہ برائی ہے۔ نیکی بڑی منحوس کارروائی ہے۔ میں نے رضیہ اور صولت کو ملایا تو میرے حصے میں خوشی کے بدلے غم آیا۔ راستے میں جاتے جاتے بھیڑیے لپٹ گئے۔ مجھ فرشتۂ رحمت کو یہ لعنتی بھوت چمٹ گئے۔ اب خدا جانے جہنم میں ڈالیں گے۔ یا خود ہی کھالیں گے۔ بھائیو تم لوگ کون ہو۔

پجاری ۲: بات کے سچے۔

پجاری ۳: قول کے پکے۔

فضیحتہ: گدھے کے بچے۔

پجاری ۴: آزادی کے عاشق زار۔

فضیحتہ: تیرا کیا نام ہے باوا شیریں گفتار۔

پجاری ۴: ٹھاکر داس۔

فضیحتہ: اچھا باوا ٹھاکر داس۔ تیرا ستیا ناس۔

پجاری ۵: تمھارا نام۔

فضیحتہ: میرا نام خبط الحواس۔

پجاری ۵: باپ کا؟

فضیحتہ: ال ناس بن الماس بن خناس۔

پجاری ۵: ملک؟
فضیحتہ: مدراس۔
پجاری ۵: بال بچے؟
فضیحتہ: انچاس۔
پجاری ۵: یعنی؟
فضیحتہ: ایک کم پچاس۔
پجاری ۱: باپ رے اس کی جورو ہے یا بچوں والی مرغی۔
پجاری ۳: اچھا جاؤ۔ گوپال گھوش کو بلاؤ۔ اور وہ جب تک آئے گاؤ بجاؤ۔ دیوی کو رجھاؤ۔

(فضیحتہ کو پھول کے ہار اور تلک وغیرہ لگا کر دیوی کی پوجا کرنا)

فضیحتہ: بیٹا فضیحتہ۔ تیری شادی ہوئی تھی۔ جب بھی اتنی دھوم نہیں مچی ہوگی۔

(سب کا گانا)

دیوی آج پوجن کاج ہاں ملے تورے انگن
ہیں من میں مگن۔ بجے ناچن
گائن تورے سب مل داس
چرن کے پاس۔ پورن کر آس
میری ماتا باجے ٹکا ہیں ڈنکا
اے مات۔ ہر آن سونا روپا موتی مونگا
لاتے پوجا کو تیری مندر یا جان

سب: جے دیوی کی۔ جے دیوی کی

(گوپال گھوش کا آنا)

فضیحتہ: ارے باپ رے۔ یہ آدمی ہے یا دیو کا بچہ۔
پجاری ۳: جے جے ہنومان۔ استھان کے کھمبے۔
فضیحتہ: ہے ہے۔ ملک عدم کی ریل کے پہیے۔
پجاری۵: جے جے۔ ماتا جی کے سانڈ۔
فضیحتہ: ہے ہے۔ بھیروں جی کے بھانڈ۔
پجاری۶: جے جے کال مہا سکھ دائی۔
فضیحتہ: بیٹا فضیحتے اجل اب آئی۔
گوپال گھوش: چلو داتے آگے بڑھو۔
فضیحتہ: ہاں ہاں۔ چلو تمھارے باپ کا مال ہے۔ لے چلو۔

(گرو کا آنا)

گرو: شمبھو۔ شمبھو۔
سب: نمسکار۔
گرو: جیتے رہو بچہ۔ جیتے رہو۔ یہ کیا ہورہا ہے۔
فضیحتہ: ہو کیا رہا ہے۔ ہماری شادی ہے۔ براتیوں کو کھانا نہیں ملا تو ہمیں کو کھانے کی فکر میں ہیں۔
پجاری۲: دیوی کو بھینٹ دے رہے ہیں۔
گرو: نہیں بابا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ انسان کی قربانی کا حکم دیوی نے نہیں دیا ہے۔
فضیحتہ: یہ خدا پرست بھیڑیا ٹھیک کہتا ہے۔
پجاری۳: لیکن بھینٹ کا حکم تو دیوی ہی نے دیا ہے۔
فضیحتہ: تیرے باپ کے پاس سنہری حرفوں میں لکھا ہوا پروانہ آیا ہوگا۔

مردود کہیں کا۔

پجاری ۷: چپ رہو۔ نہیں تو مار ڈالیں گے۔

فضیحت: ارے یہ تو پہلے ہی فیصلہ ہوچکا ہے۔

گرو: بیٹا تیرا نام۔

فضیحت: شیخ فضیحت۔

گرو: باپ کا۔

فضیحت: مرزا مسیتا۔

گرو: دادا کا؟

فضیحت: مرزا مجیدا۔

گرو: ٹھکانہ؟

فضیحت: کبھی جیل۔ کبھی پاگل خانہ۔

گرو: اچھا بابا۔ تم ہماری نہیں سنتے تو ہم تم پر لعنت کرکے جاتے ہیں۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ ماتا جی کے کوپ سے ناش ہو جاؤ گے..... شمبھو۔

فضیحت: باوا۔ مجھے کہاں چھوڑ چلے۔

گرو: دیوی ماتا۔ یہ لوگ تو نہیں مانتے۔ اب تم ہی اس کی رکشا کرو۔

فضیحت: کیوں باوا۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟

پجاری ۳: تمھارے لئے وہی حکم ہے۔

فضیحت: تو ہم کو چھوڑ دو۔

پجاری ۳: چھوڑ دیں۔ موت کے دریا میں نہ چھوڑ دیں۔

فضیحت: نہیں بھائی۔ مجھ کو تو زندگی کے پل پر ہی کھڑا رہنے دو۔

سب: ارے بھاگو۔ بھاگو۔ پہاڑ پھٹ گیا اور آگ لگ گئی۔

(پہاڑ کا پھٹنا اور سب کا بھاگنا)

ـڈراپ۔

باب تیسرا ـــــــــــ سین پہلا

جنگل

(فیروز کا مع سپاہیوں کے آنا)

سپاہی: بہادر سردار۔ میں نے اپنے ایک جاسوس سے سنا ہے کہ فضیحتہ رضیہ کو بہکا کر جنگل میں لایا ہے اور صولت کے ساتھ اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ اس کی مدد کو نہ جائیں گے تو بے چاری رضیہ ضرور قتل کی جائے گی۔

فیروز: اچھا جاؤ اور فوراً فضیحتہ کو گرفتار کرکے لاؤ۔ صولت سے میں خود سمجھ لوں گا۔

(فیروز اور سپاہی کا جانا اور صولت اور رضیہ کا آنا)

صولت: رضیہ ادھر دیکھ۔ اس جگہ کو دیکھ۔ اس وقت کو دیکھ۔ یہ ایک میدان ہے۔

رضیہ: ہاں۔

صولت: اور بالکل سنسان ہے۔

رضیہ: ہاں۔

صولت: رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔

رضیہ: ٹھیک ہے۔

صولت: قدرت کے سوا تمام دنیا مرچکی ہے۔
رضیہ: ٹھیک ہے۔
صولت: تم عورت ہو۔
رضیہ: سچ ہے۔
صولت: اور تنہا ہو۔
رضیہ: یہ بھی سچ ہے۔
صولت: اگر کسی کے ہاتھ میں خنجر آب دار ہو۔
رضیہ: یا اللہ۔
صولت: اور وہ تمھارا خون کرنے کو تیار ہو۔
رضیہ: او خدا۔
صولت: چپ۔ سنو ایسی جگہ۔ ایسا وقت اور ایسا واقعہ رو بہ کار ہو۔ اور تم اپنی حفاظت کرنے سے لاچار ہو تو خنجر کے ایک ہی وار میں رگوں سے روح باہر نکال دی جائے گی اور لاش جنگلی جانوروں کی غذا بننے کے لیے کسی بدبودار گڑھے میں کھینچ کر ڈال دی جائے گی۔
رضیہ: بس کرو۔ بس کرو۔ تمھاری باتوں سے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔
صولت: بے شک تم خوف کی حالت میں ہو۔
رضیہ: تو مجھے اس خوف ناک حالت سے نکالو۔ بھائی ہو۔ رحم کرو۔ بچالو۔
صولت: ایک ذریعہ ہے۔ ایک شرط ہے۔
رضیہ: بولو۔ کہو۔ اظہار کرو۔
صولت: وہ شرط یہ ہے کہ تم مجھے پیار کرو۔
رضیہ: میں اس شرط کو نبھاؤں گی۔ خدا کی قسم میں تمھیں چاہتی ہوں۔ اور آج سے زیادہ چاہوں گی۔
صولت: مگر کیسے؟
رضیہ: ایک بہن اپنے بھائی کو چاہتی ہے ویسے۔

صولت: چپ رہو۔ چپ رہو۔ میں ایسے چاہنے کو نہیں چاہتا۔ اپنی حالت سے خبردار ہو۔ اس جگہ سے بیزار ہو۔ آزادی کا پیار ہو۔ تو ایک بیوی کی طرح محبت کرنے کو تیار ہو۔

رضیہ: یا اللہ۔ تم کیا چاہتے ہو۔ میری عصمت کی بربادی۔

صولت: نہیں عزت۔ محبت۔ شادی۔

رضیہ: دور ہو۔ دور ہو۔ چھوڑ دو جانے دو۔ جس ظالم کا ہاتھ اپنے باپ کے خون سے رنگین ہے اس سے شادی کرنا محبت کی بے عزتی اور نکاح کی توہین ہے۔

صولت: رضیہ اب ضدیں بے سود ہیں۔ گواہ اور قاضی اس درخت کے پاس موجود ہیں۔ اگر انکار ہوگا تو یہ خنجر جگر کے پار ہوگا۔ یہی میدان تیرا مزار ہوگا۔ مرگئی تو کوئی اس جا رونے والا بھی نہیں۔

رضیہ: موت برحق ہے۔ مگر منھ کا نوالہ بھی نہیں۔

صولت: زندگی اور موت میں اب فاصلہ دو ہاتھ ہے۔

رضیہ: چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے۔

صولت: یاد رکھ ہوں ثانی ضحاک ظلم و جبر میں۔

رضیہ: جبر کا اپنے نتیجہ پائے گا تو قبر میں۔

صولت: دیکھ تو اس وقت ہے اپنی قضا کے سامنے۔

رضیہ: ظلم کا انصاف ہوگا اس خدا کے سامنے۔

صولت: مٹا دوں گا تجھے تو کیا ہے تیری ضد پرستی کیا۔

رضیہ: خدا چاہے تو یوں اڑجائے تو کیا تیری ہستی کیا۔

صولت: مری سن مان گر دنیا میں کچھ دن اور جینا ہے۔

رضیہ: کرے جو مرد ہوکر ظلم عورت پر کمینہ ہے۔

صولت: بس چپ مردار نابکار۔ ذلیل و خوار۔ اگر شادی سے انکار ہے تو اس دنیا میں تیرا رہنا بیکار ہے۔

رضیہ: او خدا۔ او خدا۔

صولت: ہو چکا نالہ و فریاد جھکا سر اپنا۔

(فیروز کا آنا)

فیروز: بس وہیں روک قدم۔ پھینک دے خنجر اپنا۔

صولت:

کوئی شداد کا ہمزاد کہ فرعون ہے تو
لقمۂ شیرِ قضا جلد بتا کون ہے تو

فیروز:

میں وہ ہوں فیل مست کو جو گوشمال دے
میں وہ ہوں جو کہ شیر کی آنکھیں نکال دے
میں وہ ہوں جو زمیں کو فلک پر اچھال دے
میں وہ ہوں جو پہاڑ کو ٹھوکر سے ٹال دے
دوزخ کا زلزلہ ہوں عذابِ خدا ہوں میں
تیرے لیے بلا ہوں، سزا ہوں، قضا ہوں میں

صولت: جاجا۔ بد اطوار۔ بد شعار۔ خدائی خوار۔ کیا دنیا سے بیزار ہے۔ موت سر پر سوار ہے۔ جو میرے مقابلے کو تیار ہے۔ ؎

سامنے اک اژدر خونخوار کے ہو سوچ کر
موت کا ہوں دانت کھا جاؤں گا تجھ کو نوچ کر
ٹھوکریں کھاتا پھرے گا سر خس و خاشاک میں
چل گیا گر ہاتھ تو یہ جسم ہوگا خاک میں

فیروز: بس بس۔ بند کر چرب زبانی۔ لسانی۔ رجز خوانی۔ کیا نہیں جانتا کہ یہ تیغ اصفہانی۔ دشمنِ زندگانی کرتی ہے دم میں فانی۔ ؎

تجھ جیسے ہزاروں کو پچھاڑا ہے قضا نے
لوہے کے لیے آگ بنائی ہے خدا نے

وہ دم میں فنا کرتا ہے مغرور بشر کو
مچھر نے کچل ڈالا تھا نمرود کے سر کو

صولت: جاں باختہ۔ تجھے اس عورت کی مدد سے کیا سروکار ہے۔ کیا تو اس کا دوست یا رشتہ دار ہے۔

فیروز: بے شک ہوں۔ چونکہ یہ دنیا خدا نے ایک ہی آدم سے پیدا فرمائی ہے۔ اس لیے ہر ایک آدمی ایک دوسرے کا بھائی ہے۔

صولت: تو مجھے بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔

فیروز: اور تو مجھے نامرد معلوم ہوتا ہے۔

صولت: اگر تو عقل مند ہوتا تو دوسرے کی آگ میں کودنا ضرور تجھے ناپسند ہوتا۔

فیروز: اور اگر تو بہادر اور جرار ہوتا تو مرد ہوکر ایک عورت کو ستانے کے لیے کبھی نہ تیار ہوتا۔

صولت:۔

بد سیر بس اب بند تقریر ملامت بار کر
بڑھ ادھر، تلوار کھینچ آ وار روک اور وار کر

(دونوں کا لڑنا اور صولت کا گرجانا)

فیروز:۔

بول او مغرور اب وہ رجز خوانی کیا ہوئی
دھمکیاں، غصہ، جوانی، پہلوانی کیا ہوئی
چاک کردوں دل جگر......

رضیہ:۔ بس رحم اے سردار رحم۔

فیروز:۔ کاٹ لوں ناپاک سر.....

رضیہ:۔ بس رحم اے سردار رحم۔

باب تیسرا ———— سین دوسرا

راستہ

فضیحتہ: شکر ہے الٰہی۔ بھیڑیوں کے پنجے سے رہائی پائی۔ آج تک میں نے جو نیکی کی تھی وہ اس وقت کام آئی۔ لاحول ولا۔ان گدھوں نے مجھے کوئی صدقے کا بکرا جان لیا تھا جو حلال کرنے کا ارادہ کیا۔ خیر ہوئی کہ موقع پر قدرت نے ڈانٹا۔ زلزلے نے خبیثوں کو دھر گانٹھا۔ ورنہ اس زور سے پڑتا چانٹا کہ سر ہوجاتا آنٹا۔ میاں صولت روتے ہوتے اور میاں فضیحتہ قبر کی مسہری پر پاؤں پھیلائے سوتے ہوتے۔ ؎

سوئی موت، نصیبہ جاگا
سر پر رکھ کر پاؤں میں بھاگا
گرتے پڑتے اس جا آئے
جان بچی اور لاکھوں پائے

(جمعدار کا آنا)

جمعدار: خبردار۔ او مکار۔

فضیحتہ: ابے تو کون ہے نابکار۔ اگر سلامتی درکار ہو تو یہاں سے فرار ہو۔

جمعدار: اور تجھے زندگی درکار ہو تو ہمارا تابع دار ہو۔

فضیحت: زبان سنبھال۔ موت کے منہ میں ہاتھ نہ ڈال۔

جمعدار: ورنہ کیا ہوگا؟

فضیحت: ورنہ ابھی موت کی ٹرین میں قبرستان کے صدر اسٹیشن پر بھیج دیا جائے گا۔

جمعدار: میں جانتا ہوں کہ خیال کے انجن میں غرور کی اسٹیم کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے۔ جو زبان کی ریل آدمیت کی پٹری سے اتر گئی ہے۔

فضیحت: جاجا بھائی۔ مقابلے کے پلیٹ فارم سے ہٹ جا اور موت اور حیات کے جنکشن سے سرک جا۔ نہیں تو بقا کی لین سے فنا کی لین پر بھیج دیا جائے گا۔

جمعدار: زبان تو شیخیوں کا دھواں اڑاتی ہے۔ مگر آنکھوں کی سرخ لالٹین دہشت کا سگنل دکھاتی ہے۔

فضیحت: جا بھئی جا۔ خاکساری کے ویٹنگ روم میں جاکر سوجا۔

جمعدار: بس زبان کی ڈاک گاڑی کو ٹھہرا۔

فضیحت: ابے او خدائی گنج کے پاسنجر کیا موت کا ٹکٹ لے لیا ہے۔

جمعدار: میں نے لائن کلیر دیا۔ اور تونے جان لیا۔

(جمعدار کا سیٹی بجانا۔ دو سپاہیوں کا آکر فضیحت کو گرفتار کرلینا)

فضیحت: ۔

کہاں سے آئی یہ فوج جرار الٰہی توبہ الٰہی توبہ
ہوے جو موقعے پہ ہم گرفتار الٰہی توبہ الٰہی توبہ

جمعدار: ۔

بھلائے سب تونے قول واقرار، الٰہی توبہ الٰہی توبہ
بڑا ہی فتنہ، بڑا ہی مکار، الٰہی توبہ الٰہی توبہ

فضیحت: ۔

میاں فضیحتے ہوئے گرفتار الٰہی توبہ الٰہی توبہ
ہزار لعنت ہزار پھٹکار، الٰہی توبہ الٰہی توبہ

(فضیحتہ کا پکڑ کر لے جانا)

باب تیسرا ——— سین تیسرا

رضیہ کا محل

(رضیہ کا اندر سے آنا)

رضیہ: چاند چاند۔دیکھ میرے سورج کی سواری آتی ہے۔

(رضیہ کا اندر چلے جانا۔ بعد میں فیروز کا آنا)

فیروز: بس بس ڈینگیں رہنے دو ؎

اسی کے حسن دل کش کی بدولت دل ربا ہے تو
وگر نہ گھاس ہے یا پتیاں، بس اور کیا ہے تو
چمن میں بلبلوں کے سامنے شرماؤں گا تجھ کو
میں آج ان پیارے ہاتھوں سے سزا دلواؤں گا تجھ کو

(رضیہ کا دوبارہ آنا)

رضیہ: جناب آپ یہاں ہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ مطالعہ فرما رہے ہوں گے یا باغ میں پھولوں سے دل بہلا رہے ہوں گے۔

فیروز: ہاں پیاری رضیہ۔ میں ابھی باغ ہی سے آیا ہوں۔ اور ایک زبردست چور گرفتار کر کے ساتھ لایا ہوں۔

رضیہ: چور؟

فیروز: جی۔

رضیہ: کہاں ہے؟

فیروز: یہ ہے۔

رضیہ: یہ پھول؟

فیروز: جی ہاں نامعقول۔

رضیہ: خوب۔ تو اس نے کیا چیز چرائی۔

فیروز: تمھاری رعنائی۔ تمھاری دل ربائی۔ تمھاری خوش ادائی۔ یہ بہار اس حسن کی ہے۔ یہ ہنسی ان ہونٹوں کی ہے۔ یہ رنگت ان گالوں کی ہے۔ یہ خوشبو ان بالوں کی ہے۔

قید کا، قتل کا، پھانسی کا سزاوار ہے یہ
حسن کا چور ہے، مجرم ہے، گنہ گار ہے یہ

رضیہ: بخش دیجیے۔ میری نظر میں تو غریب کا کوئی قصور نہیں اور اگر ہو بھی تو سزا دینا میرا دستور نہیں۔

فیروز: اگر آپ سزا دینا نہیں چاہتیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ اس چور کی ہمت بڑھاتی ہیں اور دوسروں کو چوری کرنا سکھاتی ہیں۔

رضیہ: ماشااللہ۔ آپ تو بالکل وکیلوں کی طرح بحث کرتے ہیں۔

فیروز: وکیل کیسا۔ میں تو آج کل عشق کے ہائی کورٹ کا بیرسٹر ہو رہا ہوں۔

رضیہ: تو بیرسٹر صاحب۔ میں بہ حیثیت ایک جج کے آپ کا کیس ڈسمس کرتی ہوں۔

فیروز: نہیں جناب جج صاحب۔ آپ مہربانی فرماکر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔

رضیہ: اجی جناب۔ اگر میں اپنے مجرموں کا فیصلہ ہمیشہ مطابق انصاف کرتی تو آپ کو جو سب سے بڑے مجرم ہیں، کیوں معاف کرتی۔

فیروز: تو کیا میں نے بھی کوئی قصور کیا ہے؟

رضیہ: ہاں۔ ضرور کیا ہے۔

فیروز: میری کیا خطا پائی۔

رضیہ: جو اس پھول سے عمل میں آئی۔

فیروز: اس نے تو چوری کی ہے۔

رضیہ: تو آپ نے سینہ زوری کی ہے۔

دونوں میرے مجرم ہیں دونوں کا ایک قرینہ ہے
اس نے رنگت لوٹی ہے تو حضرت نے دل چھینا ہے

فیروز:

اس تہمت کو ہٹ دھرمی اور سینہ زوری کہتے ہیں
دل کو دے کر دل لینا کیا اس کو چوری کہتے ہیں

رضیہ:

کیسا دل کا لینا دینا منھ کی سب طراری ہے
آپ کوئی سوداگر ہیں یا بندی کوئی بیوپاری ہے

فیروز: پیاری رضیہ۔ ہم دونوں کے بیوپاری ہونے میں شک ہی کیا ہے۔ جس روز قاضی شادی کے اقرار نامے پر ہم دونوں سے دستخط کرائے گا۔ اس روز رضیہ فیروز کے ہاتھ اور فیروز رضیہ کے ہاتھ ہمیشہ کے لیے بک جائے گا۔

(دونوں کا مل کر گانا)

پھولے شفق تو زرد ہو گالوں کے سامنے
پانی بھرے گھٹا تیرے بالوں کے سامنے
پیروا کرتیجے اٹھے مورے پیر
تم بن ناہیں پڑے موہے دھیر
بانکا۔ سانوریا مورا

پیروا۔ جیسے دو دھاری کٹار مارے۔ ارے رام
پلکوں کی کمان تک
بان ظلمی کرتے
ہاں پیروا.....

(دونوں کا جانا)

باب تیسرا ——— سین چوتھا

جیل خانہ

(صولت کا حسنیٰ کی تصویر سے باتیں کرنا۔ حسنیٰ کا مردانہ لباس میں موجود ہونا)

صولت: تو کہتی ہے کہ میں حسنیٰ ہوں۔ میری آنکھیں بھی کہتی ہیں کہ تو حسنیٰ ہے۔ مگر حسنیٰ کے دل میں محبت ہونٹوں پر تسلی، آنکھوں میں مہربانی پائی جاتی تھی۔ حسنیٰ تو مجھے غمگین دیکھ کر گھنٹوں آنسو بہایا کرتی تھی۔ مگر تو تو میری طرف سے بالکل بے پروا ہو۔ تیرے پاس نہ میرے لیے افسوس ہے۔ نہ تسکین ہے، نہ ہمدردی کے آنسو ہیں۔ دور ہو اے سرد اور خاموش شے دور ہو۔ تو حسنیٰ نہیں۔ میری قسمت کی برائی ہے۔ جو اس کی شکل بنا کر میری ذلت کا تماشہ دیکھنے آئی ہے۔

حسنیٰ: افسوس۔ میری طرح میری تصویر بھی بد نصیب ہے۔ غریب تصویر کیوں نہیں اس کے سلوک کی شکایت کرتی ہے۔ کیا میری طرح تو بھی اس سے محبت کرتی ہے۔

صولت: کدھر گئی۔ کہاں گئی۔ تو نے دیکھا وہ کہاں گئی۔

حسنیٰ: کون؟

صولت: حسنیٰ۔ میری حسنیٰ پیاری۔ (تصویر اٹھا کر) یہ ہے۔ ہاں ہاں تو حسنیٰ ہے۔ وہی رحم اور محبت والی حسنیٰ ہے۔ تو ضرور زخمی دل پر تسلی کا مرہم لگاتی۔ تو ضرور میری مصیبت پر آنسو بہاتی۔ مگر تیرے چپ

رہنے کا سبب یہ ہے کہ میری مصیبت دیکھ کر تیرے ہوش و حواس کھوگئے ہیں۔ تیرے نہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ افسوس کے شعلوں سے تیری آنکھ کے تمام آنسو خشک ہوگئے ہیں۔ بول۔ بول۔ میں اپنے ملعون ہاتھ کو جس نے تیرے ساتھ ایسی بے ادبی کی، کون سی سزا دوں۔ کاٹ دوں۔توڑ دوں۔ پیس دوں۔ جلا دوں.....اِدھر آ۔

حسنیٰ: ارشاد۔

صولت: یہ کیا ہے؟

حسنیٰ: تصویر۔

صولت: کس کی؟

حسنیٰ: عورت کی۔

صولت: جھوٹ ہے۔

حسنیٰ: کیوں؟

صولت: جھوٹ ہے۔

حسنیٰ: وجہ؟

صولت: جھوٹ ہے۔

حسنیٰ: حضور۔

صولت: بے شعور۔ عورت کیا ایسی فرماں بردار ہوتی ہے۔ عورت کیا ایسی وفاشعار ہوتی ہے۔ عورت تو لالچی، عیش دوست، غرض پرست اور بدکار ہوتی ہے۔ یہ عورت نہیں فرشتہ ہے۔ حور ہے۔ نور ہے۔ یہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ سچی محبت۔ وہ محبت جس کے لیے زمانہ ترستا ہے۔ وہ محبت جس کے پاجانے کے بعد انسان بہشت کو ہیچ سمجھتا ہے۔

حسنیٰ: میں نے سنا ہے۔ اس سے زیادہ آپ کو عباسی محبت کرتی تھی۔

صولت: عباسی، میری زندگی کو تاریک بنانے والا سایہ، شیطان کی اکلوتی بیٹی، دنیا کی بدترین مخلوق۔ او خدا تیرے پاس جتنی طاقتیں ہیں، اس کی

روح سے انتقام لینے میں صرف کردے۔

حسنیٰ: نہیں جناب۔ وہ مرچکی ہے۔ اب یوں کہیے کہ خدا اسے معاف کردے۔

صولت: معاف کردے۔ بخش دے۔ جا دور ہو۔ نکل جا۔ شیطان کے لیے معافی چاہتا ہے۔ لعنت کے لیے رحم مانگتا ہے۔ جاجا۔ مجھے اب کبھی منھ نہ دکھانا۔ جب میں کنگال حالت میں اپنی قسمت پر ماتم کرتا ہوا مرجاؤں تو میری قبر پر ٹھوکر مارنے آنا۔

حسنیٰ: میں چلا جاؤں۔ کیا آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟

صولت: اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو عباسی کے ذکر اور اس کے خیال پر خاک ڈال دے۔ عباسی کی ہمدردی تیرے جسم کے جس حصے میں چھپی ہے۔ اسے وہاں سے کھینچ کر باہر نکال دے۔ اس وقت میں البتہ تجھے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ دوست سمجھوں گا۔ پیار کروں گا۔ ہاں بول۔ اس کی ہمدردی کہاں ہے؟ روح میں؟ جسم میں؟ روح میں ہوگی تو میں اسے ناس کرکے جسم کو چاہوں گا اور جسم میں ہوگی تو میں اسے فنا کرکے روح کو چاہوں گا۔ دونوں میں ہے تو دونوں کو فی النار کروں گا۔ دونوں میں نہیں تو دونوں کو پیار کروں گا.....میں تجھے بہت پریشان کرتا ہوں؟

حسنیٰ: خدا آپ کو خوش رکھے ذرا بھی نہیں۔

صولت: نہیں۔ میں تجھے پریشان کرتا ہوں۔ معاف کر تو فرشتہ ہے کیونکہ ایک ناشکرے انسان کے لیے چار روز سے برابر تکلیفیں اٹھا رہا ہے۔

حسنیٰ: ذرا نہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

صولت: خوشی۔ خوشی۔ اس بے معنی لفظ کو میری قبر کے پتھر پر کھودنے کے لیے رکھ چھوڑ۔ خوشی میرے لیے پیدا ہی نہیں ہوئی۔ آہ کچھ روز پیشتر تھوڑی سی خوشی ہاتھ آئی تھی۔ وہ خوشی میری تقدیر دوسروں

کی تقدیر سے بھیک مانگ لائی تھی۔ آہ حسنٰی۔ حسنٰی تو کہاں ہے؟

حسنٰی: آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کریم و رحیم ہے پھر بھی اس قدر مایوس ہورہے ہیں۔

صولت: اِس دنیا میں مایوسی اور اُس دنیا میں ابدی تاریکی کے سوا میرے لیے کیا رہ گیا ہے۔ خون، ظلم، ڈاکہ، چوری، زنا۔ یہ سب گناہ ہیں اور ان سب کے لیے معافی ہے۔ مگر میں نے وہ گناہ کیا ہے جو سب سے بڑا گناہ ہے تجھے معلوم ہے کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟

حسنٰی: وقت کو برائی میں گنوانا؟

صولت: نہیں۔

حسنٰی: والدین کو ستانا؟

صولت: نہیں۔

حسنٰی: خدا کو بھول جانا؟

صولت: نہیں۔

حسنٰی: غریب کو ستانا؟

صولت: ہاں۔ غریب کا دل دکھانا۔ دوست بن کر دوست کے گلے پر چھری چلانا۔ ؎

لعنت فرشتے کرتے ہیں وہ ظلم ڈھایا ہے
حسنٰی تھی دوست، دوست کو میں نے ستایا ہے

حسنٰی: اچھا۔ اگر خدا کی قدرت سے حسنٰی دوبارہ زندہ ہوجائے اور آپ کو معافی دینے کو یہاں آئے تو آپ اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟

صولت: میں کیا کروں گا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں کیا کروں گا۔ ؎

قربان ہوں گا ہر دم اس باوفا صنم پر
آنکھیں بچھاؤں گا میں اس کے قدم قدم پر

یہ جان صدقے ہوگی یہ دل فدا کروں گا
جتنی جفائیں کی ہیں اتنی وفا کروں گا

حسنیٰ:۔

اے آسمان سن لے تارو گواہ رہنا
وعدے پہ اپنے قائم اے رشکِ ماہ رہنا

(حسنیٰ کا ظاہر ہونا)

صولت: یا خدا یہ کیا۔ زندہ حسنیٰ۔

حسنیٰ: نہیں نہیں پریشانی کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھ لو وہی سج دھج، وہی صورت، نہ گھبراؤ۔ نہ گھبراؤ۔ آؤ آؤ۔ میرے پاس آؤ۔

صولت: حسنیٰ۔ ۔

مجرم ہوں، پُرگناہ ہوں، تقصیروار ہوں
مستوجب سزا ہوں سزاوار دار ہوں
لیکن تو نیک دل ہے سخی ہے کریم ہے
کردے مجھے معاف کہ اب شرم سار ہوں

حسنیٰ: نہیں نہیں۔ ۔

خوش قسمتی یہ ہے کہ تمھیں اب عزیز ہوں
آقا ہو تم مرے میں تمھاری کنیز ہوں

باب تیسرا ——— سین پانچواں

قید خانہ (۲)

فضیحتہ:

کشتی مسکیں فضیحتہ در بھنور افتادہ است
ڈبکوں ڈبکوں می کند اے از توجہ پار کن

واہ رے تقدیر تیری بھی قسم کھانی چاہیے۔ دیبی ماتا کے بھوگ سے خدا خدا کرکے بچے تو جیل خانے کے مضبوط کابک میں پھنسے۔ ڈاکوؤں سے خدا نے بچایا تو جاسوسوں نے دھر دبایا۔ اور اس مصیبت میں لا پھنسایا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ کو یہاں کیوں پکڑ لائے ہیں۔ میری مومیائی نکالیں گے یا مجھے کچا ہی کھالیں گے۔ یا باری تعالیٰ یہ تو وہی ایک دو تین والا۔

(فیروز کا آنا)

فیروز: کم بخت نے کیا بھگل بھرا ہے۔ پورا بہروپیہ ہے۔ کیوں سائیں داتا۔

فضیحتہ: میں اس کا جواب ہی نہ دوں گا۔ گونگا بن جاؤں گا۔

فیروز: کیوں سائیں داتا۔ کچھ اونچا سنتے ہو؟

فضیحتہ: آں۔ آں۔ آں۔

فیروز: تم کو سنائی نہیں دیتا؟

فضیحۃ: آں۔ آں۔ آں۔
فیروز: افسوس بیچارہ گونگا ہے۔
فضیحۃ: آں۔ آں۔ آں۔
فیروز: آپ کو یہ مرض کب سے ہوا؟
فضیحۃ: (سائڈ میں) تیرے آتے ہی۔
فیروز: خدا جانے بے چارے کی زبان کب کھلے گی؟
فضیحۃ: (سائڈ میں) ارے تو ابھی دفع ہوجائے تو دکھ فورا رفع ہوجائے۔
فیروز: تو تم کو بہت تکلیف ہوتی ہوگی؟
فضیحۃ: آں۔ آں۔ آں۔
فیروز: تو میں تم کو اس تکلیف سے نکالوں۔ دکھ سے بچالوں؟
فضیحۃ: (سائڈ میں) بڑی مہربانی۔ (سامنے) آں۔
فیروز: چلو تم سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔ ایک موکل میرے تابع ہے۔ منتر پڑھ کر تمھارے مرض پر چھوڑتا ہوں۔ ایک۔ دو۔ تین۔
فضیحۃ: (سائڈ میں) یا رب العالمین۔ اس نے تو پھر نکالی وہی ایک دو تین والی مشین۔
فیروز: یا پیرم خیر۔ فقیرم خیر۔ حضرت شاہ قدیرم خیر۔ میر کبیر شریرم خیر۔ ایک دو تین فیرم فیر۔

(پستول کا فائر کرنا)

فضیحۃ: باپ رے مار ڈالا۔
فیروز: کیوں کیا ہوا؟
فضیحۃ: ہونا کیا تھا۔ اچھا ہوگیا۔
فیروز: ارے تو تو گونگا تھا۔
فضیحۃ: مگر اب بولنے لگ گیا۔

فیروز: یہ کیوں کر؟

فصیحہ: اس دکھ بھنجن کو دیکھ کر۔

فیروز: ہاں۔ دیکھی اس چیز کی کرامات۔ کتنی جلدی کرنے لگے بات۔ کیوں سائیں داتا۔ اب تو بالکل اچھے ہوگئے؟

فصیحہ: (سائڈ میں) یہ شیطان مجھے ضرور جان گیا ہے۔ (سامنے) دیکھیے سرکار میں کوئی فقیر وقیر نہیں ہوں۔ میں تو وہی تمھارا ایک دو تین والا فصیحہ ہوں۔

فیروز: کون فصیحہ۔ ارے واہ تجھے تو روپ بھرنا خوب یاد ہے۔

فصیحہ: سب ہنر یاد ہیں۔ مگر آپ تو ہمارے بھی استاد ہیں۔ بس صاحب مجھے تو یہاں سے جانے دو۔

فیروز: اچھا ضرور۔ لیکن پیدل نہیں سوار۔

فصیحہ: تو کیا آپ میرے لیے پالکی منگائیں گے۔

فیروز: بے شک۔ چار کے کندھوں پر اٹھوائیں گے۔

فصیحہ: تو کیا آپ میرا جنازہ نکلوائیں گے؟

فیروز: ہاں۔ تو اس میں کیا قباحت ہے۔ تم کو تو مرجانے کی عادت ہے۔ چلو ایک دو۔

فصیحہ: ہیں۔ پھر وہی ایل فیل۔ میاں تم آدمی ہو یا تیلی کے بیل۔ بار بار چکر لگاتے ہو۔ مگر اس منحوس دائرے کے باہر ہی نہیں جاتے ہو۔۔ آخر گھڑی گھڑی ایک۔ دو۔ تین۔ کی صدائے بے ہنگام لگانے سے تمھارا مطلب کیا ہے۔

فیروز: مطلب یہ ہے کہ ایک دو تین کرکے تیرا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔

فصیحہ: مگر اس شفقت سے کیا حاصل ہوگا؟

فیروز: یہی کہ تو سیدھا جہنم واصل ہوگا۔

فصیحہ: جگہ تو اچھی تجویز کی ہے جناب۔ اس پر تکلف جگہ بھیجنے کی کچھ خطا تقصیر؟

فیروز: اے دام حرص کے اسیر۔ کیا بھول گیا خطا اور تقصیر۔
فضیحتہ: کچھ بتاؤ گے بھی؟
فیروز: آدمی کو پانی میں ڈبونا۔ وصیت نامہ چرانا۔
فضیحتہ: آدمی کو پانی میں ڈبونا۔ وصیت نامہ چرانا۔ کس نے دیکھا؟
فیروز: دیکھنا کیسا۔ وہ خود آگیا جس کو دعویٰ ہے۔

(حسنیٰ کا روح کی شکل میں آنا)

فضیحتہ: کون؟ حسنیٰ کی روح۔ خدایا۔ یہ کیا آفت ہوئی۔ جو تازہ قیامت لائی۔
فیروز: نہ آفت ہے۔ نہ قیامت ہے۔ فقط تیرے اعمال کی شامت ہے۔
حسنیٰ:

جسے ہاں ڈھونڈھتا تھا دل، یہی ہے
ستم گر، موذی و قاتل یہی ہے

فضیحتہ: میں مرا۔ میں جلا۔ میں فنا ہوا۔
فیروز: دیکھ اور پہچان۔ ہے نا یہ وہی تاراجِ غم جو تیرے ہاتھوں سے پہنچی ہے سوئے ملک عدم۔ تو نہیں جانتا تو یہ.....
فضیحتہ: مرگئے بیٹا فضیحتہ۔ ہائے ہائے۔
حسنیٰ: بھڑک بھڑک۔ اے جہنم کی آگ بھڑک۔ اے انتقام کی بجلی کڑک۔
فضیحتہ: ہائے ہائے۔ اس نے تو کڑک بھڑک کرکے میری جان آدھی کردی۔
حسنیٰ: تیرا نام فضیحتہ ہے؟
فضیحتہ: جی ہاں۔ آپ نے بجا فرمایا۔ زندگی بھر میں پہلی مرتبہ سچ بولنے کا موقع آیا۔
حسنیٰ: تو نے کبھی کسی وصیت نامے پر ہاتھ صاف کیا؟
فضیحتہ: مگر اس کو تو اس ایک دو تین کی مشین نے کھالیا۔

حسنیٰ: اور تو نے ہی مجھ کو دریا میں ڈبو دیا تھا؟

فیروز: جواب دے او بدنہاد۔

فضیحتہ: ہاں۔ سچ ہے میرے استاد۔

حسنیٰ: صولت کو بھی تو نے ہی آوارہ و خراب کیا؟

فیروز: بول کیا اس جرم کا بھی ارتکاب کیا؟

فضیحتہ: قدرت نے مجھے ایسے ہی شریف کاموں کے لیے انتخاب کیا۔

حسنیٰ: اور رضیہ کو تو نے ہی پھنسایا تھا۔ نمک حرام۔

فیروز: جواب دے نافرجام۔

فضیحتہ: قدرت کرے کام اور بیچ میں فضیحتہ بدنام۔

حسنیٰ: چلو۔

فضیحتہ: کہاں۔

حسنیٰ: خدا کے گھر۔

فضیحتہ: نہیں ایسا نہ کرو۔ مجھے چھوڑدو۔ میں پکا وعدہ کرتا ہوں کہ جب میری موت آئے گی تو خوشی سے مرجاؤں گا۔

حسنیٰ: باتیں نہ بناؤ۔ میں دوزخ کے فرشتوں سے وعدہ کر آئی ہوں کہ تمھارے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔

فضیحتہ: نہیں مجھے نہ مارو۔ میرے کنبے والے روئیں گے۔

حسنیٰ: تو کیا جب تو نے مجھے مارا تھا تو میرے کنبے والے ہنسے تھے؟

فضیحتہ: ارے واہ۔ یہ تو بیرسٹروں کی سی باتیں کرتی ہے۔ اے اقتدار والی روح۔ جس طرح تو مجھے لے جانے پر قادر ہے اسی طرح چھوڑ دینے پر بھی قادر ہے۔

حسنیٰ: تاکہ تو مجھے روز خون کے دریا میں غوطہ دیا کرے۔

فضیحتہ: نہیں خاتون۔ میں تمھارے سامنے قسم کھاتا ہوں۔

حسنیٰ: بھلا مجھے کیوں کر اعتبار آئے۔ آج قسم کھالے اور کل پلٹ جائے۔

فضیحتہ: پلٹ کیسے جاؤں۔ تم نے تو پلیگ کی طرح میرا گھر دیکھ ہی لیا

ہے۔ پھر آ دبوچو گی۔

حسنیٰ: ہاں۔ اتنا یقین ہے۔

فضیحتہ: ہاں ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ.....

فیروز: .....کبھی قول کا پاس نہ کروں گا۔ وعدے کا لحاظ نہ رکھوں گا۔

فضیحتہ: ارے تو کیوں دخل در معقولات دیتا ہے۔ حضور آپ فرمائیں تو میں روزہ رکھوں۔ نماز پڑھوں۔ زکوٰۃ دوں۔ لمبی لمبی تسبیحیں پڑھوں۔ حاجی ملا بن جاؤں۔

حسنیٰ: اچھا تو قسم کھا کہ خدا یا میں بدی سے باز آیا۔ کبھی کسی سے برائی نہ کروں گا۔ ہمیشہ بھلائی کروں گا۔

فضیحتہ: اور کبھی بھولے سے ہوجائے تو.....

حسنیٰ: ہاں تو پکڑوں گردن۔ گھونٹوں گلا؟

فضیحتہ: اچھا اچھا۔ ایسا نہ کرو۔ میں نے سب باتیں مانیں۔

حسنیٰ: اچھا تو میرے پاس آؤ۔

فضیحتہ: نہیں پاس آنے کی بات نہیں۔ زندہ مردے کا کیا ساتھ؟ تم ہنسی ہنسی میں میری جان قبض کرلو تو۔

حسنیٰ: ارے احمق سن۔ میں بھی تیری طرح ایک آدمی ہوں۔

فضیحتہ: آدمی ایسے ہوتے ہیں؟

حسنیٰ: اور پھر کیسے ہوتے ہیں۔ دیکھ میں تیرا ہاتھ پکڑتی ہوں۔

فضیحتہ: نہیں نہیں۔ تم مجھ چھوؤ نہیں۔ تم نے مجھے چھوا اور میں دوزخ کے فرشتوں کا نوالہ ہوا۔

حسنیٰ: اچھا تو تو مجھ کو چھو۔

فضیحتہ: واہ یہ تو ایک ہی بات ہوئی۔ چھری خربوزہ پر گرے یا خربوزہ چھری پر۔ تین چھکے بارہ اور چار تی کے بارہ۔

حسنیٰ: ارے کم بخت۔ کبھی تو اعتبار کیا کر۔ دیکھ ہوا کے جسم نہیں ہوتا۔

(فضیحتہ کو چھونا)

فضیحتہ: ہائے مار ڈالا۔ مار ڈالا۔

حسنیٰ: گھبرا مت۔ دیکھ میں زندہ حسنیٰ ہوں۔

فضیحتہ: ہیں۔ تو یہ سچ مچ زندہ حسنیٰ ہے۔ اے پاک دامن بانو۔ تم کیوں کر موت کے منھ سے نکل آئیں۔

حسنیٰ: وہ داستان پھر سن لینا۔ اب تم اس واقعے سے عبرت پکڑو اور توبہ کرو۔ اپنے گناہوں کی خدا سے معافی چاہو اور ہمیشہ کے لیے نیک بن جاؤ۔

فیروز: جواب دے شیطان۔

فضیحتہ: ارے ٹھہر۔ ناحق مچاتا ہے طوفان۔

فیروز: اچھا تو بول۔ خدایا میں بدی سے باز آیا۔ کبھی کسی سے برائی نہ کروں گا۔ ہمیشہ بھلائی کروں گا۔

فضیحتہ: اچھا بھائی اچھا۔ اور لے یہ ناٹک والوں سے ٹوپی لے آیا تھا۔ وہ بھی واپس دیتا ہوں۔ لیتا جا۔ (ٹوپی اتار کر دینا) (سائڈ میں پبلک سے) دیکھو بھائیو۔ اب میں بالکل سدھر گیا ہوں۔ تم لوگ بھی سدھر جاؤ۔ شراب پینا۔ رنڈی بازی کرنا۔ تمام برے فعلوں کو چھوڑ دو۔ مگر ناٹک دیکھنے ضرور آیا کرو۔

باب تیسرا ——— سین چھٹا

جشن گاہ

(سب لوگوں کا بیٹھے ہوئے دکھائی دینا)

فیروز: بھائی صولت۔ میں اپنی بہن حسنیٰ کو آپ سے منسوب کرتا ہوں۔
صولت: بھائی فیروز۔ میں بھی اپنی جان سے زیادہ عزیز بہن رضیہ کو آپ سے منسوب کرتا ہوں۔ ـ

اہلِ زمیں یہ صورت مہرِ فلک رہو
زندہ رہو، نہال رہو، حشر تک رہو

(دونوں کا ایک دوسرے سے ہاتھ ملوانا)

فصیحہ: یا کریم۔ یا رحیم۔
صولت: ہائیں۔ یہ کون؟
حسنیٰ: آپ انھیں نہیں جانتے؟
صولت: نہیں۔
حسنیٰ: کہیں دیکھا ہے؟
صولت: نہیں۔
حسنیٰ: آپ اس کو بالکل نہیں پہچانتے؟
صولت: واللہ ہم اسے نہیں جانتے۔

حسنیٰ: اجی یہ وہی آپ کے پرانے مصاحب فضیحتہ خان ہیں۔

صولت: ہیں۔ کون فضیحتہ۔ کیا تجھ کو خدا کے یہاں سے ابھی تک موت کا خلعت نصیب نہیں ہوا۔ بندوں کو دھوکا دیتے دیتے اب خدا کو بھی دھوکا دینے لگا۔

حسنیٰ: نہیں۔ اب یہ راہ راست پر آگیا ہے۔

صولت: میرا تو یہ ایمان ہے کہ شیطان کا راہ راست پہ آنا آسان ہے لیکن اس خناس کا راہ راست پر آنا خارج از امکان ہے۔

فضیحتہ: جناب یہ آپ کا بے جا گمان ہے۔ پہلے بندہ ایک معمولی ایمان دار تھا، اب پورا مسلمان ہے۔ جو انسان ہے وہ گناہ ضرور کرتا ہے اور جو گناہ نہیں کرتا ہے وہ فرشتہ ہے اور جو گناہ کرکے شیخیاں کرتا ہے وہ شیطان ہے۔ اور جو گناہ کرکے پچھتاتا ہے وہ ولی ہے۔ خداوند کریم سب کو نیک ہدایت کرے۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔

صولت: بہن رضیہ۔ تمھیں دولت مند ہونا مبارک ہو۔

رضیہ: بھائی صاحب۔ یہ جو کچھ ہے سب تمھارا ہے۔ میں تو برائے نام مالک ہوں۔ تمھیں ہر چیز پر اختیار ہے۔

فضیحتہ: جناب ہبہ نامے کے طفیل میں نے بہت دکھ اٹھایا ہے۔ آپ نے میرا حصہ کچھ نہیں تجویز فرمایا ہے۔ یہ سراسر نا انصافی ہے۔ لائیے لائیے اور کچھ نہیں تو آٹھواں حصہ ہی مجھے مرحمت فرمائیے۔ اب دیر نہ لگائیے۔ یا کریم۔ یا کریم۔

حسنیٰ: کیوں فضیحتہ۔ ابھی سے اپنا ایمان بدلنے لگا؟ دولت کے نام پر مرنے لگا۔

فضیحتہ: تو جناب میں تمام عمر کیا کروں گا؟ کہاں سے کھاؤں گا؟ کیا اب چکلے میں دلالی کروں گا؟ پیٹ کیسے بھروں گا؟

حسنیٰ: اب تک کیا کرتے تھے؟

فضیحتہ: خود را فضیحت اور دیگراں را نصیحت۔ ایک کی دولت ماری دوسرے

کا مال غارت۔

رضیہ: بھائی فضیحت۔ تم نیک چلنی سے یہاں رہنا۔ تمھاری تقدیر کا تمھیں بھی ضرور مل جائے گا۔

فضیحت: بہت خوب یا کریم۔ یا رحیم۔

(سب کا مل کر خوشیاں منانا اور سہیلیوں کا گانا)

آؤ مل کر سکھیاں گائیں
مناویں رنگ رلیاں
راکھو تاج سرگیانی
دائم قائم رہے راجدھانی
بیری ادوتی دکھ پاویں
آؤ مل کر.....

(ناچتے گاتے ہوئے اندر جانا)

-ڈراپ-

خوبصورت بلا

خوبصورت بلا (1909)

بنیادی طور پر یہ ڈراما بھی سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا تھا۔ جسے انھوں نے کئی شہروں میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ کئی دوسری کمپنیوں نے بھی ردوبدل کے ساتھ اسے اسٹیج کیا۔ اس کا سال تصنیف 1909 ہے۔ جس پر محققین کی اکثریت اتفاق رکھتی ہے۔ جب آغا حشر نے حیدرآباد کے راجہ راگھویندر راؤ کے اشتراک سے پہلی بار اپنی کمپنی دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدر آباد کی بنیاد ڈالی تو سب سے پہلے یہی ڈراما اسٹیج کیا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ شہر کا کوئی بھی شخص جو ڈرامے کا شائق ہو، خواہ امیر ہو یا غریب، شاید ہی ایسا رہا ہو جس نے یہ ڈراما نہ دیکھا ہو۔ مختلف شہروں میں برسوں متواتر اس کے شو ہوتے رہے لیکن اس کی مقبولیت میں کوئی کمی نہ آئی۔

آغا حشر کے ذخیرے سے اس ڈرامے کے دو مسودے ملے ہیں۔ پہلا مسودہ مجلد رجسٹر کی شکل میں ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر ڈرامے کا نام ''خوبصورت بلا'' کے ساتھ ساتھ ''حسین بلا'' بھی لکھا ہوا ہے۔ یہ مسودہ مکمل اور صحیح حالت میں ہے۔ کتابت منظور احمد عظیم آبادی کی ہے۔ اختتام کتابت کی تاریخ 26/جنوری 1926 درج ہے۔ اس میں سنسر کے دستخط بھی ہیں۔ جس پر

2/جون 1928 کی تاریخ درج ہے۔ مشمولہ متن اسی مسودے کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ دوسرا مسودہ بھی مجلد ہے۔ اس کی تحریر شکستہ ہے اور اوراق جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے ہیں۔ اس میں نہ تو کاتب کا نام درج ہے اور نہ تاریخ کتابت۔

ان مسودات کے علاوہ اس ڈرامے کے چار مطبوعہ نسخے بھی پیش نظر رہے ہیں اور جہاں جہاں الفاظ کو سمجھنے میں کوئی دقت آئی ہے، حسب ضرورت ان سے مدد لی گئی ہے۔ پہلا نسخہ نرائن دت سہگل اینڈ سنز، لاہوری گیٹ، لاہور، کا شائع کردہ ہے۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے لیکن اس میں سنہ اشاعت درج نہیں۔ دوسرا نسخہ عثمانیہ بک ڈپو، لورچیت روڈ، کلکتہ سے 1966 میں شائع ہوا ہے۔ تیسرا نسخہ بھی عثمانیہ بک ڈپو کا شائع کردہ ہے لیکن یہ دوسرے نسخے سے علیحدہ ایڈیشن ہے۔ چوتھا نسخہ ہندی میں ہے جو اُپنیاس بہار، آفس کاشی، بنارس سے 1933 میں چھپا تھا۔ متن کی تیاری کے دوران ان نسخوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔

کردار

مرد:

توفیق	وفادار جنرل۔ طاہرہ کا شوہر
قہرمان	مرحوم شاہ کا وفادار سپہ سالار
قتلو بیگ	بے وفا سپہ سالار۔ شمسہ کا معاون
تغرل	قتلو کا لڑکا
شہریار	لیفٹننٹ۔ تسنیم کا عاشق
سہیل	مرحوم شاہ کا لڑکا
رشید	توفیق کا لڑکا
خیرسلا	تغرل کا ایڈی کانگ۔ ڈالی کا شوہر
ماشاالله	شہریار کا نوکر، ممتاز کا شوہر
ہشام	توفیق کا وفادار نوکر

خواتین:

شمسہ	مرحوم شاہ کی غدار بہن
طاہرہ	توفیق کی بیوی
تسنیم	ایک امیرزادی
ڈالی	خیر سلاّ کی بیوی
ممتاز	ماشاءاللہ کی بیوی
نیکی	دنیا کو نیک راستے پر چلانے والی
بدی	دنیا کو برے راستے پر چلانے والی

باب پہلا ـــــــــ سین پہلا

کھنڈر

(نیکی کا گاتے ہوئے آنا)

رب کی شان نیاری۔ نیاری۔ بلہاری
توری کہانی گھر گھر من مانی
جان یکتائی۔ چترائی۔ پیاری پیاری ساری
جہاں میں یہ کام کرنا۔ نیکی پر بندے دھیان دھرنا
کرودھ کام سے مدام ڈرنا
ہوس۔ کپٹ۔ کرت۔ پھرت
چھل کی ماری دنیا ساری۔ بدکاری
نس دن آری ہے خواری
رب کی شان........

نیکی: خداوند کا جلال ہو۔ مقدس ہے وہ خدا جو آدم کے سرکش اور باغی بیٹوں کو ماں باپ کی طرح پیار کرتا ہے۔ مبارک ہے وہ انسان جو سچے دل سے اور پوری سچائی کے ساتھ اس کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ اے گمراہ ہستی جو اندھی اور دیوانی بنی ہوئی تباہی کے غار کی طرف دوڑی جارہی ہے۔ آ روشنی کی طرف آ۔ خدائے رحیم تیری پکار پر کان لگائے ہے۔ اس کی رحمت تجھے گود لینے کے لیے محبت کے بازو پھیلائے ہے۔

جس راہ میں ہوں ٹھوکریں وہ راہ اے انساں نہ چل
جرم و گنہہ کے بوجھ سے ورنہ گرے گا منھ کے بل
تاریکیاں ہیں ہر طرف اندھا نہ بن اب بھی سنبھل
ایمان کا فانوس لے اس میں جلا شمع عمل
مڑ بھاگ دوڑ آ اس طرف طاقت ابھی ہے پاؤں میں
آرام راحت زندگی سب ہے خدا کی چھاؤں میں

(بدی کا داخلہ)

بدی: میں ہوں۔ جہاں کی خوشی، میں ہوں۔

نیکی: (بدی کو دیکھ کر) دنیا کی مصیبت، خدا اور انسان کے بیچ میں دیوار۔

بدی: دنیا کی قسمت میرے داہنے ہاتھ میں اور اس کی کنجی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔ میری سواری اقبال کے کندھے پر نکلتی ہے۔ دولت میرے آگے، راحت میرے برابر اور عزت میرے پیچھے چلتی ہے۔ اے تم سب جو بہشت کی امید میں دنیا کو دوزخ بنائے ہوئے ہو آؤ۔ میری طرف آؤ۔ میرا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ میری سخاوت کے بادل موتی برسا کر تمھارے امید کے دامن کو مالا مال کردیں گے۔ اے فرضی جنت کے بے وقوف امیدوارو۔ نیکی، مذہب، اخلاق، ایمان، یہ سب ڈاکو ہیں جو راحت اور خوشی کا تمام سامان لوٹ کر تمھاری زندگی کو کنگال کردیں گے۔

بے غمی پہلو میں ہو اور مال و زر قدموں کے پاس
میز پر عمدہ غذا ہو جسم پر اعلیٰ لباس
یار ہو، گلزار ہو، گردش میں ہو مے کا گلاس
تیرتے ہوں مستیِ رنگیں کی لہروں میں حواس

بس یہی جنت ہے، باقی وسوسہ اور وہم ہے
چھوڑ غم، کھا، پی، پہن، خوش رہ اگر ذی فہم ہے

نیکی: ـــ

بات سے بو آرہی ہے منہ ستم گر بند کر
بند کر اے دل کی گندی جھوٹ کا در بند کر

بدی: بد ذات نیکی ـــ

لڑنے کے لیے تیغ و سپر باندھ کر آئی
پھر سامنے میداں میں کمر باندھ کر آئی

نیکی: ـــ

بجلی تو نہیں میں کہ مٹا دوں گی جلاکر
آندھی تو نہیں میں کہ اڑا دوں گی گرا کر
تیورا گئی، گھبرا گئی، غم چھا گیا تجھ پر
میں آئی تو کیا کوئی غضب آگیا تجھ پر

بدی: ـــ

اڑتے ہیں غریبی کے شرارے ترے دم پے
لپٹی ہیں بلائیں ترے منحوس قدم پے
رہتی ہے مصیبت کی چھری ہاتھ میں تیرے
آتی ہے جہاں بھر کی وبا ساتھ میں تیرے

نیکی: ـــ

جھوٹی ترا ہر لفظ عداوت سے بھرا ہے
دنیا کا چمن میری ہی کوشش سے ہرا ہے
انساں کی ہوا خواہ ہوں اور راہ نما ہوں
تو اس کے لیے زہر ہے میں آب بقا ہوں

بدی: دور ہو کم بخت۔ تو دھوکا دے کر میری طرف آنے والے کو اپنی طرف بلاتی ہے۔

نیکی: مردار۔ تو دنیا کا سبز باغ دکھا کر خدا کی طرف جانے والوں کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

بدی: تو نہ ہوتی تو دنیا میں جنت کا مزا آتا۔

نیکی: تو نہ ہوتی تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ فرماتا۔

بدی: نیکی لڑائی چھوڑ دے۔

نیکی: بدی۔ برائی چھوڑ دے۔

بدی: کب تک میرے ہاتھ میں چھری اور تیرے ہاتھ میں کٹاری رہے گی؟

نیکی: میری اور تیری جنگ دنیا کے آخری سانس لینے تک جاری رہے گی۔

بدی: سن سن۔ تو اور میں دونوں قدرت کی بیٹیاں ہیں اور یہ دنیا عاشقوں کا بازار ہے۔ جس میں کوئی میرا طلب گار ہے اور کوئی تیرا خریدار ہے۔ ؎

اگر نفرت ہے میرے عاشقوں کو تیری صورت سے
تو میرے ساتھ کیوں لڑتی ہے جا لڑ اپنی قسمت سے

نیکی: چڑیل۔ جن کے چہرے پر آنکھیں اور دماغ میں عقل کی روشنی ہے وہ کبھی تیرے جیسی بدصورت اور بد سیرت پر عاشق نہیں ہوسکتے۔ جو لوگ تیرے عاشق زار ہیں وہ اندھیرے اور دھوکے میں گرفتار ہیں۔ یاد رکھ۔ ؎

جو نذر کرچکے ہیں عقل و شعور تجھ کو
جو آج جانتے ہیں دنیا کی حور تجھ کو
جس روز روشنی میں دیکھیں گے شکل تیری
نفرت کی ٹھوکروں سے پھینکیں گے دور تجھ کو

بدی: احمق۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ کیا تو نہیں جانتی کہ انسان کی مٹی لالچ کے پانی سے گوندھی گئی ہے۔ ؎

آدمی دولت، خوشی، عزت کے خواہش مند ہیں
اور یہ سب نعمتیں مٹھی میں میری بند ہیں
جب تلک ہر ایک شے دینے کو میں تیار ہوں
وہ میرے بلبل ہیں میں ان کی گل بے خار ہوں

نیکی: کیوں فضول بکتی ہے جھوٹی۔ تو فکر، ذلت اور عبرت ناک موت کے سوا انسان کو اور کچھ نہیں دے سکتی ہے۔

بدی: اگر میں اپنے عاشقوں کو کچھ نہیں دیتی تو تو کوئی خزانہ بخش دیتی ہے؟

نیکی: میں وہ خزانہ دیتی ہوں جس کے لیے بڑے بڑے قارون ترستے ہیں اور فقیر پاجانے کے بعد بادشاہوں کی حالت پر ہنستے ہیں۔

بدی: کچھ اس کا بیان؟

نیکی: وہ خزانہ ہے قناعت اور اطمینان۔

بدی: مکار۔ تو انھیں فریب آمیز تسلیوں سے دنیا کو عقل مند بننے نہیں دیتی۔

نیکی: انسان کے حق میں وبال۔ دیکھ اپنے ایک بے وقوف عاشق کا حال۔

(پردہ ہٹتا ہے۔ توفیق پابہ زنجیر تلواروں کے سائے میں زمین پر گرا ہوا نظر آتا ہے۔ سامنے، تلو اور شمسہ، اردگرد سپاہی نیزے جھکائے ہوئے کھڑے ہیں)

باب پہلا ——— سین دوسرا

شمسہ کا مکان

شمسہ: قلو۔ آخر وہ بد بخت کیا کہتا ہے؟

قلو: وہ کہتا ہے کہ اگر تمھارے پاس ارسطو کا دماغ، قارون کی دولت، چنگیز کی ہیبت اور شیطان سے زیادہ بہکانے کی طاقت ہو اور تم یہ سب صرف کردو تو بھی توفیق تمھارا تابع ہرگز نہ ہوگا۔

شمسہ: اگر وہ تابع نہ ہوگا تو اس کو اس دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

قلو: مغرور۔

شمسہ: جاؤ اس ضدی کتے کو میرے سامنے لاؤ۔ ضد کس سے؟ مجھ سے۔ جو طوفانی سمندر کی طرح غصے میں دیوانی ہوجاتی ہے۔ جو دم کے دم میں آندھی کی طرح بلائے ناگہانی ہوجاتی ہے۔ اگر یہ راہ پر نہ آیا تو اس کو اس دنیا میں نہیں رہنا ہے۔

(قلو کا جانا اور توفیق کو پابہ زنجیر سامنے لے آنا)

شمسہ: کیوں توفیق! کس حال میں ہے۔

توفیق: شیر لوہے کے جال میں ہے۔

شمسہ: سرکش۔ ؎

کیوں تباہی لارہا ہے اپنے عز و جاہ پر
چھوڑ دے کج راہ آجا اب بھی سیدھی راہ پر

توفیق: دنیا میں سیدھی اور سچی راہ صرف نیکی ہے۔ جو قبر کے دروازے سے نکل کر قیامت کے میدان میں سے ہوتی ہوئی بہشت کے دربار میں پہنچاتی ہے۔ باقی ہر ایک راہ ٹھوکریں کھلاتی، کانٹوں میں پھنساتی اور آخر تھکا کر جہنم کے تاریک گڑھے میں گراتی ہے۔ ے

پروا نہیں جو آج زمانہ خلاف ہے
رستہ وہی چلوں گا جو ٹھیک اور صاف ہے
دکھ اور خوف ہیچ ہیں میری نگاہ میں
میں خاک بھی جو ہوں گا تو نیکی کی راہ میں

شمسہ: توفیق تو احمق ہوگیا ہے۔

توفیق: ہاں۔ میں احمق ہوں۔ مگر شکر ہے کہ خدا کا باغی، بے وفا، خونی، حرص کا غلام، دغا باز اور نمک حرام نہیں ہوں۔

قلو: نافرجام بے لگام۔ یہ گستاخانہ کلام۔

توفیق: ے

جان جائے سر کٹے پروا ذرا کرتا نہیں
مرد سچی بات کہنے سے کبھی ڈرتا نہیں
صاف جو ہیں یوں ہی کہتے ہیں برابر صاف صاف
جس طرح آئینہ کہہ دیتا ہے منھ پر صاف صاف

شمسہ: ایسی صاف گوئی تیرے دیوانہ ہونے کا ثبوت ہے۔

توفیق: اوہ۔ میں ہی نہیں۔ ساری دنیا دیوانی ہے۔

کوئی شیدا رحم و نیکی پر کوئی خواہاں خون بہانے کا
کوئی مفتوں صبر و قناعت پر کوئی عاشق مال خزانے کا
کوئی دلدادہ آزادی پر کوئی بندہ پینے کھانے کا
ہر ایک بشر دیوانہ ہے دیکھ آنکھ سے رنگ زمانے کا

قلو: توفیق عقل کا گلا گھونٹ کر خودکشی نہ کر۔ تو چند روز پہلے اس ملک میں سب سے بڑا شخص تھا۔ آج ذلیل مجرم کی حیثیت سے زنجیروں

میں جکڑا ہوا بھوکی موت کے ہونٹ پر کھڑا ہے اور ابھی تک اپنی ضد پر اڑا ہے۔ ے

ہٹ اور بغاوت کو اطاعت سے بدل دے
وہ پھول لگا آج جو کل پھول کے پھل دے

توفیق: ے

ستم سہتے ہیں دو دن کیونکہ دو ہی روز جینا ہے
مصیبت میں صداقت چھوڑ دے جو وہ کمینہ ہے
نہ دھمکانے سے دبتے ہیں نہ تکلیفوں سے ڈرتے ہیں
جو نیکی میں ہوئے پیدا وہ نیکی ہی میں مرتے ہیں

شمسہ: اور نیکی۔ میں نہیں سمجھتی کہ نیکی کیا چیز ہے۔ جو تجھے اور تجھ جیسے چند بیوقوفوں کو عزیز ہے۔

توفیق: نیکی کیا ہے؟ نیکی ایک پاک نور ہے۔ جس کی جھلک پڑنے سے انسان کی زندگی سدھرتی ہے۔ نیکی خدا کے ہاتھ کا بنایا ہوا قلعہ ہے جس میں بیٹھ کر انسان کی روح شیطان کی فوج سے مقابلہ کرتی ہے۔

شمسہ: بکتا ہے۔ نیکی پاگل دماغ کا خیال ہے۔ زندگی کا وبال ہے۔ بیوقوفوں کے پھنسانے کا جال ہے۔ جس طرح چور مٹی کا کھلونا دے کر بچوں کے ہاتھ سے سونے چاندی کی چیزیں جھٹک لیا کرتے ہیں اسی طرح مذہب بھی نیکی کا خیالی کھلونا دے کر قسمت کا دیا ہوا تمام سکھ انسان سے چھین لیتا ہے۔

توفیق: سورج کے سامنے چراغ کی۔ سمندر کے سامنے ندی کی۔ خزانے کے سامنے چند پیسوں کی اور نیکی کے سامنے دنیا میں اور کسی سکھ کی ضرورت نہیں ہے۔

قلو: توفیق اگر تو ضد چھوڑ دے تو میں ایمان سے کہتا ہوں......

توفیق: بس۔ اس مقدس چیز کا نام نہ لے جس کا ایک ذرہ بھی تیری

ناپاک روح میں نہیں ہے۔ تم دونوں شیطان سے زیادہ ایمان کے دشمن ہو۔

شمسہ: ہاں ہیں۔ اور اس لیے ہیں کہ گرم کو سرد، بہادر کو نامرد، ہمت کے سرخ خون کو زرد بنانے والا یہی ہے۔ اس نے لوگوں کو نکما اور سست بنایا ہے۔ یہی دنیا میں دنیا کے لیے تباہی لایا ہے۔

توفیق: ایمان کے دشمن۔ ایمان ہی نے آج تک دنیا کو تباہی سے بچایا ہے۔

شمسہ: جھوٹ ہے۔

توفیق: سچ ہے۔ سن۔ خدا نے جس طرح آنکھوں کے لیے آفتاب کا لمپ پیدا کیا اسی طرح روح کے لیے ایمان کا چراغ بنایا ہے۔

شمسہ: مگر میں اس چراغ کی روشنی بجھاؤں گی۔

توفیق: تو کیا۔ اگر دنیا کے تمام شیطان مل کر اس کے بجھانے کی کوشش کریں تو بھی یہ خدائی چراغ ہمیشہ جگمگاتا رہے گا اور دینا میں نیکی، رحم اور انصاف کی روشنی پھیلاتا رہے گا۔

قلو: مذہبی دیوانے۔ کیوں دین کے لیے دنیا کی خوشیوں سے بیزار ہے۔ تیری ایک ہاں پر شاہی مہربانی کے بادل، عزت، دولت، راحت کی بارش برسانے کے لیے تیار ہے۔

توفیق: مجھے اس کی کوئی عنایت نہیں چاہیے۔ سب سے بڑی عزت اچھا نام ہے۔ سب سے بڑی دولت اچھا کام ہے۔ سب سے بڑی راحت آخرت کا آرام ہے۔ او حرص کے غلام یاد رکھ۔ ؎

چند دن ہے شان و شوکت کا خمار
موت کی ترشی نشہ دے گی اتار
جب اٹھائیں گے جنازہ چند یار
ہاتھ مل مل کر کہے گا بار بار
جو یہاں پایا یہیں پر دھر چلے

کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے

شمسہ: بس بس۔ یہ وعظ پاگلوں کو سنانے کے لیے رکھ چھوڑ۔ سہیل کو ہمارے حوالے کر۔ تاج کا تابع دار ہو۔ ورنہ ایک خوفناک انجام کی سواری کے لیے تیار ہو۔

توفیق: کیا معصوم شہزادے کو تم بے رحم قصائیوں کے ہاتھ میں ذبح ہونے کے لیے دے دوں۔ تخت و تاج کے لٹیروں کی تعظیم کروں۔ شیطان کو بہشت کا وارث تسلیم کروں۔ نہیں وفادار اور شریف توفیق سے ایسا کبھی نہ ہوگا۔

قتلو: مگر ایسا کرنا ہوگا۔

توفیق: کیوں؟

شمسہ: ہمارا حکم ہے۔

توفیق: تیرا حکم کوئی خدا کا حکم نہیں ہے۔ ؎

تیر، تلوار، تبر، نیزہ و خنجر برسیں
زہر، خوں، آگ، مصیبت کے سمندر برسیں
بجلیاں چرخ سے اور کوہ سے پتھر برسیں
ساری دنیا کی بلائیں مرے سر پہ برسیں
جسم کیا روح بھی جل جائے شرارِ غم سے
مگر ایمان کا دامن نہ چھٹے گا ہم سے

شمسہ: توفیق۔ تو جانتا ہے کہ میں کیسی عورت ہوں۔

توفیق: ذلت کی پتلی تجھے عورت کون کہتا ہے۔ عورت وہ ہے جس میں شوہر پرستی ہو، نیکی ہو، نرمی ہو، رحم ہو، شرم ہو، باوفائی ہو، سچائی ہو، پارسائی ہو۔ جس نے حور کی عصمت اور فرشتوں کی خصلت پائی ہو۔ تو کبھی عورت نہیں ہو سکتی۔ جس طرح تو نے معصوم شہزادے کا حق دغا سے چھین لیا۔ اسی طرح عورت کے نام پر بھی زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ مرحوم شاہ نے تجھے پھولوں کا ہار سمجھ کر اپنے گلے

میں لپیٹا تھا مگر تو کیا نکلی۔ سفید ناگن۔

شمسہ: اور اب کیا ثابت ہوں گی۔ تیرے دوستوں کے لیے تباہی، تیرے خاندان کے لیے بربادی اور تیرے لیے موت۔ ؎

سانس سے آگ جو برساؤں وہ اژدر ہوں میں
ضد میں طوفان تو غصے میں سمندر ہوں میں
پیس ڈالوں گی، مٹادوں گی، فنا کردوں گی
یاد رکھنا تری تقدیر کا چکر ہوں میں

توفیق: ؎

موم سے پنجۂ فولاد کہیں دبتا ہے
دل کا جوش ایسے ڈراؤں سے نہیں دبتا ہے
روئیں روئیں کی زباں پر یہ سخن جاری ہے
جان پیاری نہیں دنیا میں وفا پیاری ہے

شمسہ: دیکھ میں آخری مرتبہ کہتی ہوں کہ ضد کے لیے جان دینا تیری بھول ہے۔

توفیق: اور میں بھی آخری دفعہ کہتا ہوں کہ سچوں کو جھوٹا بنانے کی فکر کرنا بالکل فضول ہے۔

شمسہ: ؎

غور کر پھر غور کر ورنہ اجل تیار ہے
تیرا سر ہے اور اس جلاد کی تلوار ہے

توفیق: ؎

مصیبت کے ڈر موت کے ہول سے
بہادر بدلتے نہیں قول سے
خدا لے کہ تو لے یہ جاں ایک ہے
مگر بات ایک اور زباں ایک ہے

شمسہ:

مجھ پہ لعنت ہو جو اب میں تجھ کو زندہ چھوڑ دوں
کاٹ لا سر تاکہ اس کو ٹھوکروں سے توڑ دوں

(شمسہ کا چلا جانا)

باب پہلا ــــــــ سین تیسرا

محل

(خیر سلا کا آنا)

خیر سلا: واہ ری قسمت۔ برسوں کی کاٹی۔ بھاگی، کترائی۔ مگر آخر کار یاروں کے اڑنگے میں آئی۔ ملکہ شمسہ نے نواب قتلو خاں کو بلایا اور اپنے بھائی برجس کو قتل کرایا۔ تو ماہ دولت نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا۔ جس کے صلے میں اے ڈی کانگ کا عہدہ پایا۔ ذرا اس کام میں بے ایمانی تو کرنی پڑی مگر تقدیر کھل گئی۔ اماں کہاں کا دین اور ایمان۔ یہ تو لوگوں کو ڈرانے کے لیے یاروں نے ڈھکوسلہ بنا رکھا ہے۔ ورنہ ایمان داری میں کیا رکھا ہے۔ سیفو۔ ارے سیفو۔

سیفو: (آکر) جناب آپ کسے پوچھتے ہیں؟

خیر سلا: ابے اپنے مالک کو نہیں پہچانتا؟

سیفو: جناب وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔

خیر سلا: ابے کیا اتنی جلدی بھول گیا۔ ذرا غور سے دیکھ۔

سیفو: کون میاں خیرو؟

خیر سلا: چپ بے ادب۔ خیرو کسی موچی کے لڑکے کا نام ہوگا۔

سیفو: پھر تم کون ہو؟

خیر سلا: مرزا خیر سلا بیگ۔

سیفو: اماں کاہے کو جھوٹ بولتے ہو۔

خیرسلاّ: چپ۔ دیکھ آج سے ہمیں جناب اور صاحب کے نام سے پکارنا۔

سیفو: کس لیے؟

خیرسلاّ: کیونکہ اب ہماری ڈگری بڑھ گئی ہے۔

(گانا)

دیکھو میرا رتبہ اعلیٰ میں ہوں اے ڈی کانگ
بڑی آن بان شان بان
کیسا بنا ہاں
وہ عمامہ، ڈھیلا پاجامہ پھینکا نالے میں
یہ بوٹ شوز واسکوٹ کیا ہی اعلیٰ ہے

سیفو: عجب اس کا ڈھنگ ہے
نیا یہ کلنگ ہے
چڑھی اس کو بھنگ ہے
میری عقل دنگ ہے

خیرسلاّ: سجیلے بنگلے میں رہوں
کلب ہوٹل میں پھروں
امن چمن میں کروں ٹھاٹ باٹ سے
دیکھو میرا رتبہ اعلیٰ

سفو: اماں کاہے کو جھوٹ بولتے ہو۔ تمھاری صورت پر تو وہی پاجی پن برس رہا ہے۔

خیرسلاّ: دیکھ۔ پہلے میں ایک معمولی جمعدار تھا۔ اب طغرل بیگ کا اے ڈی کانگ کہلاتا ہوں۔

سیفو: واہ میاں واہ۔

خیر سلاّ: پہلے ہم چٹائی پر بیٹھ کر چٹنی روٹی کھاتے تھے، اب کرسی ٹیبل پر مٹن چاپ اڑاتے ہیں۔

سیفو: واہ بھئی واہ۔

خیر سلاّ: پہلے ہم گدڑی بازار سے لاکر پرانی جوتی پہنا کرتے تھے، اب ولایتی بوٹ ڈانٹتے ہیں۔

سیفو: بھلا یہ ولایتی بوٹ آپ کو کیا بھاؤ پڑتا ہے۔

خیر سلاّ: ابے چپ۔ سنتا جا۔ پہلے میں ڈھیلا کرتا اور پاجامہ پہنتا تھا اور اب پتلون پر کوٹ اور کوٹ پر ٹائی لگاتا ہوں۔

سیفو: ارے واہ میاں۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم نرے موچی کے موچی رہو گے۔ مگر قسمت کے دھنی ہو کہ سپاہی سے ایک دم اے ڈی کانگ بن گئے۔

خیر سلاّ: ارے یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ اے ڈی کانگ ہی بن کر رہ گئے۔ ورنہ ہمارے والد تو عجب شان کے آدمی تھے۔ تو نے دیکھا ہوگا۔

سیفو: کیوں نہیں۔ بہت دفعہ۔ روز ہمارے محلے میں پاپڑ بیچنے آتے تھے۔

خیر سلاّ: ارے چپ۔ وہ کوئی اور الو ہوگا۔

سیفو: الو ہو کہ گدھا۔ مگر صورت تو آپ کے باپ کی سی تھی۔

خیر سلاّ: خیر اس ذکر کو دفعان کرو۔ اور یہ بتا کہ ہمارے گھر میں کیا پکا ہے۔

سیفو: پکا کیا ہے۔ وہی باجرے کی روٹی اور ابالی ہوئی دال۔

خیر سلاّ: ارے دال کو بھاڑ میں ڈال۔ کیا امیروں کے گھر ایسے کھانے پکتے ہیں۔

سیفو: اور پھر کیسے پکتے ہیں۔

خیر سلاّ: دیکھ آج سے ہمارے گھر میں قورمہ۔ قلیہ۔ تنجن۔ بریانی۔ پلاؤ۔ مٹن چاپ اور کٹلس کباب پکا کرے۔

سیفو: اجی میاں۔ کل وہ الم غلم کھالیا۔ آج تو شکر کرکے چٹنی روٹی کھالے۔

خیر سلاّ: چپ۔ تمھیں جیسوں نے چٹنی روٹی پر شکر کرکے خدا وند تعالیٰ کی عادت بگاڑ دی ہے۔ اس نے دیکھا کہ جب چٹنی روٹی پر یہ لوگ ملھار گاتے ہیں تو انھیں پلاؤ کھلانے کی کیا ضرورت ہے۔

سیفو: بھلا کھانے ایسے کھاؤ گے تو تمھیں یہ پرانا مکان کیسے پسند آئے گا۔

خیر سلاّ: ابے پرانا مکان کیا۔ میں تو پرانی جورو کو بھی بدل دوں گا۔

سیفو: دیکھو میاں۔ ایسا نہ کرنا۔ وہ بے چاری تو تمھیں بیٹے کی طرح چاہتی ہے۔

خیر سلاّ: ابے کیا تجھے معلوم نہیں کہ پرانی جنتری اور پرانی جوتی ہر سال بدل دیتے ہیں۔ میں تو نئی جورو کے لیے اخبار میں اشتہار بھی دے چکا ہوں۔

سیفو: بھلا میں تمھیں کوئی پٹاخہ سی جورو دلادوں تو طغرل بیگ سے کہہ کر مجھے خان بہادر کا خطاب دلوا دوگے۔

خیر سلاّ: ابے خان بہادری کے خطاب کو لے کر کیا کرے گا۔ وہ تو آج کل ٹکے سیر بکتا ہے۔ جو بلی اور چوہے کی آواز سے گھبراتے ہیں وہ بھی آج کل خان بہادر کہلاتے ہیں۔

سیفو: اچھا یہ نہیں تو شیر جنگ خطاب دلوا دینا۔

خیر سلاّ: ہاں یہ دلوا دوں گا کیونکہ کل تو نے دو چوہے مارے تھے۔

سیفو: اچھا تو سنو۔ میرے خیال میں جتنی عورتیں ہیں ان کی فہرست پیش کرتا ہوں۔ فلاں محلے میں مٹھو گھاس والا رہتا ہے۔ اس کی ایک لڑکی ہے۔

خیر سلاّ: ارے مجھے کیا کوئی گھسیارہ وسیارہ سمجھا ہے جو اس کی لڑکی سے شادی کراتا ہے۔

سیفو: تو پھر تم جیسے مداری کو گھسیارے بھٹیارے کے سوا کون اپنی لڑکی دے گا۔

خیر سلاّ: اے دے گا کیوں نہیں۔ ذات شرافت اگلے زمانے میں دیکھا کرتے تھے۔ اب تو فقط پیسے کو دیکھتے ہیں۔ جہاں چار پیسے دیکھ پاتے ہیں تو بڑے بڑے اپنی بیٹی کو دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

سیفو: اچھا تو فلاں محلے میں عبدالکریم قصاب کا سالا رہتا ہے۔ اس کی سات بیٹیاں ہیں۔

خیر سلاّ: خوب۔ جب تو سب نے مل کر باپ کا دیوالہ نکال دیا ہوگا۔

سیفو: اس میں چار تو اندھی ہیں۔ ایک کانی ہے۔ ایک گنجی ہے۔ مگر سب سے چھوٹی لڑکی جو کریمن ہے وہ آپ کے لائق ہے۔ لیکن ذرا لنگڑاتی ہے۔

خیر سلاّ: اے تو کیا مجھے لولا لنگڑا مقرر کیا ہے جو لنگڑی جورو دلواتا ہے۔

سیفو: خیر تو فلاں (کسی بھی محلے کا نام) محلے میں مرزا فجو رہتے ہیں۔ ان کی ایک بہن ہے اور بڑی نیک ذات ہے۔ اور مزہ تو یہ ہے کہ ایک گلاب کے پھول جیسا بچہ بھی ساتھ ہے۔

خیر سلاّ: اے تو کیا سکنڈ ہینڈ مال دلواتا ہے۔ شیر بھی کہیں دوسروں کا جوٹھا کھاتا ہے۔

سیفو: تو پھر آپ کو کیسی جورو چاہیے؟

خیر سلاّ: دیکھو نیک ہو۔ شریف ہو۔ حسین ہو۔ جوان ہو۔ ہوشیار ہو۔ عصمت دار ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وفادار ہو۔

سیفو: ایسی تو فلاں (کسی بھی محلے کا نام) محلے میں ایک ستر برس کی کنواری لڑکی رہتی ہے۔

خیر سلاّ: اے مجھے جورو کی ضرورت ہے یا ماں کی۔

سیفو: یہ بھی نہیں۔ وہ بھی نہیں۔ تو آپ کو جورو مل چکی۔

خیر سلاّ: ارے ملے گی کیوں نہیں۔ یہ تو ہماری مہربانی ہے کہ ہم جورو تلاش

کرتے ہیں۔ ورنہ اس مہنگی زمانے شوہر ملتے ہی کہاں ہیں۔

(ایجنٹ کا آنا)

ایجنٹ: جناب تسلیم عرض۔
خیر سلاّ: آداب عرض۔
ایجنٹ: جناب آپ کا نام؟
خیرسلاّ: مرزا خیر سلاّ بیگ۔
سیفو: اماں کا ہے کو جھوٹ بولتے ہو۔
خیرسلاّ: چپ رہ۔ دوسروں کے سامنے عزت اتارتا ہے۔ مگر آپ کون صاحب ہیں؟
ایجنٹ: ہم انڈین میرج کمپنی لمیٹیڈ کے ایجنٹ ہیں۔ اور فلاں (کوئی بھی مشہور جگہ) مقام پر ہمارا ہیڈ آفس ہے۔
خیر سلاّ: میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔
ایجنٹ: ہمارا یہ کام ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھا دیں۔ جورو کو شوہر اور شوہر کو جورو دلوادیں۔
خیر سلاّ: آہا۔ تو آپ دلاّل ہیں۔
ایجنٹ: دلال کی ایسی تیسی۔ ہم ایک شریف آدی ہیں۔
خیرسلاّ: شرافت تو آپ کے پیشے سے ٹپکتی ہے۔
سیفو: جب تو یار میرا ایک کام بنادو۔
ایجنٹ: وہ کیا؟
سیفو: پرانی جورو اور تھوڑا سا روپیہ لے کر ایک نئی جورو دلوا دو۔
ایجنٹ: پرانی جورو کو صندوق میں بند رکھو۔ ہم تو بالکل نئے مال کی تجارت کیا کرتے ہیں۔
خیرسلاّ: بھئی واہ۔ اس ترقی کے زمانے میں کیا کیا دھندے نکلتے ہیں۔

ایجنٹ: آپ نے شادی کے لیے کوئی اشتہار دیا ہے۔
خیر سلاّ: جی ہاں۔ مجھے ایک جورو کی سخت ضرورت ہے۔
ایجنٹ: فرمایئے۔ آپ کو کیسی جورو چاہیے۔
خیر سلاّ: حسین ہو۔ جوان ہو۔ پڑھی لکھی ہو۔ چنچل ہو بلکہ فیشنیبل ہو۔
ایجنٹ: ہنگامی چاہیے یا دوامی۔
خیر سلاّ: دوامی۔
ایجنٹ: ایکسٹری مسٹ ہو یا ماڈریٹ۔
خیر سلاّ: نہیں نہیں ایکسٹری مسٹ نہیں چاہیے۔ وہ کم بخت ناراض ہوگی تو مجھے بم کے گولے سے اڑا دے گی۔
ایجنٹ: عمر کیا ہو؟
خیر سلاّ: سولہ برس کی۔
ایجنٹ: اگر سولہ برس کی نہ ملے۔
سیفو: تو آٹھ آٹھ برس کی دو لے لینا۔
خیر سلاّ: نکل کم بخت۔ بیچ میں گڑبڑ کرتا ہے۔
ایجنٹ: اور کیا خوبیاں ہوں۔
خیر سلاّ: سنیے۔ نہ ایسی بد صورت ہو کہ جی متلائے اور نہ ایسی خوبصورت ہو کہ سارا زمانہ زیارت کو آئے۔ نہ ایسی دبلی ہو کہ ایک ایک پسلی نظر آئے۔ نہ اتنی موٹی ہو کہ ریل کے پھاٹک میں بھی نہ سمائے۔ نہ اتنی چھوٹی ہو کہ جورو کے بدلے بیٹی نظر آئے۔ نہ اتنی لمبی ہو کہ بوسہ لینے کے لیے سیڑھی لگائی جائے۔ نہ اتنی کنجوس ہو کہ برسوں بچہ نہ دے، نہ اتنی فیاض ہو کہ لڑکیوں سے گھر بھر جائے۔ نہ اتنی تندرست ہو کہ دن میں چھ چھ دفعہ کھائے۔ نہ اتنی بیمار ہو کہ ڈاکٹر کا بل چکاتے چکاتے دیوالہ نکل جائے۔ نہ اتنی بے عزت ہو کہ پاس بٹھاتے شرم آئے نہ اتنی عزت دار کہ میاں کو پاس بٹھانے میں شرمائے۔ غرضیکہ تھوڑی سی خوبیاں اس میں موجود ہوں۔

ایجنٹ: ٹھیک۔ ٹھیک۔ میں سمجھ گیا۔ دیکھیے اس شہر میں فی الحال ایسی کوئی عورت نہیں ہے۔ ہاں یہاں ایک ڈاکٹر کوپراس رہتے ہیں۔ ان کی ایک لڑکی ہے۔ وہ آپ کے لائق ہے۔

خیر سلا: اجی کوئی ہو۔ ہمیں تو جورو سے کام ہے۔

ایجنٹ: تو بس آپ کو ہفتہ بھر میں مل جائے گی۔

خیر سلا: دیکھیے ذرا اچھا مال ہو تو آپ کا کمیشن بھی اچھا رہے گا۔

ایجنٹ: آپ بے فکر رہیں۔

خیر سلا: مگر کہیں دھوکا نہ کھا جانا۔ کیونکہ آج کل ساٹھ ساٹھ برس کی بڑھیاں منہ پر چونا مل لیتی ہیں اور ہاتھ میں پنّھا لے کر ٹوٹی بائسیکل کی طرح کہیں تھرکتی پھرتی ہیں۔ دیکھو نئی نئی ٹم ٹم سمجھ کر پرانے چھکڑے کو نہ اٹھا لانا۔

ایجنٹ: اجی واہ۔ ہم کہیں دھوکا کھانے والے ہیں۔

خیر سلا: مگر ذرا جلدی۔ اور کام بھی سستے میں ہو۔

ایجنٹ: یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب میں آپ کو غیر تھوڑا ہی سمجھتا ہوں۔ اچھا بندگی۔

(ایجنٹ کا جانا)

خیر سلا: تسلیم۔ بھئی واہ۔ اب تو دو چار روز میں ایک فیشنیبل جورو کے خاوند کہلائیں گے۔ اور خدا نے چاہا تو دو چار ہی مہینوں میں دس بیس بچوں کے باپ بن جائیں گے۔

(گانا)

بڑی بانکی دولھیاں، موہنیاں، سجیلی البیلی ملے موری نار

بن جاؤں، کہلاؤں دس بیس بچوں کا باپ
بڑی بانکی.....
وہ کہیں مجھے فادر۔ میں کہوں او مائی ڈیر... مائی ڈیر
بڑی بانکی....
بنوں بنوں میں جنٹل مین
ہاں۔ ارے باغ و بنگلے سجا ڈالوں رے
میڈم کو ساتھ ساتھ۔ بغل میں ڈال ہاتھ۔ واکنگ کو لے جاؤں رے
دیکھ یار غار کہیں لک ہیر۔ لک ہیر
بانکی دولھنیاں.....

باب پہلا ——————سین چوتھا

طاہرہ کا مکان

(طاہرہ کا اندر سے گاتے ہوے آنا)

جل تھل میں تو ہے
پل پل میں تو ہے
داتا بدھاتا
بہکانے میں پربھوناتھ۔ جگ مات
جگ انوپ روپ دیکھ کر کیرتی گاویں
جل تھل میں تو ہے
چھپالے دامنِ رحمت میں ان گناہوں کو
الٰہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر ہمیں محتاج
یہ اس کے بندے ہیں جس کو کریم کہتے ہیں
کشٹ ہرن۔ تمھرے چرن گنیں آویں ہیں۔ جل تھل.....

سہیل: امی جان۔ کل مجھ سے مرزا ظفر کہتے تھے کہ بغیر تیر و تلوار کے سلطنت کا کام انجام نہیں پاسکتا۔

طاہرہ: نہیں بیٹا۔ تیر و تلوار کے زور سے بادشاہ کے سامنے صرف رعیت کا سر جھکتا ہے۔ مگر دل کبھی نہیں جھکتا ہے۔ دل اسی وقت

اطاعت کا اظہار کرتا ہے جب بادشاہ انصاف کے ساتھ رحم دلی اختیار کرتا ہے اور رعایا کو اپنی اولاد سمجھ کر سچے دل سے پیار کرتا ہے۔

سہیل: ای جان میں ہمیشہ عدل و انصاف سے بادشاہی کروں گا۔

طاہرہ: تو بیٹا ملک کے تمام مرد عورت تمھارے لیے دعائیں منائیں گے۔ جوان تم پر اپنے سر کٹائیں گے اور بچے تمھارے نام کے گیت گائیں گے اور تمھاری سلطنت کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔

(خادم کا آنا)

خادم: حضور عالی۔ امیرالامرا نواب قلو خاں کے صاحب زادے نواب طغرل بیگ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ کیا حکم ہے؟

طاہرہ: ان کو عزت کے ساتھ لاؤ.....جاؤ بیٹا خدا تمھیں برکت دے۔ ؎

باغ عالم میں لاکھ سال رہو
میرے بچے سدا نہال رہو

(طغرل بیگ کا آنا)

طغرل: خادم کورنش ادا کرتا ہے۔

طاہرہ: خوش آمدی طغرل خوش آمدی۔ میں تمھیں دیکھ کر بہت خوش ہوں۔

طغرل: میں اپنی خوش نصیبی پر مغرور ہوں۔

طاہرہ: کوئی شاہی پیغام لائے ہو یا جنگ فتح ہوگئی اس کا مژدہ دینے آئے ہو۔

طغرل: بے شک ہم نے دشمنوں پر فتح پائی ہے مگر ساتھ ہی ایک بری

شکست کھائی ہے۔

طاہرہ: وہ کیا؟

طغرل: آہ کیا کہوں۔ خونِ امید ہوگیا۔ رعیت کا باپ ہمارا بادشاہ شہید ہوگیا۔

طاہرہ: او خدا۔ او خدا۔ یہ میں کیا سنتی ہوں طغرل۔ طغرل یہ تم کیا کہتے ہو۔

طغرل: وہ جو میں آپ سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔

طاہرہ: تو کیا واقعی سہیل یتیم ہوگیا۔ اس کا نصیب سو گیا؟

طغرل: ہماری بد نصیبی۔

طاہرہ: ہاں بدنصیبی۔ بدنصیبی۔ ہم تم سب بد نصیب ہیں۔ اور ہم سب سے زیادہ سہیل بدنصیب ہے۔ سہیل۔ اب تیرے پاس غمگین صورت اور روتی ہوئی آنکھوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ تیرا تمام سکھ لٹ گیا۔ ماں سے بچھڑنے کا غم ابھی مرجھایا نہ تھا کہ باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

طغرل: بانو قسمت اور موت سے کون لڑسکتا ہے۔

طاہرہ: آہ طغرل۔ زندگی میں ہر ایک چیز کھونے کے بعد مل سکتی ہے مگر ماں باپ کی محبت دوبارہ نہیں مل سکتی۔ ہم تم سہیل کے لیے دنیا بھر کے دکھ اٹھائیں گے، کلیجے سے لگائیں گے، آنکھوں پر بٹھائیں گے، چھاتی پر سلائیں گے مگر ماں کی ایک چمکار اور باپ کے ایک پیار میں جو سکھ خدا نے اس کے لیے رکھا تھا وہ سکھ اب کہاں سے لائیں گے۔

طغرل: بے شک سچ ہے۔ لیکن آپ تسلی رکھیں کہ جب تک ملکہ عالم سلامت ہیں شہزادے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ وہ شہزادے کی حفاظت، راحت اور آئندہ بہتری کے لیے کامل اہتمام کریں گی اور جب تک معصوم تخت و تاج سنبھالنے کے لائق نہ ہو خود محنت

اٹھاکر ملک اور رعیت کا انتظام کریں گی۔

طاہرہ: انتظام کرے گی۔ کون؟ کیا اس کی سنگ دل پھوپھی۔ وہ عورت جو کل تک سہیل سے نفرت کا اظہار کر رہی تھی وہ عورت جو تخت و تاج پر قبضہ کرنے کے لیے مدت سے اپنے بھائی کی موت کا انتظار کر رہی تھی۔

طغرل: معاف کیجیے آپ ملکہ عالم کی نیت پر حملہ کرتی ہیں۔

طاہرہ: میں اس کی نیت کا حال تم سے زیادہ جانتی ہوں کیونکہ بھیڑیے کو بھیڑ کی کھال میں بھی پہچانتی ہوں۔

طغرل: اگر ملکہ کی نیت حریص اور بے انصاف ہوتی تو جس وقت ان کی شاہی کا اعلان کیا گیا، رعیت ضرور خلاف ہوتی۔

طاہرہ: خدا وندا۔ کیا وہ تاج بھی پہن چکی۔ تخت کی مالک بھی ہوچکی۔

طغرل: جی ہاں۔ مگر ملک کی مرضی سے نہ کہ خود غرضی سے۔

طاہرہ: افسوس۔ افسوس۔ مرحوم ملکہ نے اپنی موت کے وقت تھرتھراتی ہوئی زبان سے جو پیشین گوئی کی تھی وہ آج پوری ہوئی۔ ماں کا کینہ معصوم بچے سے نکالا گیا۔ خدا اور انصاف کی موجودگی میں ایک یتیم کے حق پر ڈاکہ ڈالا گیا۔

طغرل: ٹھہریے۔ رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کیجیے۔ آپ غلطی پر ہیں۔

طاہرہ: میں غلطی پر ہوں یا جس نے حق کا، انصاف کا، خدا کے فرمان کا خون کیا وہ غلطی پر ہیں۔ تم غلطی پر ہو جو حق دار کے ہوتے غیر حق دار کے طرف دار ہوگئے۔ وہ ایمان فروش غلطی پر ہیں جو دولت اور خطاب کے لالچ میں آکر اپنا ضمیر بیچنے کو تیار ہوگئے۔

طغرل: ایسا نہیں ہوا۔

طاہرہ: ایسا ہی ہوا۔

طغرل: اگر فرض کرلیں کہ ایسا ہی ہوا تو حکومت اور طاقت کے سامنے کون سر اٹھانے کی جرأت کرسکتا ہے۔

طاہرہ: تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ دنیا بہادروں اور شریفوں سے خالی ہے۔
طغرل: میرے خیال میں تو آج ایسا ایک آدمی بھی نہیں ہے۔
طاہرہ: ہے اور بے شک ہے۔
طغرل: کون؟
طاہرہ: ملک کا سچا رفیق، میرا بہادر توفیق۔
طغرل: کیا آپ یہ یقین سے کہتی ہیں۔
طاہرہ: ہاں یقین سے اور ساتھ ہی غرور سے کہتی ہوں۔
طغرل: مگر انسان کا غرور کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ کیا آپ اس انگوٹھی کو پہچانتی ہیں؟
طاہرہ: بے شک یہ انگوٹھی میرے شوہر کی ہے۔ مگر اس سے تمھارا مطلب؟
طغرل: مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے شوہر کے حکم سے آپ کو ملکہ کی تاج پوشی کا حال سنانے اور سہیل کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اور سچائی کے ثبوت میں یہ گواہ ساتھ لایا ہوں۔
طاہرہ: او خدا۔ کیا چند روزہ دولت کا لالچ اس قدر طاقت ور ہے کہ ایک فرشتہ سیرت انسان کے دل سے بھی نیکی، رحم اور سچائی اور ایمان تک چھین لیتا ہے۔ طاہرہ۔ طاہرہ۔ اگر فرشتے پر بھی حرص و ہوس کا جادو چل گیا، توفیق جیسا آدمی بھی اپنے قول و فعل سے بدل گیا تو بس معلوم ہوا کہ ایمان انسانوں پر لعنت بھیج کر اس ذلیل دنیا سے نکل گیا۔
طغرل: اب تو یقین ہوا کہ آپ کے شوہر.....
طاہرہ: بس چپ رہو۔ اگر توفیق ہی نے سہیل کو لانے کے لیے تمھیں یہاں بھیجا ہے تو وہ ہرگز میرا شوہر نہیں ہے۔ جس طرح یہ ساری دنیا فریبی اور جھوٹی ہے اسی طرح وہ بھی دغا باز اور جھوٹا ہے۔
طغرل: تو کیا آپ سہیل کو دینا نہیں چاہتی ہیں؟
طاہرہ: ارے تم، تمھارا بزدل توفیق۔ تمھاری ملکہ اور ملکہ کے تمام طرف دار

شیطان مجھ سے جنگ کرنے آئیں تو سہیل کیا سہیل کا ایک ناخون، ایک رواں تک نہیں لے جاسکتے۔

طغرل: عورت کا فرض ہے کہ اپنے شوہر کے حکم کی فرماں بردار ہو۔

طاہرہ: بے شک۔ مگر ایسی حالت میں شوہر شریف اور ایمان دار ہو۔ جاؤ ملاقات ختم ہوئی۔ اس ذلیل بزدل آدمی سے کہہ دینا کہ طاہرہ بیوہ ہوگئی۔ آج سے نہ میں اس کی بیوی اور نہ وہ میرا شوہر۔ ؎

راحت کے دن خوشی کا زمانہ گزر گیا
میں آج سے یہ سمجھوں گی توفیق مرگیا

طغرل: میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے کی اولاد کے لیے اپنی زندگی برباد کرنا کون سی دانائی ہے۔ ؎

چھوڑ دیجیے ساتھ اس کا بھی اسی میں خیر ہے
بھانجہ، بیٹا، بھتیجہ، کون ہے ایک غیر ہے

طاہرہ: غیر تم سمجھتے ہو۔ میں نہیں۔ اب تم یہاں سے جاؤ۔

طغرل: دیکھو اژدہے کو نہ جگاؤ۔ شیر کو نہ چھیڑو۔ پہاڑ سے نہ ٹکراؤ۔ اگر شمسہ اور سہیل کے بیچ میں آؤ گی تو پرانی دیوار کی طرح ڈھا دی جاؤ گی۔

تیر سے، تلوار سے، سختی سے، ظلم و جور سے
یوں نہیں تو اس کو لے جائیں گے ہم اس طور سے

طاہرہ: بس خاموش۔ اگر ذلیل ہوکر یہاں سے جانا نہیں چاہتے تو بغیر ایک لفظ بولے باہر نکل جاؤ۔ البتہ سہیل کو لینا ہے تو پہلے گھر جاکر ماں باپ سے مل لو، دوستوں سے رخصت ہو لو، کفن کے لیے کپڑا اور دفن کے لیے زمین کا ٹکڑا تلاش کرلو۔ اس کے بعد کمر کس کر، تلوار باندھ کر، کفن سر سے لپیٹ کر یہاں آؤ پھر اگر موت نے رحم کھاکر زندگی بخش دی تو معصوم شہزادے کو ہم سے چھین لے جاؤ۔ ؎

جب تک یہ روح آتشِ غیرت سے گرم ہے
چہرے پہ آنکھ، آنکھ میں دنیا کی شرم ہے
کندھے میں سر ہے سر میں وفا کا جنون ہے
تن میں رگیں رگوں میں شرافت کا خون ہے
سینے میں دل ہے دل میں خدا کا خیال ہے
ایذا دے میرے لال کو کس کی مجال ہے

طغرل: معلوم ہوا کہ تمھاری آنکھیں مصیبت آنے سے پیش تر نہیں کھل سکتی ہیں ۔

یہ سرکشی دکھائے گی اب روز بد تمھیں
دیکھوں تو کون دیتا ہے آکر مدد تمھیں

(توفیق کا داخل ہونا)

توفیق: میں۔ دغاباز کے بچے میں۔

طغرل: کون؟ توفیق اور آزاد؟

توفیق: منھ کیا تک رہا ہے۔ ہاں تجھے حیرت ہوگی کہ وہ لوہا جو سہیل کے ایک طرفدار کو ہر طرف سے جکڑے ہوئے تھا کیوں کر ٹوٹ گیا اور وہ توفیق جس کی انگوٹھی چرا کر تو ایک وفادار عورت کو بے وفا بنانے کی فکر میں ہے کس طرح دغاباز شمسہ کی قید سے چھوٹ گیا۔

طاہرہ: او خدا۔ یہ میں کیا سن رہی ہوں۔ میرے مظلوم شوہر۔

توفیق: مگر خوب یاد رکھ کہ انسان سے انسان کا پیدا کرنے والا زیادہ زبردست۔ ارادۂ الٰہی کے سامنے سب کا منصوبہ پست ہے۔ ۔

جگر کے پاس آکر تیر کا پیکان پھر جائے
چھری الٹی پھرے، خنجر رکے، تلوار گر جائے
خدا حافظ ہے تو انسان ہر گز مر نہیں سکتا

سپر ہے وہ تو دشمن بال بیکا کر نہیں سکتا

طغرل: توفیق۔

توفیق: بس دور ہو شیطان۔ نیند کی حالت میں میری انگلی سے انگوٹھی اتار کر ایک نمک حلال عورت کو دھوکا دینے آیا ہے۔ ؎

بھونک دوں شمشیر قبضے تک دل ناپاک میں
توڑ دوں سر،تھوک دوں منھ پر،ملا دوں خاک میں

طغرل: توفیق۔ زبان روک لے ورنہ پچھتائے گا۔ ایک بار شیر کے پنجے میں آکر نکل گیا تو کیا دوبارہ قبضے میں نہ آئے گا۔ اگر اس قلعے کو تہس نہس کرکے اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں۔ جس قید خانے سے بھاگ نکلا ہے، پھر زنجیروں میں جکڑ کر اسی قیدخانے میں نہ پہنچا دوں تو مجھے قتلو کا بیٹا طغرل نہ کہنا۔

توفیق: جاجا۔ سر سلامت لے کر چلا جا۔ ورنہ اس کا جواب منھ سے نہیں تھپڑوں بلکہ پیر کی ٹھوکروں سے دیا جائے گا۔

طغرل: ٹھیک ہے دیکھ لوں گا۔ قلعہ کی مرمت، دمدمہ کی حفاظت، پشتے کی درستی، فوج کی تقسیم، رسد کا انتظام، صف بندی کا اہتمام غرض کل کیل کانٹے سے ہوشیار رہنا۔ ؎

پتہ زمیں پہ کیا آسمان تک نہ ملے
مٹادوں ایسا کہ تیرا نشان تک نہ ملے

(طغرل کا جانا)

توفیق: دور ہو مردود۔

طاہرہ: او خدا۔ ایک عورت سے کتنا بڑا دھوکا۔ کیسی شرم ناک دغابازی۔ معاف کر میرے مالک میرے سرتاج۔ میرے فرشتے اپنی کنیز کو معاف کر۔ میں شرمندہ ہوں کہ غصے کی حالت میں میرے ہونٹوں

سے تمھارے شریف نام کی بے عزتی ہوئی۔

توفیق: نہیں۔ میری پیاری کچھ نہیں۔ نابکار طغرل نے تمھیں دھوکا دینے کے واسطے جو کچھ میری طرف سے بیان کیا اگر اسے سن کر تم مجھ پر کروڑوں لعنت بھیجتیں تو بھی جائز تھا۔ مجھے غرور ہونا چاہیے کہ آج میں تمھاری جیسی نیک، شریف، غیرت مند، وفا شعار بیوی کا خاوند ہوں۔

طاہرہ: میرے پیارے اپنے آخر دم تک سہیل کی حفاظت کرنا ہمارا سب سے پہلا فرض ہے۔ اب وہ دن قریب ہے جب شمسہ کی فوجیں ہمارے قلعے کی چاروں طرف پھیلی ہوئی دکھائی دیں گی۔ خبردار مصیبت سے نہ ڈرنا، ہمت نہ کھونا، بات نہ گنوانا، مارنا یا مرجانا۔ مگر تم نے شمسہ کی قید کی رہائی کیوں کر پائی۔

توفیق: میرے دوست جنرل قہرمان نے دلائی۔

طاہرہ: لیکن اب وہ دن بہت قریب ہے کہ شمسہ کی فوج ہم پر حملہ آور ہوگی۔ اب ہمیں قلعے اور سہیل کی بغور حفاظت کرنی چاہیے۔

توفیق: نہ گھبراؤ۔ جنرل قہرمان نے ہمیں کافی مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ہم نے بھی نشان بغاوت بلند کیا ہے۔ بس میں پہنچا کہ جنگ چھڑ گئی۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔

طاہرہ: ؎

شوق جانبازی ہو اک اک رگ میں اک ایک بال میں
دیکھنا لغزش نہ آنے پائے استقلال میں

توفیق: اطمینان رکھو۔ ؎

فرق آنے پائے گا ہر گز نہ اپنی آن میں
مار کر آئیں گے یا مرجائیں گے میدان میں

(گانا)

کرکر کر کارزار میں
ہزار ماروں، دشمن بجلی بن کے تیغ چمکے
شرر یا رعد گرجے
جو ہاتھ دراقگن کار زار
جنگ و جدال۔ دم قتال اس کمال سے کروں گا دشمن کو قابو میں
ڈال ڈال۔ دم بھر میں کروں نڈھال
کہیں یہ سپر ہو کہیں پہ ہو تن کارزار میں.....

باب پہلا ــــــــــ سین پانچواں

خیر سلاّ کا مکان

(گانا میڈم اور سیفو کا)

میڈم: نئے فیشن سے، پوزیشن سے۔
سیفو: او یس۔
میڈم: آئی ایم بیوٹی فل میڈم۔ جس پارٹی میں جاتی ہوں سب کہتے ہیں ویلکم، اڑاتی پھرتی ہوں تم تم۔
سیفو: آہاہاہاہا۔
میڈم: منھ پر لگایا پوڈر۔ بالوں میں سینٹ ڈالا۔ سائیکل لی اور کلب کا راستہ سنبھالا۔ تھیٹر میں رات کاٹی ہوٹل میں دن نکالا۔ پوچھا میاں نے گھر ہے کہ دھرم شالہ۔ یہ ڈانٹ دی کہ ہُو آر یو کالا چمڑے والا۔ بڑے فیشن سے......

(دونوں کا چلے جانا اور خیر سلاّ کا آنا)

خیر سلاّ: واہ بھئی اب تو سنگل سے ڈبل ہوگئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ڈربی کی لاٹری اور پٹاخہ سی جورو قسمت سے ملتی ہے۔ مگر ہم کو تو گھر بیٹھے فیشنیبل بیوی مل گئی۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ پرانی جورو آٹھ

روپے میں مہینہ بھر خرچ چلاتی تھی اور یہ آٹھ سو اٹھاتی ہے پھر بھی خرچ کم بتاتی ہے۔ اجی اس کی کیا پرواہ۔ ہمارے اس کے روپے کچھ دو ہیں۔ آج ہم کماتے ہیں وہ اڑاتی کل وہ کمائے گی ہم اڑائیں گے۔ سیفو ارے سیفو۔

سیفو: آل رَیٹ سر۔

خیر سلاّ: مالک نے ٹھاٹھ بدلا تو نوکر نے بھی پرانی کینچلی اتار دی۔

سیفو: فرمایئے کیا حکم ہے۔

خیر سلاّ: میم صاحب کدھر ہیں؟

سیفو: اپنے ڈریسنگ روم میں۔

خیر سلاّ: کیا بال بناتی ہیں؟

سیفو: نہیں کل ایک بندر مارکیٹ سے خرید لائی ہیں اسے چھری کانٹے سے کھانا کھانا سکھلاتی ہیں۔

خیر سلاّ: بے وقوف۔ بندر کو چھری کانٹے سے کھانا کیسے آئے گا۔

سیفو: کیوں نہیں آئے گا۔ آخر آپ کیسے سیکھ گئے۔

خیر سلاّ: چپ بے ادب کیا بکتا ہے۔ جا میم صاحبہ کو بلالا۔

سیفو: اچھا تم اپنا نام کا کارڈ دو۔

خیر سلاّ: کیوں؟

سیفو: میم صاحبہ کا حکم ہے۔

خیر سلاّ: اے میم صاحبہ کا بچہ جاتا ہے کہ نہیں۔

(خیر سلاّ سیفو کو مارتا ہے)

سیفو: او میم صاحبہ۔ دوڑو دوڑو۔ مارڈالا۔ مارڈالا۔

ڈالی: وَٹ دی میٹر۔ ہیں تم غریب بوائے پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔

خیر سلاّ: چھوڑ میں اس کی جان لوں گا۔

ڈالی: آخر اس سے کیا قصور ہوا۔

سیفو: صرف اتنی بات پر بگڑ گئے ہیں۔ کہا کہ میم صاحبہ سے ملنے کے لیے اپنا کارڈ دو۔

ڈالی: او۔ یہ ٹھیک کہتا ہے۔

خیرسلاّ: تو کیا اپنی جورو سے ملنا ہو تو کارڈ دکھاؤ۔ ورنہ بیرنگ واپس جاؤ۔

ڈالی: یہ تو ایک قاعدے کی بات ہے۔

خیرسلاّ: میرے گھر میں ایسا قاعدہ نہیں چلے گا۔

ڈالی: کیوں نہیں چلے گا۔ ضرور چلے گا۔

خیرسلاّ: تم مجھے دھمکاتی ہو۔ میں تمھارا شوہر ہوں۔

ڈالی: مگر گھر میں آنے کے بعد جورو بن کر رہنا ہوگا۔

خیرسلاّ: نہیں تو کیا ہوگا؟

ڈالی: میں کبھی ایسے گھر میں نہ رہوں گی جہاں قاعدے اور فیشن کی عزت نہیں۔

خیرسلاّ: بھئی واہ۔ شوہر چھوٹے تو چھوٹے مگر قاعدہ اور فیشن نہ چھوٹے۔ یہ بھی آجکل کا فیشن ہے۔ اچھا صاحب جانے دو۔

ڈالی: نہیں تم نے میرا انسلٹ کیا ہے۔ اس لیے معافی مانگو۔

خیرسلاّ: ہیں۔ ہیں۔ مرد ہوکر عورت سے معافی مانگوں۔

سیفو: اجی میاں مانگ لیجیے۔ یہ بھی آج کا فیشن ہے۔

خیرسلاّ: اچھا بھئی فیشن ہے تو معاف کردو۔

ڈالی: تھینک یو ڈیر۔ اس برتاؤ سے ثابت ہوا کہ تم پکے جنٹل مین ہو۔

خیرسلاّ: تو پہلے کوئی حجام تھا۔

ڈالی: صورت سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

سیفو: یس میڈم۔

خیرسلاّ: ابے تو کاہے کو انگریزی کی ٹانگ توڑ رہا ہے۔ الگ ہٹ۔

سیفو: آل رائٹ سر۔

ڈالی: ڈیر دیکھو۔ وہائٹ وے لیڈ کا آدمی یہ بل دے گیا ہے۔ ذرا اسے چکادو۔

خیرسلاّ: ارے اب کاہے کا بل۔ گئے مہینے تو تمھارے نام پر پانچ سو بھینٹ چڑھا چکا ہوں۔

ڈالی: یہ تو اس مہینے کا بل ہے۔ دیکھو تو سہی آج کل میں کتنا کم خرچ کرتی ہوں۔ اگلے مہینے میں تو پورے پانچ سو تھے اور اس مہینے میں صرف چار سو ستانوے روپے ہوئے ہیں۔

خیرسلاّ: تین روپے کی بچت۔ تھینک یو۔ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ڈالی: اچھا دیکھ تو جاؤ۔

خیرسلاّ: بائسیکل کا لیمپ پندرہ روپے۔ موٹر کار کا کرایہ ٹوینٹی روپیں۔ کتے کے گلے کا پٹہ ٹن روپیں۔ یہ کون کتا ہے۔ سیفو؟

سیفو: نہیں۔ میاں خیرو۔

خیرسلاّ: آئی گلاس۔ گیارہ روپیہ۔ ارے تمھیں تو رات کے وقت بھی بلی کی طرح سوجھتا ہے۔ پھر آئی گلاس لگانے کی کیا ضرورت ہے؟

ڈالی: واہ۔ آئی گلاس لگانا تو آج کل کا فیشن ہے۔

خیرسلاّ: ارے۔ کیا فیشن کے پیچھے اپنی آنکھیں کھو دوگی۔

ڈالی: آنکھیں پھوٹیں تو پھوٹیں مگر فیشن نہ چھوٹے۔

خیرسلاّ: اچھا بھئی۔ یہ اندھا فیشن بھی ٹھیک ہے۔ پف پوڈر۔ لونڈر اینڈ سینٹ۔ فور روپیں۔ ریشمی موزے پانچ روپیہ۔ ویسٹ کوٹ کا کپڑا۔ سات روپیہ اور اس کی سلائی ساٹھ روپیہ۔ باپ رے سات روپیہ کا کپڑا اور اس کی سلائی ساٹھ روپیہ۔

ڈالی: یس۔ اونلی سکسٹی روپیں۔ کیا ساٹھ روپے بہت ہوئے۔ ڈاکٹر ونڈر فل کی مسیس تو ایک پولکے کی سلائی ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ دیتی ہیں۔

خیرسلاّ: جبھی تو ڈاکٹر ونڈر فل کے میڈیکل ہال میں بیمار کے بدلے

مارواڑی اور بیلف وارنٹ لیے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔

ڈالی: او ڈیر۔ ڈیر۔ ڈیر۔

خیر سلاّ: واٹ۔ واٹ۔ سیفو گو آن۔ گٹ دی چیئر۔

ڈالی: ڈیر۔ میرے شوز کا لیس ذرا ٹائٹ ہوگیا ہے اسے کھول دو۔

خیر سلاّ: ارے میں تمھارا شوہر ہوں یا نوکر۔

ڈالی: میرے پیر میں درد ہورہا ہے اور تمھیں دلگی سوجھتی ہے۔ دیکھو جلدی کرو ورنہ میں بگڑ جاؤں گی۔

خیرسلاّ: ارے بگڑو نہیں۔ میں کھولتا ہوں۔ (سائڈ میں) کیا کہیں یہ رویہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔

ڈالی: ڈیر۔ ذرا رومال سے صاف بھی کردو۔

خیرسلاّ: ارے میں تمھارا شوہر ہوں یا موچی۔ ذرا ان مونچھوں کا بھی تو خیال کرو۔ لوگ کیا کہیں گے۔ باہر نکلوں گا تو مجھے جینے نہ دیں گے۔

ڈالی: تم جنٹل مین ہوکر اپنی بی بی کے ساتھ ایسی باتیں کرتے ہو یہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

خیرسلاّ: تو کیا سب جنٹل مین اپنے گھروں میں لیڈیوں کے جوتے صاف کیا کرتے ہیں۔

ڈالی: جلدی کرو۔ ورنہ میں بگڑ جاؤں گی۔

خیرسلاّ: بگڑو نہیں (سائڈ میں) کیا ہنستے ہو یارو۔ خدا جانے ہماری طرح کتنے جنٹل مین گھر میں لیڈیوں کے جوتے صاف کیا کرتے ہوں گے۔

سیفو: او میڈم۔ غضب ہوا۔ غضب ہوا۔

ڈالی: کیا ہوا بوائے۔

سیفو: میم صاب۔ کل جو آپ مارکیٹ سے بندر خرید لائی تھیں اس نے لیمپ گرادیا اور سرکار کا نیا کوٹ پتلون جل گیا۔

ڈالی: یو فول۔ شور کیوں کرتا ہے۔ کوٹ پتلون جل گیا تو جل جانے دے۔ سرکار تو نہیں جل گئے۔

سیفو: میم صاحب۔ سرکار کے جلنے کا تو مجھے بھی غم نہیں مگر افسوس یہ ہے کہ اس کے ساتھ آپ کے ریشمی موزے بھی جل گئے۔

ڈالی: او گڈ نس۔ کیا میرے موزے بھی جل گئے۔ اور تو نے نہیں بچایا۔ یو پاجی۔ سور۔ گدھا۔

خیرسلاّ: (سائڈ میں عوام سے) سنو۔ سرکار کا نیا کوٹ پتلون جل گیا تو میم صاحب ٹس سے مس نہ ہوئیں اور اپنے چھ آنے کے موزے جل گئے تو چھچھوندر کی طرح ناچنے لگی۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔

ڈالی: دیکھو ڈیر۔ میرے لیے آج ہی شام کو ریشمی موزے لادو۔

خیرسلاّ: ارے میں سب کچھ لادوں گا لیکن تمھاری بعض حرکتیں مجھے پسند نہیں آتیں۔

ڈالی: تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

خیرسلاّ: میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم دن بھر سائیکل اڑاتی پھروگی تو گھر کا انتظام کون کرے گا؟

ڈالی: گھر گیا جہنم میں۔ گھر کے لیے کوئی گورنس نوکر رکھ لو۔

خیرسلاّ: پھر تمھیں شادی کرکے کس لیے لایا؟

ڈالی: میاں وہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے۔ اور مرد عورتوں کے ہاتھ کی پکی پکائی کھاتے تھے۔ آج کل تو عورتوں کا دور دورہ ہے جھاڑو دینا، چکی پیسنا، برتن مانجنا، بوٹ صاف کرنا، بستر بچھانا سب کام مردوں کو کرنا ہوگا۔

خیرسلاّ: جھاڑو دینا، چکی پیسنا، برتن مانجھنا، بوٹ صاف کرنا، بستر بچھانا، یہ کرنا وہ کرنا سب کام مردوں کو کرنے ہوں گے تو پھر عورتیں کیا کریں گی؟

ڈالی: مردوں پر حکومت کریں گی۔ اخباروں میں آرٹیکل لکھیں گی۔ پارلیمنٹ

کی ممبر ہوں گی، ہائی کورٹ کی جج بنیں گی۔ غرض ہر بات میں مردوں کی ناک کاٹیں گی۔

خیر سلا: آج کل کے مردوں کے چہرے پر ناک ہی کہاں ہے۔

ڈالی: بوائے۔

سیفو: یس میڈم۔

ڈالی: جاؤ ہمارے واسطے ایک کپ چائے لاؤ۔

سیفو: آل رائٹ میڈم۔

خیر سلا: اور ہمارے واسطے ایک کپ کافی لاؤ۔

سیفو: ٹھہریے صاحب۔ پہلے میں اپنے مالک کا کام کروں گا پھر آپ کا۔

خیر سلا: تو کیا میں تیرا مالک نہیں ہوں؟

سیفو: میں تو میم صاحب کا نوکر ہوں۔

خیر سلا: سنتی ہو۔

ڈالی: برابر بولتا ہے۔ کیونکہ تنخواہ میرے ہاتھ سے پاتا ہے۔

خیر سلا: مگر روپے تو میرے ہوتے ہیں۔

ڈالی: مگر حکم تو میرا چلتا ہے۔

خیر سلا: تو تم چاہوگی تو ہم کو بھی کسی روز جھاڑو ٹوکرا دے کر گھر سے نکال دوگی۔

ڈالی: واٹ آر یو ٹاکنگ نانسنس۔ بوائے جاؤ آیا سے کہو کہ صاحب کے واسطے ایک کپ کافی تیار کرو۔

سیفو: آل رائٹ میڈم۔

خیر سلا: اچھا میڈم کے بچے۔ میں تجھ سے سمجھوں گا۔

سیفو: دیکھیے دیکھیے وہ بڑبڑاتا ہے۔

ڈالی: ڈیر تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہوجاتے ہو۔ دیکھو تو میں تمھاری کیسی خدمت گزاری کرتی ہوں۔

خیرسلا: (عوام سے) کیا کہیں یارو۔ ہمارا دل بھی بالکل ہندوستانی ہے۔ گلے میں ہاتھ پڑتے ہی ڈھیلا ہوجاتا ہے۔ اس کی چٹک مٹک دیکھ کر پلپلا ہوجاتا ہے۔

ڈالی: مائی ڈیر خیرو۔

خیرسلا: مائی ڈیر جورو۔

ڈالی: شٹ نانسینس۔ واٹ ڈو یو مین بائی جورو۔ پھر تم نے وہی پرانا آوٹ آف فیشن نام لیا۔

خیرسلا: تو پھر تم خفا کیوں ہوگئیں؟

ڈالی: تم نے مجھے جورو کیوں کہا؟

خیرسلا: تو پھر کیا کہوں۔ نانی۔ اماں۔ خالہ۔ دادی۔ بیٹی۔ آخر کہوں کیا؟

ڈالی: ڈونٹ یو لو مائی نیم۔ سے ڈیر ڈالی۔

خیرسلا: ڈیر ڈالی۔

ڈالی: واہ میاں ڈفالی۔

خیرسلا: ڈفالی؟ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔

باب پہلا ـــــــــ سین چھٹا

تسنیم کا باغیچہ

(سہیلیوں کا گانا)

باد بہار آئی، ہونے نثار آئی
کرتی ہے بلبل شور، پیاری نگار آئی
چھائی ہر گل پہ لالی۔ بلبل ہے متوالی۔ جھومتی ڈالی
پھولوں کی مہک سے جیا شاد کرو
مل مل سب، پھولوں کی پھبن، چلت پون، ہر گل.....
تم پر بلہاری۔ سکھیاں ساری
واریں جیروا۔ ہروا گرے میں ڈاریں۔ دوہروا۔ سندروا۔ پیروا
گلشن تم پے واریں۔ ہر گل.....

تسنیم: ؎

قوت نامیہ محو چمن آرائی ہے
سبز پوشاک ہر اک شاخ کو پہنائی ہے
موتی بکھرے ہیں کہ پانی کے پڑے ہیں قطرے
آتش گل کا دھواں ہے کہ گھٹا چھائی ہے

سہیلی ا: پیاری۔ باغ کے ساتھ کچھ اپنی بھی تو تعریف کرو۔ ؎

گل عذار و سر و قد، غنچہ دہن تم بھی تو ہو
سر سے لے کر پاؤں تک پیاری چمن تم بھی تو ہو

تسنیم: ؎

اری ڈھیٹ کیوں جھوٹ بکتی ہے اتنا
غضب بے پے کیوں بہکتی ہے اتنا

سہیلی ۲: پیاری تم سرتاپا باغ ہو اس میں شک ہی کیا ہے۔ ؎
بہار چشم و گیسو نرگس و سنبل سے تم پوچھو
یہ دونوں پھول کیسے ہیں کسی بلبل سے تم پوچھو

سہیلی ۱: اس گل کو کسی بلبل ہی کا انتظار ہے۔

سہیلی ۲: جہاں پھول ہوتا ہے وہاں بلبل دوڑا ہوا آتا ہے۔

سہیلی ۳: جہاں چوہا ہوتا ہے وہاں بلی کودتی ہوئی پہنچتی ہے۔

سہیلی ۲: مگر پیاری کوئی بلبل آئے تو اسے غصے سے نہ ڈرانا۔

سہیلی ۴: بلکہ چمکار چمکار کے پاس بلانا۔

سہیلی ۳: جب آجائے تو ضرور شادی کے پنجرے میں پھنسانا۔

سہیلی ۱: جب پھنس جائے تو روز نخروں کی چھری چلانا۔

تسنیم: دیکھو۔ اب ہم صبر کھودیں گے۔ زیادہ ستاؤ گی تو خدا کی قسم رو دیں گے۔

(سہیلیوں کا گانا)

البیلا چھیلا ایسا لاویں گے
جو رنگیلا ہو نئی آن کا، نئی بان کا، دل جان کا۔ البیلا....
موٹر گاڑی کی سیر کرادے
ایسی شان کا
البلا چھیلا ایسا لاویں گے
بڑی موٹر چلانے والی اری چل چل چل۔
بڑی باتیں بنانے والی اری چل چل چل

نئے نئے فیشن چلے تورا ساجن۔
بڑی فیشن دکھانے والی۔ اری۔ اری چل چل چل
سائیکل بٹھلاکے سیر کرا دے۔ وہ ذی شان
البیلا چھیلا ایسا لاویں گے

(سب کا جانا۔ ماشااللہ اور شہریار کا آنا)

ماشااللہ: اجی بندہ نواز گھر سے گھوڑے خریدنے نکلے اور یہاں کہاں جھنس پڑے۔ یہ باغ زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کا آنا منع ہے۔ اگر ہم بے دم کے چوہوں کو پولیس کا باگڑ بلاّ دیکھ پائے گا تو سیدھا بُڑے گھر لے جائے گا۔

شہریار: ابے تیری طبیعت تو مرغی کی طرح خوف کے انڈے دیا کرتی ہے۔ راستے کے تھکے ماندے ہیں۔ یہاں ذرا ستائیں گے۔ کسی کا باغ اپنے گھر نہ اٹھا لے جائیں گے۔

ماشااللہ: اگر میری باتوں کو حضور کا دل ناپسند کرتا ہے تو یہ مرغا اپنی ککڑوں کوں بند کرتا ہے۔

سہیلیاں: (اندر سے) بھاگو بھاگو شیر آیا۔ شیر۔

(تسنیم اندر سے دوڑتی ہوئی آتی ہے اور بیہوش ہوکر شہریار کے ہاتھوں میں گرتی ہے شہر یار فائر کرتا ہے۔)

شہریار: موذی سرد ہوگیا۔ پھول سا چہرہ خوف سے زرد ہوگیا۔

ماشااللہ: ہت تیرے کی۔ یہ کیا؟

شہریار: کیوں بے۔ تو یہاں کیوں آیا؟

ماشااللہ: آپ کا ناٹک دیکھنے کو۔

شہریار: چل نکل یہاں سے۔ اس وقت یہاں تیری کیا ضرورت ہے۔
ماشااللہ: سچ ہے باوا۔ کباب میں ہڈی کی کیا ضرورت ہے۔
شہریار: جاگ مصور کے قلم، شاعر کے خیال، قدرت کی کاریگری کو روشن کرنے والی حسینہ جاگ۔
ماشااللہ: جناب آپ کے ہاتھ تھک گئے ہوں گے۔ لائیے میں لے لوں۔
شہریار: کم بخت تو پھر آیا۔ جا اور فوراً جا۔
ماشااللہ: جی بجا ہے قبلہ۔
شہریار: یہ منھ بند کلی۔ بے بندھا موتی۔ کس کی قسمت کا ہوگا۔

(تسنیم کا ہوش میں آنا)

تسنیم: (پکارتی ہے) نرگس، سوسن، شمیم، نگوڑیاں کدھر گئیں۔ سب کی سب مرگئیں۔
شہریار: گھبرایئے نہیں وہ سب یہیں ہیں۔ شیر کے ڈر سے اِدھر اُدھر ہوگئیں۔
تسنیم: صاحب۔ کیا شیر سے میری جان آپ نے بچائی۔
شہریار: انسان کی کیا مجال ہے۔ بچانے والا وہ ذوالجلال ہے۔
تسنیم: (خود کلامی) یہ کون ہوگا۔ (مخاطب کرکے) میرے بچانے میں کوئی زخم تو نہیں آیا؟
شہریار: باہر تو کوئی زخم کا اثر نہیں۔ ہاں دل کے اندر چرکا لگا ہو تو خبر نہیں۔
ماشااللہ: عشق کی اندر سبھا کا پہلا باب شروع ہوگیا۔
تسنیم: آپ کون صاحب ہیں؟
ماشااللہ: یہ صاحب واحب نہیں ہیں ایک دیسی پنجر ہیں۔
شہریار: بانو میں ایک پردیسی غریب سپاہی ہوں۔

تسنیم: یہاں کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟

ماشااللہ: ایک بیوی ڈھونڈھنے کو آئے ہیں۔

تسنیم: میں سمجھی۔ شاید آپ ش ش ش......

ماشااللہ: ہاں ہاں شادی۔ شادی کے طلب گار ہیں۔ ماشااللہ آپ تو بڑی ہوشیار ہیں۔

(سہیلیوں کا آنا)

سہیلی ۱: یہ لو۔ یہاں تو اور ہی کچھ ہورہا ہے۔

سہیلی ۲: یہ سیر کے بھائی سوا سیر کہاں سے آن کودے؟

سہیلی ۳: پیاری۔ یہ کون صاحب ہیں؟

تسنیم: کون؟ کہاں؟

سہیلی ۲: وہ۔ وہ جو بہت خوش خوش نظر آتے ہیں۔ ہمیں یا تمھیں خدا جانے کسے دیکھ کر مسکراتے ہیں۔

تسنیم: کہاں۔ کون۔ کدھر؟ یہاں تو کوئی بھی نہیں۔

سہیلی ۱: یوں دیکھو یوں۔

تسنیم: یہ تو جنھوں نے شیر سے جان بچائی۔

سہیلی ۳: وہ ہیں۔ تب تو آپ کو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ماشااللہ: بچاری شکریہ ہی تو ادا کررہی تھی۔

سہیلی ۲: تو کیا ہماری سہیلی کو احسان فراموش سمجھتے ہو۔ اجی شکریہ بھی ادا کیا ہوگا اور اس کے صلے میں کوئی بڑا بھاری انعام بھی دیا ہوگا۔

سہیلی ۱: ہاں ہاں۔ پیاری۔ کیا انعام دیا۔ ہمیں بھی بتاؤ۔

سہیلی ۴: اجی واہ۔ بس سمجھ جاؤ۔

تسنیم: جاؤ جاؤ۔ مجھے نہ ستاؤ۔ مفت کی پھبتیاں نہ اڑاؤ۔

سہیلی ۳: اچھا اچھا نہ شرماؤ۔ اب بہت دیر ہوئی چلو گھر کو آؤ۔

تسنیم: ہاں ہاں چلو بندگی۔

شہریار: کورنش ۔

سونگھنے بھی میں نہ پایا تھا کہ وہ گل اڑ گیا

ماشاللہ: ۔

رہ گیا الو کا پٹھا اور بلبل اڑ گیا

ہمت تیرے کی۔ یہ تو پھر آگئی۔

تسنیم: جناب مجھے معاف کیجیے۔ میں جلدی میں آپ کا شکریہ ادا کرنا بھول گئی تھی۔

شہریار: مگر خدا کے لیے کہیں شکریے کے ساتھ مجھے نہ بھول جائیے گا۔

تسنیم: آپ کی مہربانی کہیں بھولنے کے لائق ہے۔

سہیلی ۱: اجی واہ۔ تم یہیں کی یہیں ہو۔ چلو آؤ جلدی قدم بڑھاؤ۔

(تسنیم کو لے کر سہیلیوں کا جانا)

شہریار: ۔

میری امیدوں کی دنیا میں اندھیرا ہوگیا۔

ماشاللہ: ۔

بھائی اب گھر کو چلو یاں سے سویرا ہوگیا

تسنیم: (پھر واپس آکر) ہاں کہیے آپ نے بلایا؟

ماشاللہ: اررر۔ یہ عورت تو کوئی گلے پڑو معلوم ہوتی ہے۔

شہریار: ہاں۔ میں یہ پوچھتا تھا کہ چاند رات کو اور سورج صبح کو نظر آئے گا۔ مگر یہ نورانی چہرہ پھر کب دکھائی دے گا۔

(سہیلیاں پھر آتی ہیں)

سہیلی ۱: اے واہ تم پھر یہیں آگئیں۔

سہیلی ۴: اجی میاں تمھارا کہیں گھر ور ہے کہ نہیں؟
ماشاالله: گھر کیا اب تو ان کی قبر بھی یہیں بنے گی۔
سہیلی ۳: کیا یہاں چمک پتھر ہے جو باربار تمھیں یہاں کھینچ لاتا ہے؟
سہیلی ۲: بس بس زیادہ نہ مچلو۔ اب گھر کو چلو۔
تسنیم: اے ہے۔
سہیلی ۱: کیا ہوا؟
تسنیم: پاؤں میں کانٹا چبھ گیا۔
ماشاالله: پاؤں میں کانٹا چبھ گیا یا دل میں بسولا اتر گیا۔
شہریار: اگر حکم ہو تو میں کانٹا نکالوں۔
سہیلی ۱: بے شک یہ کانٹا آپ ہی سے نکلے گا۔
تسنیم: اری چپ کیا دیوانی ہوگئی ہے۔
سہیلی ۱: بس بس اب چونچلے چھوڑو۔ سیدھی طرح اب گھر کی طرف منھ موڑو۔
سہیلی ۲: ؎

حال کہہ دیتی ہے دل کا آنکھ شرمائی ہوئی
اس کو سمجھاتی ہو جو ہے سمجھی سمجھائی ہوئی

(سہیلیوں کا گانا)

گوری چلو نہ ٹھاڑو اکیلی البیلی
دیکھو بالاسا جوبنا لوٹے نا کوئی نویلی البیلی۔ ہاں گوری.....
سکھی ری میں ہاری۔ میں ہاری۔ میں ہاری
موہے نہ ستاؤ۔ جی جاؤ
کون رنگیلے رسیلے سے پیاری نیہا لگایا بتاؤ۔ جاؤ
اب نہ بولوں گی تم سے گوئیاں رار نہ مچاؤ

گئیں سب جان سکھیاں۔ کر کے گھات، کاہے چھپات، من کی بات
بھید کہت ہے موہنی انکھیاں۔ ہاں گوری......

باب پہلا ——— سین ساتواں

خیر سلا کا مکان

(خیرسلا کا بیوی کی شکایت کرتے ہوئے آنا)

خیرسلا: لاحول ولا قوت اس فیشن ایبل جورو نے تو میرا دیوالہ نکال دیا۔ ارے یارو میں پوچھتا ہوں کہ عورت ذات رات کو بارہ بارہ بجے تک ناٹک دیکھنے میں رہے، بائسکوپ دیکھنے جائے، ڈینس پارٹی میں جائے، کیا اس کا نام فیشن ہے۔ غیروں کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر ہوا کھانے کو جائے، کیا اسی کا نام فیشن ہے۔ ہزاروں روپیہ کپڑوں کے پیچھے برباد کرنا۔ کیا اسی کا نام فیشن ہے۔

(کپتان کا آنا)

کپتان: سنو جی خیرسلا۔ نواب قلو خاں کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تم گھنٹے کے بعد چھاؤنی میں حاضر ہوجانا۔

خیرسلا: بہت اچھا۔ مگر آج کل میں ذرا......

کپتان: ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ آج کل تم نے ایک خوبصورت عورت سے شادی کی ہے اس لیے گھر سے نکلنا نہیں چاہتے۔

خیرسلا: حضور کون کہتا ہے کہ میری بی بی خوبصورت ہے۔ اس سے بڑھ کر

تو کوئی بد صورت نہیں۔

کپتان: اچھا اس کا فیصلہ تو دیکھنے پر ہوسکتا ہے۔

خیرسلاً: (خود کلامی) بیٹا خیرسلاً اس پرانے گنہگار کی نیت تو بگڑی معلوم ہوتی ہے۔

(ڈالی کا آنا)

ڈالی: بڑے بے ادب نوکر ہیں۔ ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہیں۔

کپتان: خیرسلاً یہ کون ہے؟

خیرسلاً: اررر۔ یہ کہاں سے آئی۔ حضور یہ میری بہن ہے۔

کپتان: کیا کہا؟

خیرسلاً: اجی نہیں میری بی بی ہے۔ ارے تم یہاں کیوں آئیں۔

ڈالی: یہ کون صاحب ہیں؟

خیرسلاً: تمھیں اس سے کیا۔ کوئی بھی ہوں؟

ڈالی: میں چاہتی ہوں کہ مجھے اسے انٹروڈیوز کراؤ۔

خیرسلاً: تو کیا مجھے کوئی ملاؤ خاں سمجھتی ہو۔

ڈالی: تم ایٹی کیٹ سے بالکل ناواقف ہو۔

خیرسلاً: اپنی جورو کو دوسروں سے ملانا، اس کا نام ایٹی کیٹ ہے؟

ڈالی: تو میں خود ان سے ملتی ہوں۔ جناب کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟

خیرسلاً: ارے نام کیا تم تو گلے بھی مل سکتی ہو۔

کپتان: بندے کو کپتان دلیر جنگ کہتے ہیں۔

ڈالی: میں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

کپتان: میں آپ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوا۔

خیرسلاً: اور میں تم دونوں کو دیکھ کر بہت دلگیر ہوا۔ بس اب معاملہ بگڑتا

ہے۔ حضور آپ کچھ ناشتہ کریں گے۔ ارے جاؤ۔ حضور کے واسطے کچھ شربت وغیرہ لاؤ۔

کپتان: شربت سے زیادہ مجھے آپ کی باتیں میٹھی معلوم ہوتی ہیں۔

خیرسلاّ: باتیں میٹھی معلوم ہوتی ہیں؟ تو باتیں کرو۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔

کپتان: بیگم ایسی حسین اور خوش ادا عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

خیرسلاّ: جناب صرف گھوڑے ہی گھوڑے خریدتے ہیں یا گدھے بھی؟

کپتان: صرف گھوڑے ہی گھوڑے۔

ڈالی: کیا میں امید کرسکتی ہوں کہ میں کبھی......

خیرسلاّ: جناب میں کہنا چاہتا ہوں.......

کپتان: چپ رہو۔ ایک بازو کھڑے ہوجاؤ۔

خیرسلاّ: لو ہماری جورو اور ہم ہی ایک بازو کھڑے ہوجائیں۔ یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔

کپتان: میں آپ کی زیارت کو ضرور......

خیرسلاّ: حضور میں یہ کہنا چاہتا تھا........

ڈالی: دو آدمیوں کے بیچ میں بار بار بولنا یہ کہاں کا قاعدہ ہے؟

خیرسلاّ: اچھا ان کو جانے دو پھر تم کو قاعدہ واعدہ بتاتا ہوں۔

کپتان: اب چونکہ وقت زیادہ ہوگیا ہے اس لیے اب زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔

خیرسلاّ: جناب یہ صلاح میں بھی ان کو دے سکتا ہوں۔

کپتان: سنو جی خیرسلاّ۔ دو گھنٹے کے بعد کیل کانٹے سے لیس ہوکر چھاؤنی میں حاضر رہنا۔

خیرسلاّ: بہت اچھا۔

کپتان: بیگم خدا حافظ۔

ڈالی: خدا حافظ۔

(کپتان کا جانا)

خیرسلا: دیکھو جی میں تمھیں نوٹس دیتا ہوں کہ مجھے تمھاری بعض حرکتیں پسند نہیں ہیں۔

ڈالی: واٹ آئی کیئر اباؤٹ یو؟ تمھاری پسند ناپسند کی میں پرواہ ہی کب کرتی ہوں۔

خیرسلا: ارے اتنی آزادی۔

ڈالی: پھر کیوں کی مجھ سے شادی۔

(ڈاکٹر محبت خاں کا آنا)

ڈاکٹر: گڈ مارننگ میڈم۔

خیرسلا: ابے گڈ مارننگ کے بچے۔ پہلے میاں کو سلام کرتا ہے کہ بیوی کو؟

ڈاکٹر: تو کیا تم ان کے شوہر ہو؟

خیرسلا: نہیں تو کیا ان کا بھائی ہوں۔

ڈاکٹر: معاف کیجیے۔ میں تو آپ کو میم صاحب کا بٹلر سمجھا تھا۔

خیرسلا: ابے ایسے بٹلر تیرے باپ کو بھی نصیب ہوے تھے؟

ڈالی: ڈاکٹر صاحب۔ یہ ذرا ان پڑھ آدمی ہیں۔ ان کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیجیے۔

خیرسلا: ارے تیرے پڑھے لکھے کی ایسی تیسی۔ میرے ہی گھر میں آکر مجھے بٹلر بناتا ہے۔

ڈالی: ڈیر خفا کیوں ہوتے ہو۔ تم سمجھے نہیں۔

خیرسلا: کیا نہیں سمجھے؟

ڈالی: تمھاری صورت سے یہ معلوم ہوتا ہے.....

خیرسلا: .....کہ میں بٹلر ہوں۔

ڈالی: ڈاکٹر صاحب۔ آپ کچھ خیال نہ کریں۔ آپ میری طرف دیکھیں۔

خیرسلّا: ارے یہ تو جب سے آیا ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تیری طرف دیکھ رہا ہے۔ مگر اس قبرستان کے ٹھیکے دار کو کیوں بلایا ہے؟

ڈالی: تمھیں نہیں کہا تھا کہ میرا پیارا ٹوم بیمار ہے۔

خیرسلّا: ارے یہ ٹوم کون؟

ڈالی: میرا پیارا کتا۔

خیرسلّا: (خود کلامی) بھئی واہ۔ کتا بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر بلایا جاتا ہے اور میاں بیمار ہوتا ہے تو کتا بھی نہیں آتا ہے۔ (مخاطب ہوکر) کیا گھر میں ڈاکٹر موجود نہیں تھا؟

ڈالی: تو کیا تم ڈاکٹر بھی ہو؟

خیرسلّا: ارے میں تو خاندانی ڈاکٹر ہوں۔ مریض کی نبض دیکھ کر اس کے باپ دادا تک کا مرض بتاتا ہوں۔

ڈاکٹر: اچھا میاں خاندانی ڈاکٹر۔ یہ تو بتاؤ کہ اگلے زمانے میں سب سے بڑا حکیم کون تھا؟

خیرسلّا: اگلے زمانے میں؟ میاں عبدالرحمٰن۔

ڈاکٹر: عبدالرحمٰن یا حکیم لقمان؟

خیرسلّا: انگریزی پڑھے لکھے حکیم لقمان کہتے ہیں اور اردو پڑھے لکھے عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔

ڈاکٹر: معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر واکٹر کچھ نہیں ہے۔ اچھا تو یہ بتاؤ آدمی پاگل کیوں ہوجاتے ہیں؟

خیرسلّا: ارے تم اتنا بھی نہیں جانتے۔ آدمی ہو یا دو پاؤں کے گدھے؟

ڈاکٹر: ہیں۔ یہ گالی گفتہ کیسا؟

خیرسلّا: واللہ بے وقوف ہو تو ایسا۔ بیٹا الل ٹپو۔ حکیم خناس کی کتاب انکل کے مناس میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر: ارے پر یہ حکیم خناس کی کتاب انکل مناس کا نام آج ہی سنا

ہے۔

خیرسلا: کتاب کا نام بھی نہیں سنا۔ جب تو تم کوئی گگر کلاس ڈاکٹر ہو۔

ڈاکٹر: اچھا اس میں کیا لکھا ہے؟

خیرسلا: تم نے کیا پوچھا ہے؟

ڈاکٹر: میں نے یہ پوچھا کہ آدمی پاگل کیوں ہوجاتے ہیں۔

خیرسلا: آدمی پاگل کیوں ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ہوش و حواس کھو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر: مگر یہی تو میں پوچھتا ہوں کہ ان کے ہوش و حواس کیوں کھوجاتے ہیں؟

خیرسلا: میں بھی تو کہتا ہوں کہ پاگل ہوجاتے ہیں۔

ڈاکٹر: سوال نمبر تھری۔

خیرسلا: کیا؟

ڈاکٹر: بھلا یہ بتاؤ کہ آدمی کا دل کہاں رہتا ہے؟

خیرسلا: بلی کا دل چھچھڑے میں، کنجوس کا پیسے میں، جنٹل مینوں کا دل انگریزی ٹھاٹ باٹ میں۔

ڈاکٹر: میں یہ پوچھتا ہوں کہ آدمی کا دل سینے میں کس جگہ ہوتا ہے؟

خیرسلا: لیور کے سامنے، کلیجے کے پیچھے۔

ڈاکٹر: یعنی؟

خیرسلا: ٹھیک داہنی پسلی کے نیچے۔

ڈاکٹر: غلط بالکل جھوٹ، آدمی کا دل سینے میں بائیں طرف رہتا ہے۔

خیرسلا: اجی وہ اگلے زمانے میں رہتا تھا۔ زیادہ دیر ایک طرف رہتے گھبرا گیا۔ جنوری پہلی انیس سو چھبیس (۱۹۲۶ء) کو بائیں طرف سے سرک کے داہنی طرف آگیا۔

ڈاکٹر: اچھا میڈم مجھے کتا دکھاؤ۔

ڈالی: چلیے ڈاکٹر صاحب میں آپ کو اپنا کتا دکھاتی ہوں۔

خیرسلا: ایک کتے کے لیے اپنے شوہر کو دھتکارنا یہ کون سی تمیز ہے۔
ڈالی: ڈیر معاف کرنا مجھے اپنا کتا تم سے زیادہ عزیز ہے۔
خیرسلا: یہی آج کل کا فیشن ہے۔ خدا جانے اس کتے والی عورت سے کس طرح نباہ ہوگا۔ اگر اس وقت وہ کمیشن ایجنٹ کا بچہ آجائے تو اسے کچا ہی کھا جاؤں۔

(ایجنٹ کا آنا)

ایجنٹ: گڈ مارننگ۔
خیرسلا: ہو آر یو؟
ایجنٹ: جناب آپ نے ابھی تک ہمارا کمیشن نہیں بھجوایا۔
خیرسلا: ابے کمیشن کے بچے۔ تم لوگوں کو کوئی دھندا ہی نہیں ملتا جو یہ دھندا کرتے ہو۔ شریف آدمیوں کے گلے میں ایسی دنیا کی اکھڑی ہوئی عورتیں لاکر باندھ دیتے ہو۔
ایجنٹ: کیا کہتے ہو؟ کام نکل گیا تو باتیں بناتے ہو۔ لاؤ لاؤ ہمارا کمیشن لاؤ۔
خیرسلا: (لات مارکر) یہ لے تیرا کمیشن۔
ایجنٹ: ارے یہ کیا۔ یہ کیسی ناجائز حرکت۔
ایجنٹ: یہ بھی آج کل کا فیشن ہے۔
ایجنٹ: ارے یہ فیشن تم کو کس نے سکھایا؟
خیرسلا: وہی تیری ڈاکٹر کوپر براس کی لونڈیا نے۔
ایجنٹ: کیا کہتے ہو میاں۔ شکر کرو کہ تمھیں ایسی خوبصورت لیڈی مل گئی۔ واللہ مجھے تو تمھاری خوش نصیبی پر رشک آتا ہے۔
خیرسلا: اچھا تجھے رشک آتا ہے تو چل ہم اپنی جوروئیں ٹرانسفر کرلیں۔
ایجنٹ: یعنی؟

خیرسلاّ: یعنی فیشنیبل جورو تو لے جا اور اپنی بوڑھی جورو مجھے دے جا۔
ایجنٹ: تو کیا تم کو جورو نے ناکوں چنے چبوا دیے؟
خیرسلاّ: ارے بھائی۔ اس نے نوکر کو بھی ایسا سکھا رکھا ہے کہ میری نہیں سنتا۔
ایجنٹ: کہیں ایسا ہوسکتا ہے۔
خیرسلاّ: میں تیری تسلی کروں۔ اچھا ادھر کھڑا رہ۔ سیفو۔ سیفو۔ ارے بھائی سیفو۔

(سیفو کا آنا)

سیفو: ارے کیا ہے صاحب۔ دن بھر سیفو سیفو کتے کی طرح بھونکا کرتے ہو۔ بولو کیا کہتے ہو؟
خیرسلاّ: (ایجنٹ سے) کیوں کمیشن لینا ہے؟
سیفو: بولیے صاحب۔ کیا کہنا ہے۔ مجھے کرکٹ کھیلنے جانا ہے۔
خیرسلاّ: رات کو میم صاحب کہاں گئی تھیں؟
سیفو: ناٹک دیکھنے۔
خیرسلاّ: کس کے ساتھ؟
سیفو: ڈاکٹر محبت خاں کے ساتھ۔
خیرسلاّ: مگر میں نے تو کوئی حکم نہیں دیا تھا۔
سیفو: تو تمھارے حکم کی پرواہ ہی کون کرتا ہے۔

(ڈالی آتی ہے)

ڈالی: نوکر بالکل بے ادب ہیں۔ ایک دم گولی مار دینے کے قابل ہیں۔ کب سے چلاتی ہوں۔ جواب نہیں دیتے ہیں۔

(سیفو کو مارتی ہے)

خیرسلا: (ایجنٹ سے) لو میم صاحب فل پاور میں آئیں۔ (ڈالی سے) جانے دو بیچارے کو کاہے کو مارتی ہو؟

(ڈاکٹر کا باہر آجانا)

ڈالی: خبردار تم میری باتوں میں دخل نہ دیا کرو۔ (ڈاکٹر سے) ہاں ڈاکٹر صاحب آپ نے میرے کتے کو دیکھا؟

ڈاکٹر: ہاں اس کو ذرا سردی ہوگئی ہے۔

ڈالی: تو پھر کیا کرنا چاہیے؟

ڈاکٹر: ڈونٹ کیر۔ میں نے ایک پرس کپشن لکھ دیا ہے۔ اس کو دن میں تین مرتبہ پلانا۔

ڈالی: اور کھانے کو؟

ڈاکٹر: بہت ہلکی غذا۔

ڈالی: یعنی؟

ڈاکٹر: کچھ نہیں۔ صرف پانچ چھ بکری کے بھیجے۔ سات آٹھ انڈے۔ دس بارہ مرغی کے چوزے ایسی ہلکی ہلکی خوارک۔

ڈالی: اور پینے کو؟

ڈاکٹر: ہر کھانے سے پہلے ایکشا نمبر وَن کا ایک پیگ۔

خیرسلا: بھئی واہ۔ میاں کو تو ٹھرّا بھی نصیب نہیں اور کتے کے لیے ایکشا نمبروَن۔ اگر خدا مجھے کتا پیدا کرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ میم صاحب کی گود میں بیٹھ کر نمبروَن کا پیگ اڑاتا۔

ڈاکٹر: اچھا مجھے اجازت دیجیے۔

ڈالی: ڈاکٹر صاحب میں ابھی آپ کے ساتھ آپ کی موٹر میں چلتی

ہوں۔ ذرا مجھے لیڈیز جم خانہ تک چھوڑ دیجیے۔

ڈاکٹر: خوشی سے۔

(دونوں کا جانا)

ایجنٹ: ارے یہ چھوٹا صاحب کہاں چلا؟

سیفو: شٹ اپ یو پٹ پٹ۔ بی بی بی۔

خیر سلاّ: یہ بی بی بی کون سی انگریزی میں ہے۔

سیفو: یہ نائٹ اسکول میں پڑھائی جاتی ہے۔

خیر سلاّ: مگر اس نے آپ کو کچھ نہیں کہا۔

سیفو: او یو۔ بی کوائٹ یو فول۔

خیر سلاّ: (ایجنٹ سے) کیوں کمیشن چاہیے۔ اچھا جا بھائی جا۔ میں اپنی جورو تجھے مفت میں دیتا ہوں۔ جا بے جا اور میرا پیچھا چھوڑ۔

ایجنٹ: ارے تو اپنی بلا میرے پیچھے کیوں لگاتا ہے۔

خیر سلاّ: ابے وقت پھر نہیں آئے گا۔ اگر پیسہ پاس نہیں ہے تو وکٹوریہ کا کرایہ بھی میں دیتا ہوں۔ لیتا جا یار۔

ایجنٹ: ایسی بیوی پر سو جوتے اور ایسے میاں پر سو پھٹکار۔

خیر سلاّ: ارے یار۔ میں کیا جانتا تھا کہ ڈاکٹر کوپر براس کی لڑکی ایسی ہوگی۔

(گانا)

دیکھو یارو۔ کیا جھک ماری۔ بیوی ایسی لائے
کہ جس نے آتے ہی میرا دیوالہ پھونکا ہے
یاروں کے ساتھ ہوٹل میں شیمپین کی بوتل کھلوائے

اور یہاں تو مسٹر خیرسلّا کا ڈبہ گل ہو جاے
ملے جورو جس کو ایسی۔ وہ بہار دیکھے کیسی
لعنت بھیجو یارو۔ ایسی جورو کی ایسی تیسی
کوئی آوے سائیکل لے کر اور کوئی لاوے موٹر کار
میاں تو گھر کی کھائے ہوا اور بی بی جائے باہر
غیروں کو دے کر ہاتھ بغل میں پھرتی ہے بازار
ایسی فیشنیبل عورت پر ہو خدا کی مار۔ ملے جورو.....
بھٹکے وہ راتوں کو ناٹک پھاٹک میں اول جلول
میاں روکے تو بی بی کہتی ہے، بی کوائٹ یو فول
دیکھو یارو تم بھی نہ کرنا کوئی ایسی بھول
ورنہ تمھارا بھی یوں ہی کردیوے گی ڈبہ گول۔ ملے جورو.....

(گاتے ہوئے خیرسلّا کا چلے جانا)

باب پہلا ——— سین آٹھواں

توفیق کا مکان

(طاہرہ کا گھبرائے ہوئے آنا)

طاہرہ: او خدا۔ کیسی خوفناک آوازیں۔ موت پاگل بن کر چیخ رہی ہے۔ جنگ کے میدان میں خون کی بارش ہورہی ہے۔

زباں پہ فریاد لب پہ نالے دلوں میں حسرت کے داغ ہوں گے
جو گھر ہیں اس وقت جگمگاتے وہ کل تلک بے چراغ ہوں گے

(توفیق کا گھبرائے ہوئے آنا)

توفیق: کون؟ طاہرہ؟ میری زندگی۔

طاہرہ: ٹھہرو۔ وہیں ٹھہرو۔ زندگی کی مجسم ذلت وہیں ٹھہرو۔ کیا لڑائی تمام ہوگئی۔ کیا فتح تمھاری غلام ہوگئی؟

توفیق: (خود کلامی) یا خدا میں اسے کیا جواب دوں۔ (مخاطب ہوکر) طاہرہ فتح کی امید پائمال ہوگئی۔ تمام بہادر فوج وفاداری کی قربان گاہ پر بے زبان بھیڑوں کی طرح حلال ہوگئی۔

طاہرہ: تو تم کیسے بچ گئے۔ تم، جس کو سب سے پہلے مرجانا چاہیے تھا۔ کیا قسمت کی فریاد لائے ہو یا موت کا مقابلہ کرنے کے بدلے اس کے سامنے سے بھاگ کر میری گود میں چھپنے کے لیے آئے

ہو۔

توفیق: شریف بیوی میں اس لیے آیا ہوں کہ مرنے سے پہلے تیری وفاداری آزماؤں یعنی خود قتل ہونے کے پہلے تجھے قتل کرڈالوں۔

طاہرہ: یا اللہ۔ یہ کیا۔ کیا شوہر اپنی بیوی کو آزماتا ہے۔ مالک اپنی لونڈی کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ خوشی سے، شوق سے، خنجر نکالو۔ فرماں برداری آزما چکے اب وفاداری بھی آزمالو۔

توفیق: آفریں۔ اے نیک عورت۔ سیکھو۔ دنیا کی عورتو۔ بیوی کو اپنے شوہر کا حکم کس طرح ماننا چاہیے۔ ہاں طاہرہ میں تجھے قتل کروں گا اور ضرور قتل کروں گا۔ مگر ہاتھ سے نہیں ایک بات سے۔

طاہرہ: بات؟

توفیق: وہ بات جگر دوز ہے، عقل سوز ہے۔ آہ کمبخت عورت جس چاند سے بیٹے کو میں نے اور تو نے آٹھ برس تک کلیجے میں رکھ کر پالا۔ آج اس کی قربانی کا روز ہے۔

طاہرہ: او خدا.....میرے پیارے یہ تم کیا کہتے ہو۔

توفیق: اگر خیال وفاداری ہے۔ اگر پاس نمک خواری ہے، اگر بیٹے سے زیادہ عزت پیاری ہے تو شہزادے سہیل کو وفادار ہشام کے ساتھ کہیں بھگادو اور اس کے عوض دل پتھر کرکے اپنے کلیجے کے ٹکرے کو اس ظالم طغرل کی تلوار پر بھینٹ چڑھادو۔

طاہرہ: میرے اللہ تم باپ ہوکر بیٹے کے لیے ایسا کیوں کہتے ہو؟

توفیق: طاہرہ مجھے خوفناک انجام کا خیال ہے۔ جب تک طغرل کو یقین نہ آجائے کہ دشمن ذبح ہوگیا۔ اس وقت تک سہیل کو کہیں بھی چھپاؤ۔ مگر اس ظالم کی تلوار سے بچنا محال ہے۔

طاہرہ: یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے۔ مگر.....

توفیق: مگر کیا؟

طاہرہ: میرے مالک میں راضی ہوں مگر دل راضی نہیں ہوتا۔ میں مانتی

ہوں مگر ماںتا نہیں مانتی۔ ؎

اس دل کو، ماںتا کو، طبیعت کو کیا کرے
کمبخت ماں، بتاؤ محبت کو کیا کرے

توفیق: ماںتا کو پھونک دو۔ جلادو۔ اگر بیٹے سے محبت مالک سے بے وفائی سکھاتی ہے تو ایسی محبت اور بیٹے کو جلادو۔ ؎

حیف گر پاس نمک اس زندگی میں کچھ نہ ہو
ایک کتے میں وفا ہو آدمی میں کچھ نہ ہو
میرے ہر روئیں پہ جس کے لاکھ لاکھ احسان ہیں
لاکھ بیٹے ہوں تو اس کے لال پر قربان ہیں

طاہرہ: بس ہوچکا۔ قسمت کا آخری فیصلہ ہوچکا۔ اگر تمھاری اور خدا کی یہی مرضی ہے تو میں اس مرضی کی تابع ہوتی ہوں۔ ؎

بھونک دوں گی خنجر اس معصوم کے حلقوم میں
اور سمجھوں گی یہی لکھا تھا بس مقسوم میں

توفیق: شاباش۔ شریف اور بہادر عورت شاباش۔ اب میں جنگ کے میدان میں خوشی سے جان دوں گا۔ اور قیامت کے روز قبر سے غرور اور فخر کے ساتھ اٹھوں گا۔ ؎

حشر میں جب کہ حسابوں کے لیے زندہ ہوں
یوں نہ کرنا کہ وفاداروں میں شرمندہ ہوں
جب تلک ہوش رہے، جسم رہے، جان رہے
قول کا پاس رہے، شرم رہے، دھیان رہے

طاہرہ: میرے مالک قول جان کے ساتھ ہے۔

توفیق: میری عزت سلام۔ یہ آخری ملاقات ہے۔

(توفیق کا جانا)

طاہرہ: (خود کلامی) اے عورت کے دل مرد بن۔ سنبھلا رہ۔ دور ہو۔ دور

ہو۔ اے جگر میں بسی ہوئی، خون میں رچی ہوئی محبت دور ہو۔ اے سلگتی ہوئی کوک، اے جلتی ہوئی ماتا بجھ جا۔ ٹھنڈی ہوجا۔ بادلو برسو اور اس آگ کو بجھادو۔ اے آسمانی طاقتو اگر تم میں کچھ بھی رحم ہے تو ایک عورت کے نرم اور نازک دل کو لوہے اور پتھر سے زیادہ سخت بنادو۔

(ہشام کا گھبرائے ہوئے داخل ہونا)

ہشام: حضور۔ حضور۔ بچوں کی حفاظت کیجیے۔ قلعے کا مغربی دروازہ بھی فتح ہوگیا۔

طاہرہ: ہشام۔ ہشام۔ وفاداری دکھاؤ۔ سہیل کو ساتھ لو اور چور دروازے سے کسی پناہ کی جگہ چلے جاؤ۔

ہشام: کہاں؟

سہیل: اچھی اماں تم مجھے کہاں بھیجتی ہو؟

طاہرہ: راحت میں، حفاظت میں، خدا کی پناہ میں۔

سہیل: نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ چھوڑ دو اچھے ہشام مجھے چھوڑ دو۔

طاہرہ: جا سہیل جا۔ اس قصائی خانے سے۔ جہاں موت دوست اور دشمن سب کو ایک ہی چھری سے حلال کررہی ہے۔ نکل جا۔ وقت خوف سے تھرا رہا ہے۔ دوزخ کا کتا تیرے پیروں کی بو سونگھتا ہوا چلا آرہا ہے۔

سہیل: نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ امی مجھے چھین لو۔

طاہرہ: ہشام لے جا۔ سہیل خدا حافظ۔ بچے خدا حافظ۔

(ہشام سہیل کو اٹھاکر لے جاتا ہے طاہرہ بیہوش ہوجاتی ہے۔ رشید آتا ہے)

رشید: یا اللہ امی کو کیا ہوگیا۔ امی۔ امی۔ پیاری امی۔

طاہرہ: (ہوش میں آکر) کون رشید۔ میرا لال۔ میرا بیٹا۔ آ۔ آ۔ میرے کلیجے سے لگ جا۔ مگر بیٹا کیسا بیٹا۔ کس کا بیٹا۔ نہیں میں کبھی ماں نہیں بنی۔ میری اندھیری دنیا میں کبھی کوئی چراغ روشن نہیں ہوا۔

رشید: امی یہ تم کیا کہتی ہو۔ میں تمھارا رشید ہوں۔

طاہرہ: ہاں ہاں۔ تو میرا رشید ہے۔ تو میرے اندھیرے گھر کا اجالا ہے۔ آہ میرے بچے میں نے کیسی کیسی مصیبتوں سے تجھے پالا ہے۔ مگر بچہ نہیں نہیں۔ اب میرا کوئی بچہ نہیں۔ تجھے یہاں کس نے بلایا ہے۔ چالاک، شیطان بچہ بن کر میرے ایمان کو پھسلانے آیا ہے۔

رشید: امی کیا تم دیوانی ہوگئی ہو؟

طاہرہ: ہاں۔ میں دیوانی ہوگئی ہوں۔ میں ڈائن ہوگئی ہوں۔ میں خونی ہوگئی ہوں۔ رشید ادھر آ۔ یہ لے۔

رشید: کیا ہے؟

طاہرہ: بیہوشی کی دوا۔

رشید: کیوں؟

طاہرہ: تاکہ تجھے مرتے وقت تکلیف نہ ہو۔ اسے سونگھ۔

رشید: نہیں میں نہیں سونگھوں گا۔

طاہرہ: سونگھ۔

(طاہرہ رشید کو بیہوشی کی شیشی سنگھاتی ہے)

رشید: ماں.....تم.......(بیہوش ہوجاتا ہے)

طاہرہ: (خود کلامی) سوگیا۔ چپ ہوگیا۔ جا بہشت میں جا۔ حوروں سے کھیلنا۔ فرشتوں سے جی بہلانا اور اگر تجھے وہاں تیرے بزرگوں کی روحیں ملیں تو انھیں میرا سلام پہنچانا۔ ارے میرے سینے میں

دھاڑیں مار مار کر کون رورہا ہے۔ آسمان زمین، قدرت مجھے غصے سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ یا خدا دوسرے کی اولاد کے لیے اپنے بچوں کا خون بہانا کس ملک کا قانون ہے۔ کون سی شریعت کا فرمان ہے۔ اے دنیا کی خوش نصیب ماؤ۔ میں بھی ماں ہوں۔ اگر میری مجبوری جانتی ہو تو نفرت سے منہ نہ پھراؤ۔ زیادہ نہیں تو رحم کے صرف دو ہی آنسو بہاؤ۔ رشید بیٹا آخری بار بول۔ نہیں بولتا۔ کیا تو خفا ہوگیا۔ کیا اپنی ماں کو اتنی جلدی بھول گیا۔ ؎

خفا ماں سے نہ ہو گر ہوگئے بیزار جینے سے
اٹھو آؤ مرے پیارے ذرا لگ جاؤ سینے سے

(قلعے کی دیوار گرتی ہے)

او خدا۔ یہ خوفناک دھماکہ۔ چل رشید چل موت کی گود میں چل۔

(طغرل اور صفدر کا آنا)

طغرل: فتح فتح۔ کامیابی۔ کامیابی۔ یہی ہے گنجینۂ مراد، یہی ہے خزینۂ کامگاری۔

طاہرہ: خدا کی لعنت۔ زمین کا بوجھ تو کون ہے؟

طغرل: طغرل۔ فاتح، بہادر سپاہی، جہان کی عزت۔

طاہرہ: نہیں۔ جہان کی ذلت، زمین کا بوجھ، نیکی اور انصاف کا دشمن۔

طغرل: اگر سہیل کو نہ دیا تو اس سے زیادہ تیرا دشمن ہوجاؤں گا۔ یاد رکھ۔

طاہرہ: زمین اپنے مرکز سے ہٹ جائے، آسماں پھٹ جائے، سر کٹ جائے مگر یہ نہ ہوگا کہ میری زبان تجھ کو اس کا پتہ دے۔

طغرل: یہ بات.....صفدر بڑھو۔ اس کو کوڑے لگاؤ۔

طاہرہ: کوڑے کیا، تو مجھے شکنجے میں کھنچوادے، پھانسی پر چڑھادے۔

طغرل: موت مجھ سے زیادہ بے رحم نہیں ہے۔ اے صفدر تو کھڑا ہے۔ تو نے میرا حکم نہیں سنا؟

صفدر: صاحب۔ مجھے شرافت آپ کا حکم سننے سے منع کرتی ہے۔

طغرل: بودے، نامرد۔ بزدلی دکھاتا ہے۔

صفدر: معاف کیجیے۔ بزدل وہ ہے جو مرد ہوکر ایک کمزور عورت پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔

طغرل: پاجی۔ نمک حرام۔

صفدر: ٹھہریے۔ میں نمک حرام نہیں ہوں۔ میں نے ہمیشہ آپ کے پسینے پر اپنا خون بہایا ہے۔ میں نے اس جنگ میں اپنے دونوں جوان بیٹوں کو آپ کے لیے موت پر بھینٹ چڑھایا ہے۔ مگر مجبور ہوں کہ خدا نے یہ ہاتھ عورت کے لیے نہیں مرد کے لیے بنایا ہے۔

طغرل: تو کیا تو میرا حکم نہ بجالائے گا۔

صفدر: جو شریف اور سپاہی ہے وہ مرجائے گا مگر عورت پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

طغرل: اگر تو شریف ہوتا تو اپنے مالک کی نافرمانی نہ کرتا۔

صفدر: صاحب۔ اگر افسر شریف ہوتا تو کبھی ایسا ذلیل حکم نہ دیتا۔

طغرل: چپ بدسیر۔ لے جاؤ۔ مارو تلوار۔ اڑادو اس کا سر۔

طاہرہ: ارے یہ کیا ظلم ڈھاتا ہے۔ ظالم اس آئینے کو نہ توڑ جو تجھے تیری اصل صورت دکھاتا ہے۔

صفدر: بانو۔ برے درخت سے ہمیشہ برا پھل اور برے مالک کی نوکری سے ہمیشہ برا نتیجہ ملتا ہے۔

طغرل: اور دیکھ اس طرح ملتا ہے۔ (طغرل فائر کرتا ہے۔ صفدر مرجاتا ہے۔ سپاہی توفیق کو لاتے ہیں) کون۔ میرا شکار۔ توفیق نابکار۔

طاہرہ: یااللہ۔ میں کسے دیکھتی ہوں۔ میرا غریب شوہر۔

توفیق: صبر۔ بہادر بیوی صبر۔ مصیبت کے طوفان، ذلت کے سیلاب، آفتوں کے ریلے صرف موت تک کے ہیں جھیلے۔ زمانہ مصروف کارگزاری ہے۔ فنا کے پہلے کا چکر جاری ہے۔ بچپن اور جوانی پس چکی اب بڑھاپے کی باری ہے۔ ؎

زندگی ہے سفر مرگ کی تیاری میں
آخری سانس بھی نکلے تو وفاداری میں

طغرل: ذلیل، باغی، مجسم غدار، یہ ذلت اور خواری اور پھر بھی نہ گئی وفاداری۔

توفیق: وفاداری جان ہے۔ وفاداری ایمان ہے۔ وفاداری پر بیوی، بچے، باپ، ماں بلکہ سارا زمانہ قربان ہے ؎

مت سمجھ دل سے مرے زہرِ دغا نکلے گا
چیر اور دیکھ شرافت سے بھرا نکلے گا
مرتے مرتے بھی دغا باز میرے ہونٹوں سے
یا خدا نکلے گا یا لفظِ وفا نکلے گا

طغرل: بیوقوف بوڑھے۔ زبان بند کر، زندگی اور سہیل دونوں میں سے جو چیز زیادہ پیاری ہو اسے پسند کر۔

توفیق: خونی کتے۔ ہم زندگی دیں گے۔ مگر پیارے سہیل کو کبھی نہ دیں گے۔

طغرل: تو کیا تو موت سے نہیں ڈرتا ہے؟

توفیق: سپاہی موت کے ساتھ روز کھیلا کرتا ہے۔

طغرل: انکار؟

توفیق: ہزار بار۔

طغرل: تو لے موت یہ تیرا شکار۔ (توفیق پر فائر کرتا ہے)

توفیق: حق ادا۔

طاہرہ: او خدا۔

طغرل: خدا نہیں اپنی موت کو پکار۔ اگر سہیل کو نہ دیا تو تجھے بھی تیرے خون میں نہلاؤں گا۔ آسمان و زمین کے قلابے ملاؤں گا۔ جہاں سے ہوگا سہیل کو ڈھونڈھ لاوں گا اور اس کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھاؤں گا۔

طاہرہ: او خدا۔ ؎

تاج سر تو گرگیا اب گود بھی خالی کروں
اپنے ہاتھوں سے میں اپنے گھر کی پامالی کروں

طغرل: بول بول۔ او موت کے نوالے بول۔ میرے خنجر کا چورنگ، میرے تیر کا ہدف۔ میرے نیزے کا نشانہ کہاں ہے؟

طاہرہ: جا خونی کتے وہ تیری خوراک پڑی ہے۔ کھالے، مار ڈال، نوچ لے، سرتن سے اتار ڈال۔ اے منتقم حقیقی کیا تو سو گیا۔ کیا قانون قدرت منسوخ ہوگیا۔ ؎

غصے کی آگ سے اٹھ تن من جلا دے اس کا
قہرو غضب سے اپنے سب زور ڈھا دے اس کا

طغرل: یہ ہے میرے درخت شجاعت کا ثمر یہ ہے۔

(رشید کو خنجر بھونک کر مار ڈالتا ہے)

طاہرہ: او خدا۔ او خدا۔ یہ خوں فشاں منظر کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا۔ کیا تمام دنیا کی مصیبت ایک ہمارے ہی واسطے ہے۔ ؎

یہیں نازل جو ہوتی ہر بلا ہے
مرا گھر ہے کہ ظالم کربلا ہے

(طاہرہ ہائے کہہ کر گرتی ہے اور بیہوش ہوجاتی ہے)

(پردہ)

باب دوسرا ــــــــــ سین پہلا

جنگل

قہرمان: قریب ہے۔ قریب ہے۔ اس ملعون کتے اور نجس شمسہ دونوں کا حسرت ناک انجام قریب ہے۔

سپاہی ۱: جنرل قہرمان۔ ان خبیثوں کے مظالم سے ہم سب وطن سے بے وطن ہوکر وحشیوں کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی زندگی کے دن پورے کررہے ہیں اور اس روز کے منتظر ہیں جب انتقام کا خنجر دشمن کی آنکھوں کے سامنے چمکتا ہوگا اور وہ ذبح ہوکر جانوروں کی طرح ان پیروں کے آگے پڑا سسکتا ہوگا۔

قہرمان: صبر کرو بہادرو۔ چند روز اور صبر کرو۔ میں صرف موقعے اور وقت کا انتظار کررہا ہوں۔ ہر وقت خیال انتقام ہے۔ جب تک اپنا، تمھارا اور مظلوم طاہرہ کا بدلہ نہ لوں گا تب تک ہر ایک خوشی مجھ پر حرام ہے۔

سپاہی ۲: خدا کا شکر ہے کہ معصوم سہیل وفادار ہشام کے ساتھ پہاڑ کی کھو میں چھپا ہوا اور بد نصیب طاہرہ جنگل میں بھٹکتی ہوئی ہمیں مل گئی۔

قہرمان: ہاں۔ خدا کا شکر ہے۔ مگر کم بخت، برباد، ناشاد طاہرہ کو کون زندہ کہہ سکتا ہے۔ اب ٹھنڈی سانسوں کے سوا اس میں زندگی کی کون سی علامت باقی رہ گئی ہے۔ گھر بگڑ گیا۔ سہاگ اجڑ گیا۔ کوکھ لٹ گئی۔ راحت اٹھ گئی۔ زندگی کے سہاروں کو رو بیٹھی۔ ہوش و حواس

بچے تھے وہ مصیبت اور غم میں کھو بیٹھی۔ ہاں کبھی کبھی ہوش آجاتا ہے ورنہ وہی جنون کا دورہ چلا جاتا ہے۔

سپاہی ۳: دیکھیے دیکھیے وہی اس طرف آرہی ہے۔

طاہرہ:

راتیں گئیں نشاط کی عشرت کے دن گئے
دو لعل شب چراغ تھے سو وہ بھی چھن گئے

قہرمان: اے انقلاب زمانہ کی غمگین تصویر۔ یہ کیا حالت؟

طاہرہ: اے خوبصورت چاند۔ تیرا چہرہ میرے بچے کی صورت سے بہت ملتا ہے۔ تو ہی اپنا ایک ٹکڑا دے دے۔ میں اس کو رشید سمجھ کر پیار کروں گی۔

آسماں پر چاندنی ہے اور زمیں پر چاندنی
ہو رہی ہے تیرے دم سے آج گھرگھر چاندنی
آ اتر آ تاکہ رکھ لوں اپنے سینے میں تجھے
میرے ویرانے میں بھی ہوجائے دم بھر چاندنی

سپاہی۳: آہ بیچاری کو جنون ہوگیا ہے۔

طاہرہ: ارے کسی اولاد والے سے پوچھو۔ وہ کہے گا کہ تو مجنون ہوگیا ہے۔

سپاہی۳: بانو۔ میں بھی اولاد رکھتا ہوں۔

طاہرہ: ہاں سچ ہے۔ مگر تو ایک سرسبز شاخ اور طاہرہ ایک خشک ڈالی ہے۔ تیری گود بھری ہے اور میری گود خالی ہے۔

قہرمان: بانو میری بھی ایک عرض ہے۔

طاہرہ: ایک نہیں دو تھے۔ خدا کی قسم دو تھے۔ ایک دل کا سرور۔ دوسرا آنکھوں کا نور۔ ایک زندگی کا سہارا۔ دوسرا زندگی سے زیادہ پیارا۔ دیکھو دیکھو شمسہ میرے بچے کو مار رہی ہے۔ارے طغرل تو چھری کیوں تیز کررہا ہے۔ اب میری گود میں کوئی بچہ نہیں ہے۔ میری

دنیا میں اب کوئی چاند نہیں ہے۔ ؎

زمیں نے لوٹ لی دولت مری افلاک کے نیچے
دبی ہے زندگی بھر کی کمائی خاک کے نیچے

(سہیل اور ہشام کا آنا)

سہیل: امی جان۔ امی جان۔ پیاری امی۔

طاہرہ: بچے تو کون ہے؟ میں نے شاید تجھے کہیں دیکھا ہے؟ بچے میں نے تجھے کہاں دیکھا ہے؟

ہشام: کیوں آپ معصوم کو بھول گئیں؟

طاہرہ: بھول گئی۔ نہیں نہیں میں نہیں بھول گئی۔ کوئی ماں اپنے بچے کو بھول نہیں سکتی۔ تم کیسے کہتے ہو کہ میں اسے بھول گئی۔ کیا میرے دل نے اس کا غم چھوڑ دیا۔ کیا میرے ہاتھ اس کے ماتم میں چھاتی پیٹتے پیٹتے تھک گئے۔ نہیں نہیں میرا بچہ مجھے بھول گیا لیکن میں اپنے بچے کو نہیں بھولی۔

قہرمان: بانو یہ کون ہے؟

طاہرہ: لڑکے تو کون ہے؟

سہیل: اچھی امی میں آپ کا سہیل ہوں۔

طاہرہ: سہیل۔ سہیل۔ بادشاہ کی آخری نشانی۔ میرا دلارا۔ میرے پیاروں کا پیارا۔

قہرمان: خدایا۔ اس کی مصیبتوں کا خاتمہ کر۔

باب دوسرا ———— سین دوسرا

تسنیم کا مکان

(ماشااللہ اور خیرسلا کا ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آنا)

ماشااللہ: پہلے میں جاؤں گا۔
خیرسلا: نہیں پہلے میں جاؤں گا۔
ماشااللہ: دیکھ پہلے میں آیا ہوں۔
خیرسلا: نہیں پہلے میں آیا ہوں۔
ماشااللہ: ابے تو آدمی ہے یا بجر بتو۔
خیرسلا: ابے کاٹھ کے لتو، بجر بٹو، نکھٹو، جورو کے ٹٹو،زیادہ چیں چپڑ کرے گا تو ایک لات میں ہوگا چپر غٹو۔
ماشااللہ: ہوش کے ناخن لے نہیں تو ساری اکڑ پھوں نکال دوں گا۔
خیرسلا: حواسوں کا صدقہ دے، نہیں تو ابھی اٹھاکر اپنے سے نیچے ڈال دوں گا۔
ماشااللہ: ابے مرغے چونچ سنبھال۔
خیرسلا: ابے جا۔ انڈے دے بچے پال۔
ماشااللہ: تو کیا مجھ سے تو طاقت میں زیادہ ہے؟
خیرسلا: بیٹا یہ آج کل کے جوانوں کی ہڈیاں نہیں ہیں جو سگریٹ، کباب، کوکین، شراب جو دوسری علتوں میں پھنس کر جوانوں کے زور گنواتے ہیں اور تیس برس کی عمر میں ساٹھ برس کے بوڑھے نظر

آتے ہیں۔ اگر تجھے آزمانا ہو تو سامنے آ۔

ماشااللہ: یہ دم؟

خیرسلاّ: ٹھوک خم۔ (خم ٹھوکنا) بس دوست بس۔ ہم دونوں جنٹل مین ہیں اور دو جنٹل مینوں کا آپس میں چھاکٹے سولجروں کی طرح باکسنگ کرنا، یہ اچھی بات نہیں۔

ماشااللہ: بالکل فیشن کے خلاف ہے۔

خیرسلاّ: بس تو خوشی سے ڈھول کی طرح پھول جا۔ آ گلے مل اور گذری ہوئی بات بھول جا۔

ماشااللہ: او میرے جنٹل مین دوست۔

خیرسلاّ: او میرے آنریبل دوست۔

(دونوں کا گلے ملنا)

ماشااللہ: ابے یہ کیا کرتا ہے؟

خیرسلاّ: اوں ہوں، کچھ نہیں، کل محلے کی مسجد سے جوتا چوری گیا تھا۔ دیکھتا ہوں تیری جیب میں تو نہیں ہے۔

ماشااللہ: اب دل‍گی بالائے طاق رکھ اور بتا کہ تو یہاں سنہری الو پھانسنے آیا ہے؟

خیرسلاّ: سنہری الو نہیں وہ زریں ہما ہے۔

ماشااللہ: پھنسانے کی تدبیر؟

خیرسلاّ: تدبیر تجھے بتاؤں اور خود ڈنڈے بجاتا پھروں۔

ماشااللہ: پھر بھی یار۔ کچھ تو بتا۔

خیرسلاّ: دیکھ آج پری پیکر تسنیم کی سالگرہ کی دھوم ہے۔ اس لیے ہمارے نامور سردار طغرل بیگ نے یہ موتیوں کا ہار نذرانہ بھیجا ہے۔

ماشااللہ: تو سنو استاد۔ میں بھی اس لیے آیا ہوں اور یہ تحفہ نامدار شہریار کی

طرف سے لایا ہوں۔

خیر سلا: ابے جا۔ چلا جا۔ تسنیم شہریار پر نظر بھی نہ ڈالے گی۔

ماشااللہ: اور وہ طغرل بیگ کے نام کا کتا بھی نہ پالے گی۔

خیر سلا: کیوں؟

ماشااللہ: شہریار شیر ہے۔

خیر سلا: تو طغرل سوا سیر ہے۔

ماشااللہ: وہ قوت میں رستم سے زیادہ ہے۔

خیر سلا: تو وہ بھی طاقت میں سفید دیو کا دادا ہے۔

ماشااللہ: طغرل پاؤں اور شہریار سر ہے۔

خیر سلا: مگر پاؤں چاہے تو سر کو ٹھوکروں سے اڑا دے۔ یہ ہی خبر ہے۔

ماشااللہ: اچھا بے اچھا دیکھنا کس کا پانسا چت پڑتا ہے۔ تعریف کے دسترخوان پر وہ چٹپٹا مصالحہ لگا کر شہریار کو پیش کروں کہ مزا آجائے۔

خیر سلا: اور میں بھی وہ نمک مرچ چھڑکوں کہ تیرا پکایا قورمہ پھیکی دال ہوجائے۔

ماشااللہ: کیا تو مجھ سے زیادہ لسان ہے؟

خیر سلا: ابے کیا تو مجھ سے زیادہ چرب زبان ہے؟

ماشااللہ: ابے اناڑی میں ایک شاعر کا بیٹا ہوں۔

خیر سلا: تو بیٹا میں کس سے ہیٹا ہوں۔ میں بھی فردوسی کی قبر پر برسوں خاک چاٹنے کو لیٹا ہوں۔

ماشااللہ: اگر شاعری کا غرور ہے تو میرے مصرعے پر مصرعہ لگا۔

خیر سلا: اچھا بول۔

ماشااللہ: بلبل کی انتڑیوں میں رگ گل کی پھانس ہے۔

خیر سلا: شاعروں کے بھیجے میں تھوڑا گوبر، تھوڑا بھوسا، تھوڑی سی گھانس ہے۔

ماشاللہ: ابے یہ مصرعہ تو بڑھ گیا۔
خیرسلا: پہلے مصرعے سے دوسرا مصرعہ بڑھ کر نہ رہا تو مصرعہ ہی کیا ہوا۔
ماشاللہ: ابے نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مصرعہ لمبا ہوگیا۔
خیرسلا: ابے شاعری ہمارے باپ کے گھر سے نکلی ہے۔ چاہے مصرعہ بڑھا دیں چاہے گھٹا دیں۔ یہ ہم کو اختیار ہے۔
ماشاللہ: نہیں دوسرا لگا۔
خیرسلا: اچھا ایک مرتبہ پھر جھک مار جا۔
ماشاللہ: بلبل کی انکھڑیوں میں رگ گل کی پھانس ہے۔
خیرسلا: مصرعہ تو کچھ نہیں ہے فقط ٹھونس ٹھانس ہے۔
ماشاللہ: واہ بھائی واہ۔ کیا مصرعہ لگایا ہے۔ (سائڈ میں) خدا جانے اس کو شاعر کس الو کے پٹھے نے بنایا ہے۔
خیرسلا: کیوں اتنے شاعروں میں جوتے سے تیری ناک کاٹ کر رکھ دی نا۔
ماشاللہ: اچھا میں دوسرا مصرعہ بولتا ہوں۔
خیرسلا: وہ بھی بک ڈال۔
ماشاللہ: کل شب کو مجھے خواب میں الو نظر آیا۔
خیرسلا: آنکھیں جو کھلیں سامنے بس تو نظر آیا۔
ماشاللہ: جا بھائی جا حجامت بنا۔ کبھی تیرے باپ نے بھی شاعری کی تھی؟
خیرسلا: کیوں ایک ہی شعر میں گھبرا گیا۔
ماشاللہ: اچھا ایک ٹیڑھی بحر میں مصرعہ دیتا ہوں۔
خیرسلا: ٹیڑھی ہے تو مارکوٹ کے سیدھی کردوں گا۔ بول۔
ماشاللہ: رات کو انڈا پکایا وہ بھی کچا رہ گیا۔
خیرسلا: ۔

رات کو انڈا پکایا وہ بھی کچا رہ گیا
مرگئے شاعر فقط الو کا پٹھا رہ گیا

ماشاللہ: ابے اے۔ شعر بازی سے گھبرایا تو گالیاں دینے پر اتر آیا۔
خیرسلاّ: کیوں۔ قافیہ تنگ ہوگیا۔ اچھا اب تو اُدھر جا میں اِدھر جاتا ہوں۔
ماشاللہ: کیا دروازہ نظر نہیں آتا ہے۔ اُدھر کہاں جاتا ہے؟
خیرسلاّ: الگ ہٹ ورنہ بتیسی پیٹ میں اتار دوں گا۔
ماشاللہ: ناک کی سیدھ پر چلا جا ورنہ یہیں جان سے مار دوں گا۔
خیرسلاّ: شیروں کو دھمکاتا؟
ماشاللہ: ہاتھی سے کتا کھاتا؟

(دونوں لڑنے لگتے ہیں۔ تسنیم کا سہیلیوں کے ساتھ آنا)

تسنیم: ارے یہ کیسی لڑائی ہے؟
خیرسلاّ: حضور کا بول بالا۔ مرتبہ اعلیٰ۔ یہ ذلیل رذالہ۔ انڈے بیچنے والا۔ مرجائے اس کی خالہ۔ نکل جائے خبیث کا دیوالہ۔ خواہ مخواہ کرتا ہے گڑبڑ گھٹالا۔
ماشاللہ: خبردار جو بیجا لفظ زبان سے نکالا۔
خیرسلاّ: تونے چوں کی اور میں نے تیرا کچومر بنا ڈالا۔
تسنیم: یہ کیا کرتے ہو پاگلوں کی طرح بات چیت میں لڑے مرتے ہو۔
سہیلی ا: سرکار ان سے یہ تو پوچھیے کہ یہ دونوں یہاں آئے کس لیے ہیں؟
خیرسلاّ: سرکار میرے آقائے ذی وقار، عالی تبار، فخر روزگار، طغرل بیگ نامدار نے یہ موتیوں کا ہار آپ کی خدمت میں نذرانہ بھیجا ہے۔ اگر خلعت قبولیت سے سرفراز ہوگا تو یہ امر میرے آقا کے لیے باعث فخر و ناز ہوگا۔
تسنیم: خیر۔ اور ماشاللہ تم کیوں کر آئے؟
ماشاللہ: حضور۔ شرافت۔ عصمت اور محبت کے پجاری نے حسن کی دیوی کی خدمت میں یہ تحفہ بھیجا ہے۔

تسنیم: طغرل کی طرف سے موتیوں کا ہار۔ اور شہریار کی طرف سے پھولوں کا ہار۔ اس ہار کی تیاری میں ایک بھی جان کا نقصان نہ ہوا ہوگا اور اس ہار کی تیاری میں سینکڑوں مچھلیوں اور غوطہ خوروں کی جان گئی ہوگی۔ یہ ہار گلے کی زینت بڑھاتا ہے اور یہ ہار انسانوں کے گلے کٹواتا ہے۔ یہ ہار تھکے ہوئے دماغ کا بوجھ دور کرتا ہے اور یہ ہار خوش و خرم دماغ کو سینکڑوں فکروں کے بوجھ سے چور کرتا ہے۔ یہ ہار امیروں کے محل میں چمکتا ہے اور یہ ہار امیروں کے محل اور غریبوں کی جھونپڑی ہر ایک جگہ مہکتا ہے۔ اس ہار کو ولی، پیر، پیغمبر تک چاہتے ہیں اور اس ہار کو ایک خوفناک شیطان سمجھ کر خوف کھاتے ہیں۔ اس لیے آ اے پیر پیغمبر کی پسندیدہ چیز میں تجھے منظور کرتی ہوں اور جا غرور، لالچ، غم، فکر کے زہر میں تجھے نفرت سے دور کرتی ہوں۔

خیرسلا: حضور حضور۔ یہ آپ نے کیا کیا؟

تسنیم: جاؤ اپنے مالک سے کہہ دو کہ آئندہ کوئی تحفہ بھیجنے کی تکلیف۔ نہ فرمائیں۔

خیرسلا: مگر بات تو سنیے......

ماشاالله: بس ڈگڈگی بجاتا ہوا چلا جا۔

خیرسلا: تو کیا طغرل فیل اور شہریار پاس؟

ماشاالله: بس دفان ہوجاؤ بیٹا خبط الحواس۔

خیرسلا: کم بخت یہ سب تیرا ہی فساد ہے۔ کیا کبھی میرے محلے میں نہ آئے گا۔

ماشاالله: ابے سیدھا چلا جا نہیں تو لات کھائے گا۔

خیرسلا: نامراد کہیں کا۔ پیٹھ کے پیچھے مارتا ہے۔ منھ پر مارتا تو مزہ چکھاتا۔

(جانا)

ماشاالله: حضور اب میں بھی آداب بجالاتا ہوں۔
تسنیم: خدا حافظ۔ میری جانب سے تسلیم کے بعد اپنے آقا کا شکریہ ادا کرنا۔
ماشاالله: اچھا کورنش۔

(ماشاالله کا جانا)

سہیلی ۱: تشریف لے چلیے۔
سہیلی ۲: پیاری چشم بد دور۔ اس خوبصورت ہار میں، یہ نور کے سانچے میں ڈھالی ہوئی گردن بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے۔ ؎

گویا کہ شمع روشن ہے بزم بوستاں میں
یا چاند سو رہا ہے آغوش کہکشاں میں

(گانا)

بنو بنو سکھی دُلھنیاں
پیا پیارے کے گروا میں ڈارو گوری بہیاں
رہو گوئیاں ،اکی چھنیاں کیسو پایو تونے سیاں۔ بنو سکھی....
سلوک چرخ ستم گار دیکھیے کیا ہو
کیا ہے زیب گلو ہار دیکھیے کیا ہو
امید دل میں تو لاکھوں بہار افزا ہے
کہ رنگ غیب سے اظہار دیکھیے کیا ہو
واہ جی واہ کیا خوب ملا۔ ہمیں یہ پیارا دل دار۔ بنو سکھی....

(گاتے گاتے سب کا جانا)

باب دوسرا ——— سین تیسرا

طغرل کا محل

(طغرل کا خیرسلّا کی گردن پکڑے ہوئے آنا)

خیرسلّا: دیکھیے دیکھیے ایک شریف آدمی کی عزت پر حملہ کرنا ٹھیک نہیں۔
طغرل: تو بول میرے ہار کا کیا ہوا۔
خیرسلّا: گردن تو چھوڑیے جناب والا۔
طغرل: تو بولتا کیوں نہیں؟
خیرسلّا: ارے میں کیا میری ہڈیاں تک بول گئیں۔
طغرل: مگر نہ بولا تو تو بے حیا۔
خیرسلّا: جناب میں کبھی چیں بول گیا۔
طغرل: بتا تسنیم نے میرے ہار کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
خیرسلّا: کیا یہ کہ آپ کے ہار کو آپ کی دلدار نے دیکھا بھالا، تولا، جانچا اور کہا کہ بہت خوبصورت بہت پیارا اور یہ کہہ کر پھٹی ہوئی جوتی کی طرح میرے مقدس چہرے پر کھینچ مارا۔
طغرل: اوہ۔
خیرسلّا: اُف۔
طغرل: میری محبت کا یہ انجام۔
خیرسلّا: میری محنت کا یہ انعام۔

طغرل: میرے یار کی یہ بے عزتی۔
خیرسلا: ایک ایڈی کا ٹنگ کا یہ انسلٹ۔
طغرل: غضب۔
خیرسلا: ستم۔
طغرل: اچھا آگے بول۔
خیرسلا: بس جناب آگے نہ پوچھیے ورنہ آپ کے مزاج کے تھرمامیٹر کا پارہ سوا سو ڈگری پر چڑھ جائے گا۔
طغرل: بول تو نے تسنیم سے کیا کہا؟
خیرسلا: سنیئے میں نے کہا کہ میرے آقا آپ کو نہایت سچے دل سے چاہتے ہیں۔
طغرل: تو اس نے کیا کہا؟
خیرسلا: اس نے کہا ایسے جیسوں کتے میری گلی میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔
طغرل: نمک حرام کنز گدے۔ اس نے ایسی بے نقط سنائی۔ تجھے کچھ شرم نہ آئی۔
خیرسلا: یہ بھی ٹھیک۔ گالیاں آپ کو سنائے اور شرم مجھے کیوں آئے۔
طغرل: تو کیا تو میرا ایڈی کا ٹنگ نہیں ہے؟
خیرسلا: ایڈی کا ٹنگ کیا بلکہ شیطان کا ٹانگ ہوں۔
طغرل: تو پھر تو نے کیوں کچھ میری طرف سے کہا؟
خیرسلا: میں نے خوب کہا۔
طغرل: کیا کہا؟
خیرسلا: میں نے کہا کہ ہمارے آقا کو تم ایسے ویسے نہ سمجھو۔ وہ بڑے مردود ہیں، پاجی ہیں، موذی ہیں، خبیث ہیں۔ جب ان کا غصہ ہاتھ سے جاتا ہے تو کتے کی طرح سب کو کاٹ کھاتا ہے۔
طغرل: ابے تو شیطان۔ یہ کیا تو نے میری تعریف کیا؟
خیرسلا: حضور تعریف کی بلکہ ڈانٹا جب تو کہنے لگی کہ تیرے آقا سے کہنا

کہ جہاں فرشتوں کا پتہ نہیں وہاں ایسے بھوتوں کو کون پوچھتا ہے۔

طغرل: ایسی نفرت۔ ہزار لعنت۔

خیرسلا: پھر بھی ایسی محبت۔ ہزار پھٹکار۔

طغرل: ہائے خدا میں کیا کروں؟

خیرسلا: حر جے کی نالش۔

طغرل: کس پر؟

خیرسلا: اپنے معشوق کے عاشق، اپنے یار کے یار، اپنے دلدار کے دلدار پر۔

طغرل: تو کیا تسنیم کا دل کسی اور پر شیدا ہوگیا؟

خیرسلا: جی ہاں۔ آپ نے جو ہانڈی پکاکر رکھی تھی اس کا کھانے والا ایک اور پیدا ہوگیا۔

طغرل: یعنی کون؟ بول وہ کون؟

خیرسلا: لفٹنٹ شہریار۔

طغرل: ہائیں شہریار؟

خیرسلا: لو نام سنتے ہیں آ گیا بخار۔

طغرل: مگر شہریار کو تسنیم کی طرف دیکھنے کی جرأت ہی کیوں کر ہوئی۔

خیرسلا: تو کیا کسی عورت کی طرف دیکھنے کے لیے بھی لائیسنس لینا پڑتا ہے۔

طغرل: ابے بدذات تیرا سر تو نہیں پھر گیا۔

خیرسلا: آثار تو ایسے ہی پائے جاتے ہیں۔

طغرل: میرے پھول کی طرف ہاتھ بڑھانے کا اسے کیا حق تھا؟

خیرسلا: کوئی نہیں۔ قانون صاف نا کہتا ہے۔

طغرل: کیا تسنیم میرے ہاتھ سے نکل جائے گی؟

خیرسلا: نو سر۔

طغرل: میں جو چاہوں کرسکتا ہوں؟

خیرسلاّ: یس سر۔

طغرل: بس نکل جا۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔

خیرسلاّ: مگر حضور ایڈی کانگ کو تو ہر وقت پاس رہنا چاہیے۔

طغرل: ایڈی کانگ کا بچہ۔ نکل۔ ورنہ کھا جاؤں گا کچا۔

خیرسلاّ: تھینک یو۔

طغرل: آہ تسنیم۔ شہریار۔ غصہ، کینہ۔

خیرسلاّ: نو سر۔ نو سر۔

طغرل: ابے نافرجام۔ تو کیوں کھڑا ہے؟

خیرسلاّ: آپ کو دلاسا دینے کے لیے۔

طغرل: مجھے دلاسے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خیرسلاّ: نہیں حضور۔ آپ کو دلاسے کی سخت ضرورت ہے۔

طغرل: بس فوراً چلا جا۔ ورنہ انجر پنجر ڈھیلے کردوں گا۔

خیرسلاّ: نیور مائنڈ۔

طغرل: میں کہتا ہوں کہ چلا جا۔

خیرسلاّ: آل رائٹ سر۔

طغرل: شہریار۔ شہریار۔ میں تیرا خون کردوں گا۔

خیرسلاّ: نو سر۔ نو سر۔ پولیس کو خبر ہو جائے گی۔

طغرل: پھر آدھمکا۔ تو نہیں جائے گا خانہ خراب۔

خیرسلاّ: لیجیے آداب۔

طغرل: نابکار میں تم سے خوفناک بدلہ لوں گا۔

خیرسلاّ: نو سر۔ نو سر۔

طغرل: گستاخ، شریر، رذالہ۔

خیرسلاّ: بچانا میری خالہ۔

طغرل: بہت خوب۔ بہت ٹھیک۔ میں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ کیا طاقت رکھتا ہوں۔ کیا کرسکتا ہوں۔ شیر کا شکار لومڑی چھین لے۔

بھیڑیے کا لقمہ بھیڑ ہضم کرلے۔ شہریار۔ ذلیل، کنگال شہریار تو ابھی تک مجھے اصلی صورت میں نہیں پہچانتا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پہچانے گا اور اچھی طرح پہچانے گا۔

باب دوسرا ——— سین چوتھا

تسنیم کا مکان

(گانا)

کریجوا میں ماری کٹاری۔ رے سپہیا
کیسا ظلمی بانکے سپہیا
کہ کار سے کہ مورے دیا
سانوری صورت، متواری سینا
مدھر مدھر بولے جیسے کوڈ یمنا۔پردا
مورے چھیلا جیردا
میں واروں۔ میں بیان کرے ڈاروں
کریجوا میں ماری کٹاری

شہریار: پیاری تسنیم لوگ سچ کہتے ہیں کہ عشق کے دیوتا کے پاس آنکھیں نہیں ہیں۔

تسنیم: بالکل جھوٹ ہے۔

شہریار: بالکل سچ ہے۔

تسنیم: ثبوت؟

شہریار: میری پیاری۔ اگر عشق کی آنکھیں ہوتیں تو یہ شرمیلی آنکھیں طغرل کے مقابلے میں ایک سپاہی کو جس کے پاس شرافت اور محبت کے

سوا اور کوئی چیز نہیں ہے، ہر گز پسند نہیں کرتیں۔

تسنیم: لیکن تمام دنیا میں پسند کے لائق صرف یہی دو چیزیں ہیں۔ جس طرح آفتاب نکلنے کے بعد تاروں کی کوئی وقعت نہیں رہتی، اسی طرح شریف اور محبت پرست دل پر قبضہ پانے کے بعد عورت کی نظر میں کسی چیز کی عزت نہیں رہتی۔

(سہیلی کا آنا)

سہیلی: حضور کوئی شخص باہر ملاقات کا امیدوار ہے۔

(شہریار کا سہیلی کے ساتھ جانا)

شہریار: بہت اچھا۔ (تسنیم سے) پیاری میں ابھی آیا۔

تسنیم: ذرا جلد آنا۔ باتوں میں نہ لگ جانا۔

(گانا)

ہاں رے۔ کوئی بانکو سپہیا لبھائے گیو
ہاں رے مورے جیا ہیا میں سمائے گیو۔ ہاں رے.....
تن من بالا جوبن پیاری پھبن واری سجنوا
سیّاں دوانی بناکے، لبھا کے رجھائے گیو۔ ہاں رے.....
کوئی اور کچھو سو جھت ناہیں ایسی جھلک دکھائے
آن بسے مورے نین میں راکھوں پلک چھپائے
اب تو ہے دھیان یہی۔ ان پر قربان گئی
تن من دھن وار دئی۔ چھیلا لبھائے گیو۔ ہاں رے.....

(طغرل کا داخل ہونا)

طغرل: (خود کلامی) بس آخری فیصلہ۔ آخری سوال۔

تسنیم: خدا بچائے۔ یہ موذی سانپ۔ خدا جانے کیا زہر اگلنے آیا ہے۔

طغرل: تسنیم۔ ادھر آ۔ قریب آ۔ میرے سامنے آ۔ اور جو کچھ میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دے۔

تسنیم: جناب عالی۔

طغرل: ؎

بتا یہ طوق لعنت بے وفا عیار کس کا ہے
یہ پھانسی کس نے بھیجی ہے گلے میں ہار کس کا ہے

تسنیم: ؎

پھانسی نہیں یہ پھانس ہے دشمن کے جگر میں
اور حلقۂ زنجیر وفا میری نظر میں

طغرل: بیوقوف۔ ؎

کانٹا کہاں اور ایک بت لالہ رو کہاں
ناچیز شہریار کہاں اور تو کہاں
زہریلا وہ درخت ہے بھاگ اس کی چھاؤں سے
اس ہار کو اتار کے مل ڈال پاؤں سے

تسنیم: نہیں کبھی نہیں۔

طغرل: نہیں؟

تسنیم: ہاں۔

طغرل: ؎

یہی ضد یہی وتیرہ جو ستم شعار ہوگا
نہ تو یہ گلا رہے گا نہ گلے میں ہار ہوگا

تسنیم: ؎

کچھ بھی ہو مگر جب تک سر تن سے نہ اترے گا
یہ ہار کبھی میری گردن سے نہ اترے گا

طغرل:

سر پہ رکھ کر ہاتھ روئے گی نصیبوں کے لیے
ایک دولت مند سے نفرت غریبوں کے لیے
میرے آگے اس قدر توقیر نا ہنجار کی
دیکھ یہ عزت ہے اس کی اور اس کے ہار کی

(طغرل ہار توڑ کر پیر سے کچلتا ہے)

تسنیم: ہائے ظالم بے ادب بے درد تو نے کیا کیا.....

طغرل: .....جو ہوا اچھا ہوا اور جو کیا اچھا کیا۔

وہ بھی یاں ہوتا تو۔ یوں ہی پائمالی دیکھتا
آسماں روئے زمیں کو اس سے خالی دیکھتا

تسنیم: بس صاحب بس۔ زبان کو لگام دو۔ میں تمھارے منھ سے اپنے پیار کے لیے ایسے منحوس الفاظ نہیں سننا چاہتی۔

طغرل: کیا؟ پیارا؟ وہ ذلیل، رذیل، آوارہ، ناکارہ اور تسنیم تیرا پیارا؟

تسنیم: ہاں میرا پیارا۔

طغرل: تسنیم ہوش کر۔ سنبھل۔ دیکھ۔ سن۔ مان۔ تو۔ دھوکا کھا رہی ہے۔

تسنیم: میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔ میں تمھارے لائق نہیں ہوں۔

طغرل: تو پھر کس کے لائق ہے؟

تسنیم: جو تمھاری نظروں میں نالائق ہے۔

طغرل: دیکھو تم دونوں پچھتاؤ گے۔

تسنیم: جیسا کروگے ویسا ہی پاؤگے۔

(تسنیم کا جانا اور شہریار کا آنا)

طغرل: نابکار، نانجار، مجھ سا جرار، ذی وقار، طرحدار، مال دار اور شادی سے انکار؟ لٹیرے، ڈاکو، عیار، مکار، آقا کا شکار، مالک پروار، شرم نہ آئی نابکار۔

شہریار: جناب کیا آپ اس غصے کا سبب بتاسکتے ہیں؟

طغرل: اچھی طرح بتلا دیا جائے گا نمک حرام۔

شہریار: بس جناب شہریار نوکر ہے نہ کہ غلام۔

طغرل: خدا کی شان۔ کہاں زمین، کہاں آسمان، کہاں پھول کہاں ببول۔ کہاں میٹھا شہد کہاں کڑوی نیم۔ تو اور تسنیم۔

شہریار: تو کیا آپ اس لیے ناراض ہیں کہ میں تسنیم سے محبت کرتا ہوں۔

طغرل: دور ہو، دور ہو۔ شہریار میرے راستے سے دور ہو۔

شہریار: آپ مجھے دھمکی دیتے ہیں۔

طغرل: مجھے دھمکی دینے کی طاقت ہے۔

شہریار: آپ کو کوئی طاقت نہیں۔

طغرل: ایک باادب ماتحت کی طرح گفتگو کر۔

شہریار: تو آپ بھی ایک شریف افسر کی طرح کلام کیجیے۔

طغرل: دیکھ پچھتائے گا۔

شہریار: پتھر کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔

طغرل: کیا تو مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے؟

شہریار: اس کا جواب یہ بازو دیں گے۔

طغرل: کیا تو مجھ سے زیادہ اس کے لائق ہے؟

شہریار: اس کا جواب تسنیم دے گی۔

طغرل: کیا تو مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟

شہریار: اس کا جواب آئینہ دے گا۔

طغرل: کیا تو مجھ سے مقابلہ کرکے جیت سکے گا؟

شہریار: اس کا جواب قسمت دے گی۔

طغرل: دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ تسنیم کا میں تجھ سے زیادہ حق دار ہوں۔

شہریار: کس طرح؟

طغرل: اس طرح کہ تو ایک معمولی سپاہی ہے اور میں ایک سپہ سالار ہوں۔

شہریار: تو کیا عشق و محبت پر سپہ سالاری کی مہر لگی ہے۔

طغرل: چپ بد لگام۔

شہریار: کیوں؟

طغرل: کیونکہ تو میرا ماتحت ہے۔

شہریار: اگر افسری اور ماتحتی پر دارومدار ہے تو بندہ ایسی نوکری سے دست بردار ہے۔

طغرل: شہریار۔ ہوش سنبھال۔

شہریار: اپنی نوکری بھاڑ میں ڈال۔

طغرل: یہ بات ہے۔ (اپنے آدمیوں سے) پکڑلو۔ باندھ لو۔

(چند سپاہیوں کا آنا اور شہریار کو گرفتار کرلینا۔تسنیم کا آنا)

تسنیم: خدا وند۔ اب تیرے سوائے کس سے مدد مانگوں۔ تیرے سوائے کس کے سامنے آنسو بہاؤں۔تسنیم اور شہریار دونوں کی زندگی صرف تیری مٹھی میں ہے۔

کرنہ پھوٹی ہوئی قسمت کے حوالے ہم کو
اپنی رحمت کے تصدق میں بچالے ہم کو

باب دوسرا ——— سین پانچواں

لشکری چھاؤنی

(کورٹ مارشل میں طغرل، سررشتہ دار وغیرہ بیٹھے ہیں)

طغرل: سناؤ۔

سررشتہ دار: علیہ حضرت۔ ملکہ معظمہ شمسہ نامی کے فوجی قانون منظور کردہ اور نواب قتلو خاں کے حسب منشا بارہویں رجمنٹ کے لفٹنٹ شہریار ولد شیرافگن پر مندرجہ ذیل جرائم قائم کیے گئے۔ اول افسران بالا کی بلا اجازت چھاؤنی سے غیر حاضر رہنا۔ دوئم بلا استعفیٰ دیے ملازمت چھوڑ دینا۔ سوئم اپنے افسر طغرل بیگ پر بحالت ادائے فرض مہلک حملہ کرنا۔ مذکورہ بالا تمام جرائم فوجی اراکین مندرجہ ذیل کے روبرو پیش کیے گئے۔ جنرل شہواز، کرنل ظفر مرزا، میجر دلاور خان، ڈپٹی ظہور بیگ۔ ملزم نے اپنی بریّت کی تائید میں اور مندرجہ بالا جرائم کی تردید میں جو ثبوت پیش کیے وہ استغاثہ کے روئیداد سے بالکل بے سود ٹھہرائے گئے۔ لہذا عدالت نے مجبور ہوکر بتاریخ ۲۲ محرم الحرام ۱۲۰۶ھ بروز چہار شنبہ بہ مقام قاہرہ کیمپ حکم دیا کہ ٹھیک ۱۲ بجے دن کے گولی مارکر شہریار کی نمک حرام زندگی کا خاتمہ کردیا جائے۔

دستخط عزت پاشا، کورٹ مارشل، ۲۰ محرم ۱۲۰۶ ہجری مقام قاہرہ کیمپ

افسر: شہریار۔ چند منٹ کے بعد موت آکر تم سے مصافحہ کرے گی۔ کیا تم ایک دلیر سپاہی کی طرح اس کے استقبال کو تیار ہو؟

شہریار: شوق سے۔

افسر: کوئی خواہش؟

شہریار: کوئی نہیں۔

افسر: کچھ کہنا چاہتے ہو؟

شہریار: کچھ نہیں۔

افسر: کچھ بھی؟

شہریار: جو عدالت کا مضحکہ اڑائیں۔ انصاف کو ذبح کرائیں اور دولت کے لالچ میں جھوٹی گواہیاں دے کر ایک بے گناہ کو موت کی سزا دلائیں۔ ان سے کیا کہوں؟

افسر: آخر تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے انصاف کے مطابق ہوا ہے۔

شہریار: جھوٹے ہو۔ تم سب جھوٹے ہو۔ اور ایک دوسرے سے زیادہ جھوٹے ہو۔

طغرل: یہ بیہودہ بکواس تیرے سینے کو گولیوں کا نشانہ بنانے سے باز نہیں رکھ سکتی۔

شہریار: خاموش او نامرد بزدل خاموش۔ میں تجھ سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اگر تجھے اپنی خفت کا بدلہ لینا تھا تو تلوار پکڑ کر میدان میں آتا۔ مجھے اپنے مقابلے کے لیے بلاتا۔ دو دو ہاتھ آزماتا اور ایک شریف سپاہی کی طرح مارتا یا مرجاتا۔ ؎

سامنے آکر جو ٹوکے مرد اس کا نام ہے
آڑ لے کر وار کرنا بزدلوں کا کام ہے

طغرل: احمق۔ اب تیرے پاس چند سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔ انھیں بیہودہ بکواس میں ضائع کرنے کے بدلے موت کے ماتم میں صرف کر۔

شہریار: موت پر ماتم کرنا عورت یا تیرے جیسے بزدلوں کا کام ہے۔ موت

کیا ہے؟ موت تو صرف ایک ملک کو چھوڑکر دوسرے ملک میں جا بسنے کا نام ہے۔ ؎

صاحب تاج گئے، مفلس و محتاج گئے
ہم بھی جانے ہی کو تھے کل نہ گئے آج گئے

طغرل: کیا تجھے اپنے مرنے کا غم نہیں ہے؟

شہریار: کوئی نہیں۔ ذرا نہیں۔ مگر ہاں افسوس ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ جنگ کے میدان میں کسی شریف بہادر کی تلوار سے مرنے کے بدلے تیرے جیسے نامرد دشمن کی دغابازی سے زندگی گنواتا ہوں۔ اور اس بدمعاش دنیا میں غریب تسنیم کو تنہا چھوڑ جاتا ہوں۔

طغرل: تسنیم۔ زندگی میں تسنیم اور موت کے وقت بھی تسنیم۔ بدنصیب۔ ؎

تسنیم نظر آئے گی اب میری بغل میں
تو قبر میں ہوگا وہ مرے رنگ محل میں

شہریار: کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ فرشتے بے راہ ہوجائیں۔ سیارے سیاہ ہو جائیں۔ سورج اور چاند ٹکرا کر تباہ ہوجائیں مگر تیری امید کی دنیا ہمیشہ اندھیری رہے گی۔ تسنیم میری تھی، میری ہے اور میری رہے گی۔

(تسنیم کا آنا)

تسنیم: ہاں ہاں۔ تیری تھی۔ تیری ہوں اور ہمیشہ تیری رہوں گی۔

طغرل: کمبخت نامراد تسنیم۔ کیا تو اس بدبخت کی لاش پر ماتم کرنے آئی ہے۔

تسنیم: نہیں۔ میں یہ کہنے آئی ہوں کہ موت ہر وقت حملہ کرنے کے لیے تیار ہے اور وہ زبردست ہاتھ جس نے بڑے بڑے فرعونوں کو نیست و نابود کردیا، ابھی تک ویسا ہی طاقت دار ہے۔ ؎

اگر جانتے ہو کہ تم اک بشر ہو
اگر اپنی طاقت کی تم کو خبر ہو
اگر موت اور عاقبت پر نظر ہو
اگر کچھ خدا اور خدائی کا ڈر ہو
تو ہستی مٹاؤ نہ اس بے خطا کی
کرو رحم رحم اک صفت ہے خدا کی

شہریار: نہیں تسنیم نہیں۔ مجھے مرنے دے۔ وہ رحم جو شیطان کے سامنے گڑگڑا کر، دامن پھیلاکر، بھیک مانگ کر حاصل کیا جاے، مجھے نہیں چاہیے۔

تسنیم: میرے پیارے ٹھہرو۔ مجھے قسمت آزمانے دو، بولنے دو۔ دیکھو۔

افسر: جاؤ واپس جاؤ۔ جس مجرم کے لیے فوجی عدالت سے موت کی سزا تجویز ہوچکی ہے، ہم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔

تسنیم: اگر تمھاری فوجی عدالت نے ایک بے گناہ کو موت کی سزا دی ہے تو میں تمھاری انسانیت کی عدالت میں خدا اور انصاف کے نام پر اپیل کرتی ہوں۔

شہریار: تسنیم۔ اپنے منھ کے موتیوں کو کتوں کے آگے نہ پھینک۔ تو کیسی سودائی ہے۔ کیا میرے حریف کے سامنے مرتے وقت مجھے ذلیل کرنے آئی ہے۔

تسنیم: میرے پیارے دو منٹ، صرف دو منٹ۔ مجھے چند لفظ اور بولنے دو۔

شہریار: بس کر تسنیم میں تجھے محبت کی قسم دیتا ہوں۔ بس کر۔

تسنیم: میرے پیارے تم کیا کہتے ہو۔

شہریار: یہی کہ میں ناشاد ہوں، نامراد ہوں، دنیا جواہرات سے بھری ہوئی ہے۔ عقل کی روشنی میں دیکھ کر کوئی نایاب ہیرا اپنے لیے پسند کرلیتا۔

تسنیم: شہریار۔ تم میرے دل پر پتھر برساتے ہو۔ کیا تم مجھے بے وفا جانتے ہو۔ میری محبت کو بازاری عورت کی محبت سمجھتے ہو۔ نہیں ایسا نہ سمجھو۔ ؎

میری عزت، میری راحت، میرے دین ایمان ہو
میں نظر تم روشنی میں جسم اور تم جان ہو
بے تمھارے یہ جہاں ماتم کدہ سے کم نہیں
زندگانی ہے تمھیں تک تم نہیں تو ہم نہیں

افسر: وقت پورا ہوا۔

طغرل: ہٹ جاؤ۔

تسنیم: جب تک میں لاش بن کر ان کے قدموں کے آگے گر نہ جاؤں مجھے یہاں سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

طغرل: میں پھر کہتا ہوں کہ اس کم بخت کے لیے جان نہ دے۔

تسنیم: میں پھر سمجھاتی ہوں کہ دنیا کے فریب میں آکر ایمان نہ دے۔ ؎

شان و شوکت، مال و دولت، افسری، عزت، خطاب
جھٹپٹے کی دھوپ ہے یا ایک بیداری کا خواب
چند دن کی حاکمی اور چند دن کا جبر ہے
پھر خدا ہے اور تو ہے اور اندھیری قبر ہے

طغرل: بیوقوف۔ تو کیا اس اجل رسیدہ کے ساتھ تو بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا چاہتی ہے۔

تسنیم: ؎

چھن گئیں آنکھیں تو پھر اس روشنی کا کیا کروں
زندگی کا سکھ گیا تو زندگی کا کیا کروں
باوفائی عورتوں کا فرض ہے، ایمان ہے
ایسے مرنے پر ہزاروں زندگی قربان ہے

طغرل: نہیں مانتی تو اس کے ساتھ اس مردار کو بھی جہنم میں جانے دو۔

گولیاں چلاؤ۔

تسنیم: فرشتو۔ میرے فرشتے کو بچاؤ۔

قہرمان: (آکر) خبردار۔

(جنرل قہرمان کا فائر کرنا۔ جلاد کا گولی کھاکر مرجانا اور قہرمان کے سپاہیوں کے ہاتھ طغرل کے سپاہیوں کا گرفتار ہوجانا)

باب دوسرا ——— سین چھٹا

جنگل

(لڑکوں کی فوج بنائے ہوئے سہیل کا داخلہ)

سہیل: ہشام۔ ہم تم کیسی خوبصورت جگہ میں رہتے ہیں۔ چھتنارے درخت، لہلہاتی ہوئی دوب، ہرا بھرا میدان، سبز پوش ٹیلے، خوبصورت جھرنے، شفاف پانی کی لہریں، کوسوں تک رنگ برنگ پھولوں کی قطار۔ یہ جنگل ہے یا گلزار۔

ہشام: حضور۔ واقعی صنعت کردگار ہے۔ عجب جائے پر بہار ہے۔

سہیل: بے شک۔ ؎

جہاں بھر کا سامان راحت یہیں ہے
یہ جنگل نہیں ہے بہشت بریں ہے

(شمسہ کے سپاہی آتے ہیں اور سہیل کو پکڑتے ہیں)

سپاہی ا: یہ ہے پکڑلو۔ باندھ لو۔

سہیل: نہیں نہیں۔ میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ہشام ہشام مجھے بچالو۔

سپاہی ا: چپ شیطان۔

ہشام: چھوڑدو بدکارو۔ چھوڑدو۔
سپاہی ۲: نابکار۔ بند کر تکرار۔
ہشام: خونی، لٹیرے، دوڑو، دوڑو۔

(اندر سے طاہرہ اور اس کے ساتھیوں کا آنا)

ایک ساتھی: ہائیں کیسا شور۔ کہاں ہے چور؟
دوسرا: کہاں ہے۔ کدھر ہے؟
طاہرہ: او خدا۔ ہشام تو خون میں تر ہے۔
تیسرا: ہشام تم زخمی کیوں کر ہوئے۔
ہشام: میری فکر چھوڑ دو۔ مجھے مرنے دو۔ جاؤ جاؤ۔ سہیل کو دشمن کے پنجے سے بچاو۔ یتیم کو چھڑاؤ۔
طاہرہ: ہشام۔ ہشام۔ تو کیا کہہ رہا ہے۔ کیا مقدر پھر بگڑ گیا ہے۔ غریب سہیل دوبارہ موذیوں کے ہاتھ میں پڑگیا ہے۔
ہشام: افسوس۔ قسمت۔ مجبوری۔
طاہرہ: نہیں۔ نہیں۔ میں جب تک زندہ ہوں، وہ کبھی ضائع نہیں ہوگا۔
ایک ساتھی: اب کیا کرنا چاہیے؟
دوسرا: ہمت اور مدد۔

(سب کا جانا)

باب دوسرا ——— سین ساتواں

ماشاءاللہ کا مکان

(ممتاز کا گاتے ہوئے داخل ہونا)

گھرداری، سنساری، میں ناری، کیسے ہے سوبھاؤ نروا
ایسے روکے ٹوکے موہے، ٹھروا سے جرے مورا جگروا۔ سنساری.....
گھڑکی، جھڑکی سُنت سُنت جرجائے مورا جیروا
کاٹ کاٹ موہے قید کی گھروا
روکت مورا ڈگروا۔ گھرداری......

ممتاز: وہاٹ از دِس نان سِنس۔ یہ مردوے تو ہم عورتوں کو کچھ گنتے ہی نہیں۔ میاں کا حساب کتاب ہم رکھیں۔ گھر ہم دیکھیں۔ کپڑے ہم سئیں۔ چولھا ہم پھونکیں۔ بچے ہم پالیں۔ اور ان سب کا یہ انعام کہ کھڑکی سے کیوں جھانکا۔ دروازے پر کیوں کھڑی تھی۔ اس سے کیوں بولی۔ اس سے کیوں ہنسی، ایسا کیوں کیا، ویسا کیوں کیا۔ اور ذرا عورت جواب دینے میں ٹپٹائی تو ناک چوٹی کی شامت آئی۔ یہ مردوے تو اس وقت سیدھے ہوں گے جب عورتیں ان کو ایک دم بائیکاٹ کردیں۔ پھر دیکھیں کہ جورو بغیر کیسے کام چل سکتا ہے۔ مگر عورتوں میں اتنی عقل ہی کہاں ہے۔ شکر ہے کہ میں پہلی جیسی بیوقوف نہ رہی۔ کچھ انگریزی پڑھنے اور کچھ مِسس خیرسلاّ کی صحبت

میں رہنے سے آٹھوں گانٹھ کمیّت ہوگئی ہوں۔ اب تو آزادی کے مزے اڑاتی ہوں اور میاں روکتا ہے تو ایک ایک منھ سے سو سو سناتی ہوں۔

(ڈالی کا آنا)

ڈالی: گڈ مارننگ میڈم۔
ممتاز: ہیلو ڈیر ڈالی۔ آج اتنا لیٹ کیوں ہوگئیں۔
ڈالی: ڈیر معاف کرنا۔ مس روبی کے ہاں پارٹی میں گئی تھی۔ اس لیے ٹائم پر نہ آسکی۔
ممتاز: کیا تمھارے میاں بھی ساتھ تھے؟
ڈالی: نان سنس۔ اس انسان نما جانور کو کون ساتھ لے جاتا ہے۔ گو میں اس کو ایٹی کیٹ اور فیشن سکھلانے کی ٹرائی کررہی ہوں۔ مگر ابھی اس کو گدھے سے آدمی بننے کے لیے چھ مہینے چاہئیں۔
ممتاز: یو آر رائٹ۔
ڈالی: کہو تمھاری میاں کے ساتھ کیسی گزرتی ہے؟
ممتاز: ڈیر آخر میں بھی تو تمھاری شاگرد ہوں۔ ایک ڈانٹ میں دم بند کردیتی ہوں۔
ڈالی: اچھا کرتی ہو۔ تمام عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کو جوتی کے نیچے رکھیں۔
ممتاز: برابر۔
ڈالی: ہاں۔ نہیں تو یہ چھچھورے ذرا سا منھ لگانے میں سر چڑھ جاتے ہیں۔
ممتاز: او یَس۔
ڈالی: ڈیر۔ میں نے سنا ہے کہ ادکشن میں ایک نئی موٹر کار آئی ہے۔

ممتاز: تو کیا خریدنا چاہتی ہو۔

ڈالی: ہاں۔ اس مہینے میں ہمارے میاں جو تنخواہ لائے تھے اس میں سے ابھی تک ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوئی۔

ممتاز: ارے جب تو بیچارے روپے بکس میں دھرے دھرے کوس رہے ہوں گے۔

ڈالی: مجھے بھی ڈر یہی ہے کہ کہیں ان کا صبر نہ لگ جائے۔ اس لیے آج جاکر انھی ٹھکانے لگائے دیتی ہوں۔

(دونوں کا جانا اور ماشاللہ کا آنا)

ماشاللہ: عجیب دلگی ہے۔ کوٹھا کوٹھی، کمرہ چھت دالان، آنگن سائبان، باورچی خانہ، غسل خانہ، دیوان خانہ، پلنگ کے نیچے، مچان کے اوپر، صندوق کے اندر، کباٹ کے پیچھے، مرغی کے ڈربے میں، طوطی کے پنجرے میں، گھوڑے کے اصطبل میں، پانی کے مٹکے میں، اناج کے بورے میں، گھانس کے گٹھے میں، غرض اوپر نیچے، بھیتر باہر، دہنے بائیں، پورب پچھم اتر دکھن، کونہ کونہ، چھانا مگر پھر بھی پتہ ندارد، نشان غائب، آدمی اڑنچھو، بھوت تھا شیطان تھا، چھلاوہ تھا، سایہ تھا، آخر کون تھا؟ گیا تو کہاں۔ چھپا تو کس جگہ؟

(خیرسلاّ کا آنا)

خیرسلاّ: اجی حضرت بندگی۔

ماشاللہ: کون؟ خیرسلاّ۔ ارے رو یار رو۔

خیرسلاّ: ارے پر کون مرگیا؟ کس کے نام پر روؤں؟

ماشاللہ: میری قسمت پر رو۔ میری حالت پر رو۔

خیرسلا: کیوں خیریت تو ہے؟

ماشاللہ: خیریت کیسی۔ جس ملک میں کال ہو، جس شہر میں پلیگ ہو جس گھر میں عورت ہو۔

(ممتاز کا آنا)

ممتاز: کیا کہا۔ کیا کہا؟

خیرسلا: آئی غریب کی کم بختی۔

ممتاز: کیوں صاحب یہ ابھی آپ سے کیا کہہ رہے تھے؟

خیرسلا: اجی کہہ کیا رہے تھے، آپ کی تعریف کررہے تھے۔

ماشاللہ: تو جھوٹا ہے، اس میں خوبی کون سی ہے کہ جو میں اس کی تعریف کروں۔

خیرسلا: تو ان میں برائی کون سی ہے؟

ماشاللہ: ایک نہیں ایک لاکھ۔

ممتاز: جھوٹے کے منھ میں خاک۔

خیرسلا: یہ تو میری جورو کی بھی نانی معلوم ہوتی ہے۔

ماشاللہ: میں پوچھتا ہوں کہ عورت کو خدا نے کس لیے پیدا کیا ہے؟

ممتاز: کس لیے؟

ماشاللہ: گھر سنبھالنے کے لیے۔ بچے پالنے کے لیے۔

خیرسلا: تو کیا عورتیں کوئی مرغی ہیں جو ہر وقت بچے کو ڈربے میں لیے بیٹھی رہیں گی۔

ممتاز: دیکھو تو سہی۔ بھلا خدا نے عورتوں کو ایسے ذلیل کام کے لیے پیدا کیا ہے۔ اجی عورتیں تو اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ عمدہ سے عمدہ کھانا کھائیں۔ اچھے سے اچھا کپڑا پہنیں۔ بہتر سے بہتر گاڑی میں سیر کریں۔ فیشن سیکھیں، پارٹی دیں، لکچر دیں، ڈینس کریں، تھیئٹر

دیکھیں اور شوہر پر حکومت کریں۔

خیرسلاّ: یہ پروگرام تو بالکل برابر ہے۔ یہ بھی آج کل فیشن ہے۔

ماشااللہ: کیا برابر ہے۔ کم بخت تو بھی ہاں میں ہاں ملاکر میری بیوی کو بگاڑتا ہے۔

ممتاز: صاحب تمھیں انصاف کرو۔ ان کی یہ خواہش ہے کہ میں دن بھر گھر میں رہا کروں۔

ماشااللہ: تو یہ کوئی بری بات ہے؟

خیرسلاّ: کچھ نہیں۔

ممتاز: مگر ضرورت ہو اور باہر جاؤں تو کوئی برائی ہے؟

خیرسلاّ: کوئی نہیں۔

ماشااللہ: کیا بے ضرورت دن بھر باہر بھٹکنا یہ عورتوں کو زیبا ہے؟

خیرسلاّ: بالکل نہیں۔

ممتاز: لیکن عورتوں کو جانوروں کی طرح گھر میں بند کر رکھنا یہ مردوں کو مناسب ہے۔ کہو۔

خیرسلاّ: ہرگز نہیں۔

ماشااللہ: مرد کو خوش رکھنا یہ عورت کا فرض ہے۔ کیوں جی۔

خیرسلاّ: برابر۔

ممتاز: اور عورتوں کو خوش رکھنا یہ مردوں کو لازم ہے۔ کیوں صاحب۔

خیرسلاّ: یہ بھی برابر۔

ماشااللہ: لاحول ولا۔ یہ بھی برابر وہ بھی برابر۔ ارے بھائی یہ بول مرد کا درجہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

خیرسلاّ: مرد کا۔

ماشااللہ: لو سنو۔

ممتاز: مگر میں پوچھتی ہوں کہ اس ترقی کے زمانے میں مرد کی عزت زیادہ ہے کہ عورت کی؟

خیرسلا: عورت کی۔

ممتاز: لو اب کہو۔

ماشااللہ: عجب ڈھل مل آدمی ہے۔ تھالی کے بیگن کی طرح کبھی اِدھر لڑھکتا ہے کبھی اُدھر جھکتا ہے۔

خیرسلا: ارے یار غصہ کیوں کرتا ہے۔ میں تو بالکل برابر انصاف کرتا ہوں۔

ماشااللہ: تو میری رائے سے تجھے اتفاق ہے؟

خیرسلا: ہاں۔ بالکل اتفاق ہے۔

ممتاز: اور میری رائے سے؟

خیرسلا: تمھاری رائے سے بھی اتفاق ہے۔

ماشااللہ: لاحول ولا۔ آگ اور پانی کا کبھی ساتھ نہیں ہوسکتا۔ یہ عورت ہوگی یا فرشتہ میں آدمی ہوں گا یا گدھا۔

خیرسلا: تمھارے گدھے ہونے میں شک ہی کیا ہے۔ اگر تم آدمی ہوتے تو میرے فیصلے کی تعریف نہ کرتے۔

ممتاز: لُک ہیر۔ اس زمانے میں انسان تو انسان جانور بھی حق اور آزادی کے معنی سمجھنے لگے ہیں۔ پڑھنے لکھنے سے جن عورتوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں وہ اب کبھی مردوں سے دب کر نہیں رہ سکتیں۔ اگر دنیا میں تمھارا حصہ ہے تو ہمارا بھی ہے۔ تم آزادی برتوگے تو ہم بھی آزادی دکھائیں گے۔ تم چین کروگے تو ہم بھی مزے اڑائیں گے۔ کیا خدا نے تمھیں انسان بنایا ہے اور ہمیں جانور۔

(سب کا مل کر گانا)

ممتاز: ہم بھی موٹر پہ، سائیکل پر سیر کرنے نت جائیں۔

خیرسلا: ہاں جی بے شک جہاں من بھائے وہاں جائیں۔

ماشااللہ: بتیاں کر نہ بے ڈھنگی۔ نئے نئے فیشن کو جھلسا۔

خیرسلا: بتیاں ساری ٹھیک ہیں، ان کی یہی چاہت ہے منوا۔

ممتاز: پھاڑ پھینکوں گی میں دیسی ساڑی، پہنو انگریزی پوشاک بھاری۔
گھر میں بیٹھوں تو چین نہیں پڑے، ٹینس کھیلو، تھئیٹر دیکھو۔

(ممتاز کا جانا)

خیرسلا: یہ ہے آج کل کی سدھری ہوئی عورتوں کا نمونہ۔ ہائے نہ ہوا اس وقت کیمرہ ورنہ اس کی مظلوم صورت کا فوٹو ضرور اتار لیتا۔

ماشااللہ: عجیب بیہودہ شخص ہے۔ ہمدردی کرنے کے بدلے الٹا میری مصیبت پر ہنستا ہے۔

خیرسلا: ہنستا کون ہے۔ میں تو روتا ہوں۔

ماشااللہ: بس بس دلگی نہ کر۔ میں ایک جورو کا ستایا ہوا آدمی ہوں۔

خیرسلا: میں پہلے ہی کہتا تھا کہ جورو کو انگریزی نہ پڑھا۔ لیکن نہ مانا۔ اب بھگتو۔ مزے اڑاؤ۔

ماشااللہ: اف جی میں آتا ہے کہ ابھی پستول مارکر مر جاؤں۔

خیرسلا: تو اس کا کیا نقصان ہوگا۔ ڈھونڈھ کر کوئی اور سنڈھا کرلے گی۔

ماشااللہ: افسوس کتنی آزادی۔ کیسی نافرمانی۔

خیرسلا: دیکھ بھائی۔ میں آج سے اپنی بیوی کو تیری بیوی سے نہ ملنے دوں گا۔ ورنہ اس کے چال چلن دیکھ کر میری بیوی کے بھی چال چلن بگڑ جائیں گے۔

ماشااللہ: ارے کم بخت۔ تیری بیوی کی صحبت میں تو میری بیوی کا ستیا ناس ہوا۔ جس روز سے وہ فیشنیبل بلا میرے گھر میں آنے جانے لگی ہے اس روز سے میری بیوی آزادی برتنے اور بات بات پر ٹرانے لگی ہے۔

خیرسلا: ارے کیوں میری مقدس بیوی کو برا کہہ کر گنہگار بنتا ہے۔ توبہ کر

توبہ کر۔ ورنہ بخشا نہ جائے گا۔

ماشااللہ: میں سچ کہتا ہوں کہ یہ سارے وطیرے اسی کے سکھائے ہوئے ہیں۔

خیرسلّا: ارے یار میری بیوی کے جیسی نیک عورت تو دنیا بھر میں نہ ہوگی۔ خدا بخشے وہ تو باپ کی طرح میری عزت کرتی ہے۔

ماشااللہ: خیر وہ تجھے اپنا باپ سمجھے یا بیٹا۔ مگر اب بول میں کیا کروں۔

خیرسلّا: تم بھٹے بیچو۔

ماشااللہ: تو جانتا ہے کہ مجھ سے میری جورو کیوں بیزار ہوگئی ہے۔ سن بات یہ ہے کہ چند روز سے ایک شخص کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے۔

خیرسلّا: ابے جا۔ کیوں بے پر کی اڑاتا ہے۔

ماشااللہ: ارے یار میر خیراتی۔ شیخ شبراتی۔ خدا بخش بساطی۔ گھسیٹا حلوائی۔ سلارو نانبائی۔ پیرو بھٹیارا، کلو گھسیارا۔ ان سب نے اُس لفنگے کو میرے گھر میں آتے جاتے دیکھا ہے۔

خیرسلّا: مگر تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ماشااللہ: مگر کانوں سے تو سنا ہے۔

خیرسلّا: سننے کا کیا بھروسا ہے۔ اگر تجھے کوئی یہ کہے کہ تو مرغی کے انڈے سے پیدا ہوا تو کیا مان لے گا۔

ماشااللہ: نہیں نہیں۔ وہ ضرور آیا ہے۔ اور میری بیوی نے ضرور اسے کہیں چھپایا ہے۔

خیرسلّا: تو جاؤ۔ ڈھونڈو۔ اور تھوڑی دیر جھک مارو۔

ماشااللہ: بس کچھ نہیں اس اٹھائی گیرے پر۔ اس عورت پر۔ اس گھر پر۔ سب پر لعنت بھیجتا ہوں۔ بول تو میرا دوست ہے یا نہیں؟

خیرسلّا: بے شک دوست۔

ماشااللہ: اور سچا دوست؟

خیرسلّا: بالکل سچا۔

ماشااللہ: میرا ساتھ دے گا؟

خیرسلا: برابر۔

ماشااللہ: کہاں تک؟

خیرسلا: اس دنیا میں قبر تک اور اس دنیا میں جہنم تک۔

ماشااللہ: یہ بات۔ مار ہاتھ۔

خیرسلا: یہ ہے۔ (پاؤں بڑھاتا ہے)

ماشااللہ: ہائیں ہاتھ کے بدلے پاؤں؟ اس کے کیا معنی؟

خیرسلا: اس کے یہ معنی ہیں کہ میں اپنے قول پر ثابت قدم رہوں گا۔

ماشااللہ: سن یہ عورت اب میرے کام کی نہ رہی۔

خیرسلا: عورت تمھارے کام کی نہ رہی یا تم عورت کے کام کے نہ رہے؟

ماشااللہ: میں اب اس کا منھ دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔

خیرسلا: تم کیا نہ دیکھو گے۔ وہ خود تمھارا منھ دیکھنا نہیں چاہتی۔

ماشااللہ: بس میں نے یہ ٹھان لیا ہے کہ پستول کے ذریعے سے اپنی غمگین زندگی کا خاتمہ کرلوں۔

خیرسلا: نہیں نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔

ماشااللہ: نہیں مجھے ایسا کرنا ہوگا اور تجھے بھی میرے ساتھ مرنا ہوگا۔

خیرسلا: ہائیں۔

ماشااللہ: ہائیں وائیں کچھ نہیں۔ چل مرنے کو تیار ہو۔

خیرسلا: تو کیا میں دنیا میں کوئی فالتو آدمی ہوں؟

ماشااللہ: تو نے ابھی نہیں کہا کہ میں قبر تک ساتھ دوں گا۔

خیرسلا: قبر تک ساتھ دینے کو تو میں اب بھی موجود ہوں۔ تو مرجائے گا تو میں تجھے نہلاؤں گا، دھلاؤں گا، کفناؤں گا اورجنازہ میں رکھ کر محلے والوں کے کاندھے پر قبر تک پہنچا آوں گا۔

ماشااللہ: تو کیا ساتھ دینے کے یہی معنی ہیں؟

خیرسلا: تو کیا یہ معنی ہیں کہ بغیر بلائے اس دنیا سے سفر کرجاؤں۔

ماشااللہ: دیکھ بیٹا یہ دنیا جہنم ہے، اور وہاں بہشت ملے گی۔

خیرسلا: بھائی مجھ گنہگار کو اس جہنم ہی میں پڑے رہنے دے۔ جا تو اکیلے ہی جنت کی ہوا کھا۔ مگر یہ تو بتا کہ تو خواہ مخواہ جان کیوں دیتا ہے؟

ماشااللہ: اس لیے کہ میری بیوی بدکار ہے۔

خیرسلا: دیکھ میں تجھے ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے لیے کہیں چھپ جا۔ میں تیری بیوی کے پاس جاکر کہہ دوں گا کہ تو خودکشی کرکے مرگیا۔ یہ سن کر اگر وہ رونے لگے تو جاننا کہ وفادار ہے اور خوش ہو تو سمجھ لینا کہ بدکردار ہے۔

ماشااللہ: ٹھیک ہے۔ منظور۔

(ماشااللہ کا جانا)

خیرسلا: لاحول ولا۔ جہاں دیکھو عورتوں ہی کا جھگڑا۔ آج اس نے خون کیا۔ کل اس نے زہر کھایا۔ پرسوں اس پر جوتے برسے۔ غرض یہ عورتیں روز دس بیس کو مسان اور دس بیس کو قبرستان پہنچاتی ہیں اور خود بے فکری سے چین اڑاتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کو عورتوں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر میرا بس چلے تو عورتوں کو پیدا ہی نہ ہونے دوں۔

(جانا)

باب دوسرا ——— سین آٹھواں

شاہی محل

(شمسہ اور قلو کا باتیں کرتے ہوئے آنا)

شمسہ: تمھارے چہرے کی تبسم ریز سرخی اور داد طلب طرز گفتگو مجھے امید دلاتی ہے کہ تم میرے لیے کوئی عمدہ خبر لائے ہو۔

قلو: میں ایسی خبر لایا ہوں۔ جس کو سنتے ہی تم تعجب سے اچھل کر بے پایاں خوشی کی لہروں میں جاپڑوگی۔

شمسہ: تو فوراً کہو۔ جلد کہو۔ ایک دم کہو۔ ایک ہی لفظ میں کہو۔

قلو: تو سنو۔ اور قسمت تمھیں اور تم قسمت کو مبارک باد دو کہ سہیل.....

شمسہ: کیا ڈوب گیا۔ مرگیا۔ فی النار ہوگیا؟

قلو: ہمارے جاں نثاروں کی کوشش سے گرفتار ہوگیا۔

شمسہ: قلو۔ قلو۔

قلو: تم حیرت سے منھ کیا تک رہی ہو۔ میں سچ کہتا ہوں۔

شمسہ: سچ؟

قلو: خالص سچ۔

شمسہ: یہ سچ ہے تو میں خوشی سے پاگل ہوجاؤں گی۔ بس اب مجھے دشمن، فوج، رعیت کسی کا خوف نہیں ہے۔ ؎

آستیں الٹو، چھری لو، آج دردِ سر گیا

جاؤ اور جلدی کہو آکر کہ موذی مر گیا

قلو: نہیں شمسہ۔ اس وقت جلد بازی پر ہمیں مصلحت اندیشی کو ترجیح دینا چاہیے۔

شمسہ: مختصر لفظوں میں صاف کہو۔

قلو: اگر سہیل کو بغیر کسی عذر کے فوراً قتل کردیا گیا تو ہماری یہ حرکت ہمارے دوستوں کو بھی ہم سے بیزار کردے گی۔ اور سرکش رعیت جو یکایک ہم پر پھٹ پڑنے کے لیے کوہ آتش فشاں بنی ہوئی وقت کا انتظار کررہی ہے۔ اس کے غصے کی آگ کو ہمدردی اور رحم کی ہوا اور زیادہ شعلہ بار کردے گی۔

شمسہ: پھر؟

قلو: آسان تدبیر یہ ہے کہ سہیل جس مکان میں قید کیا گیا ہے اسے رات کے وقت بارود سے اڑا دیا جائے اور صبح کو لوگوں پر یہ ظاہر کیا جاے کہ اتفاقی طور سے مکان کے اندر رکھے ہوے بارود کے ذخیرے میں آگ لگ گئی جس سے شاہی عمارت بھی جل کر خاک سیاہ ہوگئی اور شہزادے کی زندگی بھی تباہ ہوگئی۔

شمسہ: بے شک تمھاری رائے درست ہے۔ جاؤ اور بندوبست کرو۔ میں تمھاری ہوشیاری پر بھروسا کرکے اس معاملے کا انتظام تمھارے ہی سپرد کرتی ہوں۔

قلو: پیاری شمسہ وہ شادی کا قول؟

شمسہ: میرے وعدے پر یقین رکھو۔ سہیل کے مرتے ہی تم شمسہ کے اور شمسہ تمھاری ہے۔

(قلو کا جانا)

بیوقوف، الو کے پٹھے۔ میرے کھیلنے کے کھلونے۔ میں نے اپنے

شوہر کو زہر دے کر دنیا سے رخصت کیا۔ کیوں؟ اپنی آزادی کے لیے۔ میں نے اپنے سگے بھائی کو بیدردی سے تیرے ہاتھوں ذبح کرایا۔ کیوں؟ سلطنت کے لیے مگر اب تو یہ چاہتا ہے کہ شادی کے ذریعے شمسہ کو اپنے اختیار میں لاکر اسے ان دونوں نعمتوں سے محروم کردے۔ ٹھہر جا بیوقوف۔ سہیل کی موت تک ٹھہر جا۔ جس منھ سے بیوی کہنا چاہتا ہے۔ وہ قبر کی مٹی سے بھر دیا جائے گا۔ چند ہی روز میں تیرا خاتمہ بھی کردیا جائے گا۔ ؎

میں کون ہوں تو ابھی جانتا نہیں مجھ کو
میں کیا ہوں تو ابھی پہچانتا نہیں مجھ کو
مری چھری ہے دغاباز اور گلو تیرا
میں وہ بلا ہوں کہ پی جاوں گی لہو تیرا

باب دوسرا ——— سین نواں

جنگل

(قہرمان کا سپاہیوں کے ساتھ آنا)

قہرمان: او خدا۔ کیا سہیل اور بدبختی دونوں ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے جو دونوں کا ساتھ نہیں چھوٹتا۔

سپاہی۱: حضور اب کیا کیجیے گا؟

قہرمان: کیا کروں؟ مایوسی کے اندھیرے میں میری عقل کو سہیل کی نجات کا کوئی راستہ نہیں دکھائی دیتا۔

سپاہی۲: پھر غور کیجیے۔ جس طرح آپ نے موذی طغرل کے پنجے سے عین وقت پر شہریار کو بچالیا تھا ممکن ہے کوئی ویسی ہی تدبیر پھر ذہن میں آئے اور شہزادے کی جان بچ جائے۔

قہرمان: وہ نہیں بچ سکتا۔ شمسہ آج یا کل تک ضرور اس کا خاتمہ کردے گی۔ ہاں سنو میرے خیال میں ایک تدبیر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سہیل جس مکان میں قید ہے ہمارے تمام ساتھی شام ہی سے اس کے ارد گرد پوشیدہ مکانوں میں چھپ جائیں اور جب رات کی سیاہی اچھی طرح پھیل جائے تو محل کے اندر گھس کر سہیل کو باہر نکال لائیں۔

سپاہی۱: میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

قہرمان: ٹھیک ہے۔

سپاہی ا: حملے کا وقت مقرر کیجیے۔

قہرمان: رات۔

سپاہی ا: کتنے بجے؟

قہرمان: ٹھیک بارہ بجے۔

سپاہی ا: تو ہم انتظام کرنے کے لیے رخصت چاہتے ہیں۔

قہرمان: جاؤ۔ قسمت اور خدا تمھاری مدد کرے۔ خونی کتو۔ تم نے دنیا کو باپ کی جاگیر اور انسانوں کو بھیڑوں کا گلہ سمجھ رکھا ہے۔ لیکن اب ہوشیار ہوجاؤ۔ اگر قہر بن کر نہ گرا تو غضب ہوا۔ اگر غضب بن کر نہ جھپٹا تو قہرمان نہ رہا۔ اے ظالموں کے دشمن اور مظلوموں کے دوست۔ جس طرح تو نے میرے دوست بہزاد کی لڑکی تسنیم اور اس کے سچے عاشق شہریار کی جان بچانے میں مدد کی اسی طرح معصوم سہیل کی زندگی بچانے میں میرا بازو بن۔ میری مدد کر۔ مجھے اپنے غضب کا ہتھیار بنا تاکہ میں ان بے رحم بدمعاشوں کے منھ پر گھونسے مارکر ان کے دانتوں سے معصوم سہیل کو چھڑا لوں۔ ؎

ہاں رحم کر کہ بے کس و تنہا خطر میں ہے
اے ناخدا غریب کی کشتی بھنور میں ہے

باب دوسرا ــــــــ سین دسواں

پرانا شاہی محل

(شہریار اور طاہرہ کا آنا)

شہریار: آہستہ آہستہ.....

(قلعے کی دیوار سے اینٹ نکالتا ہے)

طاہرہ: شہریار۔ اگر مکان میں داخل ہونے کا راستہ نہ ملا تو میں اپنے سر کی ٹکروں سے اس دیوار میں دروازہ بناؤں گی اور اندر جاکر سہیل کو نکال لاؤں گی۔

شہریار: خدا بے گناہ اور لاچاروں کا شریک ہے۔

طاہرہ: افسوس۔ کیا انقلاب زمانہ ہے۔ جو عمارت کبھی شاہی آرام گاہ کہلاتی تھی وہ اب ایک قصائی خانہ ہے۔ آہ سنگین مکان۔ کیا تجھے بناتے وقت کاریگروں نے اچھی طرح پانی نہیں پلایا تھا جو ایک بے گناہ بچے کے خون سے پیاس بجھانا چاہتا ہے۔ سہیل۔ سہیل۔ تو دنیا میں سب سے زیادہ بدنصیب نظر آتا ہے۔ ؎

خدا غارت کرے کس کام کا ایسا مقدر ہے
کہ تیرے خون کے پیاسے ہیں مٹی اور پتھر بھی

شہریار: نکالا۔ نکالا۔ کامیابی کا راستہ نکالا۔ دیکھو دیکھو دیوار کی ایک اینٹ کھلی ہوئی ہے۔ یہی کامیابی کے دروازے کی کنجی ہے۔ تم ٹھہرو میں کوئی ہتھیار لے کر ابھی آتا ہوں۔

طاہرہ: جاؤ جلدی کرو۔ موت سہیل سے بہت نزدیک ہے۔ یا الٰہی جس طرح روزن دکھایا ہے۔ کامیابی کا راستہ بتایا ہے اسی طرح دست حفاظت پھیلا اور میرے سہیل کو دست اجل سے بچا۔

(شمسہ کا آنا)

شمسہ: کون۔ طاہرہ؟

طاہرہ: کون۔ شمسہ؟

شمسہ: میں نہیں سمجھتی کہ یہاں آنے سے تیرا کیا مطلب ہے۔

طاہرہ: صرف یہ مطلب ہے کہ خدا کے قہر سے ڈر۔ اپنے بے گناہ بھتیجے کے خون سے ہاتھ نہ بھر۔

شمسہ: تو کیا تیری یہ خواہش ہے کہ میں سانپ کے بچے کو چھوڑ دوں، جینے دوں اور ڈسنے کے لیے بڑا ہونے دوں۔ نہیں کبھی نہیں۔ یہ خیال خام ہے۔ اس موذی کا گلا گھونٹنا اس ہاتھ کا پہلا کام ہے۔

طاہرہ: آہ۔ محض تھوڑی سمجھ رکھنے والا بچہ بھی جان بوجھ کر اپنے خوبصورت کھلونے کو نہیں توڑتا۔ مگر تو سمجھدار کہلاتی ہے۔ اور پھر بھی ایک چلتے پھرتے ہنستے بولتے ہوئے کھلونے کو جسے خدا نے پورے نو مہینے کی محنت میں بنایا ہے، ایک لحظہ میں توڑ دینا چاہتی ہے۔

شمسہ: بیوقوف عورت اگر تو میری ہم خیال ہوتی تو آج کس قدر خوش حال ہوتی۔

طاہرہ: شکر ہے کہ میں تیرے جیسی نہیں ہوں۔ اگرچہ عورت ہونے کے لحاظ سے تو اور میں دونوں ایک ہیں۔ مگر تیرے خیال بد اور

میرے خیال نیک ہیں۔ ؎

تجھ کو ہوس عزیز ہے مجھ کو حیا عزیز
تجھ کو دغا عزیز ہے مجھ کو وفا عزیز
تیری جدا پسند ہے میری جدا پسند
تجھ کو خودی پسند ہے مجھ کو خدا پسند

شمسہ: طاہرہ تو عاجزی اور نصیحت سے میرے دل میں سہیل کے لیے رحم نہیں پیدا کرسکتی۔

طاہرہ: مگر تجھے رحم کرنا چاہیے۔ بیدرد بول اگر سہیل تیرا فرزند ہوتا تو کیا یہ ہاتھ اس کے قتل کے لیے رضامند ہوتا۔

شمسہ: ہاں میں وہ عورت ہوں کہ اگر مجھے اپنے دودھ پیتے بچے سے بھی دنیا میں آگے بڑھ کر کوئی خطرہ ہو تو میں محبت کو طاق پر رکھ دوں اور اس موذی کو زمین پر لٹا کر اسی وقت ذبح کر دوں۔

طاہرہ: شمسہ۔ اچھی شمسہ۔ ایک عورت کی عاجزی پر نظر کر۔ مرے ہوئے کو نہ مار۔ ظلم کو جانے دے اور رحم و کرم کو جو دور سے تیرا منہ تک رہے ہیں اپنے پاس آنے دے۔

شمسہ: نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ موت، جہنم اور شمسہ ان تینوں پر انسان کی عاجزی اثر نہیں کرسکتی۔ ؎

ان سب فضول باتوں کا کچھ بھی اثر نہیں
پتھر ہیں میرے سینے میں دل اور جگر نہیں
لعنت ہے گر نہ ذبح کروں اس لعین کو
تازہ لہو پلاؤں گی آج اس زمین کو

طاہرہ: دیکھ ادھر دیکھ۔ وہ عورت جس کے سامنے اس کے بچے اور بے گناہ شوہر کو ذبح کیا گیا مگر اس نے اف تک نہ کی۔ وہی عورت آج اپنے مالک کے بچے کے لیے تیرے قدموں پر سر جھکاتی ہے اور سہیل کو بھیک میں پانے کے لیے ایک فقیرنی کی

طرح ہاتھ پھیلاتی ہے۔

شمسہ: میں تجھے بھیک میں ٹھوکر دیتی ہوں۔

طاہرہ: نہیں نہیں شمسہ میرا بچہ مجھے دے دے۔

شمسہ: ہاں میں ابھی دیتی ہوں مگر زندہ نہیں مردہ۔

(شمسہ کا جانا اور شہریار کا آنا)

شہریار: چلو جلدی کرو۔

(طغرل کا آنا)

طغرل: کون طاہرہ اور شہریار۔

(طغرل کا اندر جانا۔ طاہرہ اور شہریار کا سہیل کا باہر نکال لانا اسی وقت مکان کا گرنا اور طغرل کا دب کر مرجانا۔ شمسہ اور قہرمان کا آنا)

شمسہ: خوشی۔ فتح۔

قہرمان: نہیں شکست۔

شمسہ: کون؟

قہرمان: نظر کر۔

شمسہ: قہرمان؟

قہرمان: ہاں۔ اور اُدھر دیکھ۔

شمسہ: یہ کیا؟ سہیل اور زندہ؟

-پردہ-

باب تیسرا ـــــــــ سین پہلا

قید خانہ

(شمسہ اور قلو قید ہیں اور طاہرہ قہرمان کے ساتھ آتی ہے)

طاہرہ: شمسہ اور قلو۔ جس ملک میں ایک زبردست حاکم، طاقتور قانون اور سزا دینے والی عدالت موجود ہوتی ہے وہاں بڑے سے بڑے بدمعاش کو بھی جرم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ مگر اس دنیا میں خدا سا حاکم، اعمال سی عدالت، موت سا سپاہی، فرشتوں سے جاسوس، چاند سورج سے گواہ اور قبر کا ابدی قید خانہ موجود تھا۔ پھر بھی تم نے اس دلیری سے گناہ پر گناہ کیے کہ یہ آسمان جو دنیا کے جرائم دیکھتے دیکھتے بوڑھا ہوگیا ہے وہ بھی ایک مرتبہ سکتے میں آگیا ہوگا۔

شمسہ: یہ سب تو کس سے کہہ رہی ہے۔

طاہرہ: تجھ سے جس کی زندگی لالچ سے شروع ہوئی، ظلم میں بسر ہوئی اور ذلت پر ختم ہوگئی اور اس سے جس کی قسمت کا سورج نمک حرامی کے بادل سے طلوع ہوکر حرص و ہوس کے افق میں چمکتا رہا اور آج گمنامی کے اندھیرے میں غروب ہوگیا۔

شمسہ: گرمی کے بعد سردی، دن کے بعد رات، طلوع کے بعد غروب، پیدا ہونے کے بعد مرنا، کھلنے کے بعد مرجھانا اور انتہائے بلندی پر

پہنچنے کے بعد نیچے آنا یہ قدرت کا قانون ہے۔ اس لیے اگر میں اپنے کو اس حال میں دیکھ کر افسوس کروں تو احمق ہوں اور اگر تو خوش ہوتی ہے تو مجنوں ہے۔

طاہرہ: دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونا دنیا میں بدترین آدمی کا کام ہے۔ میں خوش نہیں ہوتی بلکہ جس طرح قبرستان کو دیکھ کر طبیعت اداس ہوجاتی ہے یا جس طرح کسی دولت مند کو گلی گلی ٹھوکریں کھاتے اور جس سے وہ بات تک نہیں کرتا تھا انھیں کے آگے ایک روٹی کے ٹکڑے کے لیے گڑگڑاتے دیکھ کر خدا کی خدائی یاد آتی ہے۔ اسی طرح تو کیا تھی اور کیا ہوگئی۔ یہ دیکھ میں خوش نہیں ہوتی بلکہ میری روح خوف سے تھرتھراتی ہے۔

قہرمان: کیوں قلّو کیا ہوا؟ جو نعش کی طرح سرد، قبر کی طرح خاموش اور ویرانے کی طرح اداس کھڑا ہے۔

شمسہ: قلّو خبردار۔ عزت میں پیدا ہوا، عزت میں جیا اور عزت ہی میں مرجانا مگر ذلیل دشمن کے سامنے جواب دیتے وقت بزدلی نہ دکھانا۔

قلّو: شمسہ بس۔ اب ہم دونوں اس قابل نہ رہے کہ خدا اور انسان کو غرور سے جواب دے سکیں۔

شمسہ: قلّو ہوش کر۔ تیری باتوں سے نامردی کی بو آتی ہے۔

قہرمان: شمسہ اپنی زندگی کی کتاب کھول اور اس کے پہلے ورق سے آخر صفحے تک نظر ڈال اور دیکھ کہ اس میں ایک بھی ایسا لفظ ہے جس کی وجہ سے تجھے معافی مل سکے۔

شمسہ: کیا معافی؟ تم سبھوں سے؟ جو میرے دسترخوان سے گرے ہوئے ٹکڑے جمع کرکے پیٹ بھرتے تھے۔ میں معافی مانگوں گی۔ آسمان زمین کے آگے سر جھکائے گا، شیر کتوں کے آگے گڑگڑائے گا۔ شمسہ اپنے ذلیل غلاموں سے رحم کی درخواست کرے گی۔ احمقو، پاگلو۔

قہرمان: خدا کی قسم۔ ایسی کافرہ عورت کے لیے فرشتے بھی سفارش کریں تو بھی رحم نہ کرنا چاہیے۔

طاہرہ: نہیں جنرل قہرمان نہیں۔ شمسہ ادھر دیکھ۔ کل کا ذکر ہے کہ میں تیرے روبرو سر جھکا کر گڑگڑا کر دامن پھیلا کر سہیل کی زندگی کی بھیک مانگتی تھی......

شمسہ: تو کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ آج میں بھی اسی طرح تیرے سامنے عاجزی کروں گی؟

طاہرہ: نہیں میرا یہ خیال ہر گز نہیں۔ میں فقط یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ جس روز میں نے سر جھکاکر گڑگڑا کر دامن پھیلا کر سہیل کی زندگی بھیک میں مانگی تھی تو تونے مجھے ٹھوکر دی تھی۔

شمسہ: تو ٹھوکر ہی کے قابل تھی۔

طاہرہ: مگر دیکھ میں بغیر مانگے آج تجھے زندگی اور معافی دیتی ہوں۔

شمسہ: تو معافی دیتی ہے اور مجھے معافی دیتی ہے؟ میں تیری معافی کو تیرے ذلیل چہرے پر نفرت سے واپس پھینکتی ہوں۔

قتلو: ناشکر گزار عورت زندگی کی قدر کر۔

شمسہ: بے روشنی کا سورج، بے سورج کی دنیا اور دنیا میں بے حکومت کی زندگی مجھے نہیں چاہیے۔

قتلو: شمسہ۔ شمسہ۔ تجھے معلوم ہے کہ اس نہیں کا نتیجہ کیا ہوگا؟

شمسہ: صرف موت۔

قتلو: مگر ہم موت کے لیے تیار نہیں ہیں۔

شمسہ: شرم کر شرم کر۔ بزدل پست ہمت شرم کر۔ موت کے خوف سے اپنی خودداری پر پانی پھیراتا ہے میں عورت ہوکر نہیں ڈرتی اور تو مرد ہوکر خوف کھاتا ہے؟

قتلو: خدا کے لیے جی اور جینے دے۔

شمسہ: ہاں میں تجھے جینے دوں گی۔ مگر یوں۔ (گولی) اور جیوں گی مگر

اس طرح (گولی)۔

(قلو کو گولی مارکر خود کو بھی گولی مارلیتی ہے)

قلو: آہ یہ ہے بدکار عورت سے دوستی کا نتیجہ۔
قہرمان: یہ ہے بدمعاش زندگی کا آخری انجام۔

باب تیسرا ـــــــــ سین دوسرا

ماشاللہ کا مکان

(ممتاز بے چین سی اِدھر اُدھر ٹہل رہی ہے)

ممتاز: معلوم نہیں مسس خیرسلاّ ابھی تک کیوں نہیں آئیں۔ میں نے ان کی ٹی پارٹی کی ہے اور انھوں نے تھیٹر میں چلنے کا وعدہ کیا ہے۔

(ڈالی کا آنا)

ڈالی: ڈیر ممتاز مجھے معاف کرنا کہ ٹائم کے خلاف ذرا دیر ہوگئی۔

ممتاز: آہ ہا۔ آپ آگئیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ ٹائم کچھ ایسا زیادہ نہیں ہوا ہے۔

ڈالی: مگر اس دیر سے ایک بڑی عمدہ بات ہاتھ آگئی۔

ممتاز: فرمایئے تو وہ کیا بات ہے؟

ڈالی: میں جیسے ہی آپ کے گارڈن کے اندر آئی تو ایک درخت کے نیچے کیا دیکھتی ہوں کہ میرے میاں خیرسلاّ بہروپ بھر رہے ہیں اور آپ کے شوہر ان کی مدد کر رہے ہیں۔

ممتاز: واہ یہ تو نہایت مزے کی بات ہے۔

ڈالی: اور وہ غالباً یہیں آویں گے۔

ممتاز: یہ کیسے معلوم ہوا؟

ڈالی: ان کی باتوں سے معلوم ہوا۔

ممتاز: اگر یہاں وہ کچھ رنگ جمائیں گے تو ہم بھی انھیں خوب بنائیں گے۔

ڈالی: دیکھنا تو سہی کیسا چٹکیوں میں اڑائیں گے۔

ممتاز: اچھا تو وہاں کب چلوگی؟

ڈالی: میں بالکل تیار ہوں۔

(خیرسلاّ کا آنا)

خیرسلاّ: (خود سے) اب مجھے مردے کی خبر پہنچانا ہے۔ (مخاطب ہوکر) ہائے ہائے بڑا غضب ہوگیا۔ بیچارہ مرغا مرغی کے غم میں چل بسا۔

ممتاز: کیوں صاحب آپ کیا چاہتے ہیں؟

خیرسلاّ: ماشااللہ آپ کا کون تھا؟

ممتاز: شوہر تھا۔

خیرسلاّ: مجھے کہتے ہوئے رونا آتا ہے۔

ممتاز: مجھے تمھارے رونے پر ہنسی آتی ہے۔

خیرسلاّ: مگر سننے کے بعد آپ ضرور روئیں گی۔

ممتاز: امید تو نہیں۔ مگر آپ کہیں تو سہی۔

خیرسلاّ: وہ بے چارہ آج صبح مرگیا۔ اپنے بھیجے میں پستول مارکر دنیا سے سفر کر گیا۔

ممتاز: بس اتنا ہی؟ اسی سے آپ روتے تھے؟

خیرسلاّ: (خود سے) لو یہاں تو کچھ اثر ہی نہ ہوا۔

ممتاز: کیوں مسس خیرسلاّ۔ آپ کا اس میں کیا کہنا ہے؟

ڈالی: اجی جانے بھی دو۔ اگر میرا شوہر مرجائے تو سمجھوں کہ گھر کا ایک

کتا مرگیا۔

خیرسلاّ: (سائڈ میں) دیکھو کتیا مجھے کتا بناتی ہے۔

ممتاز: تاہم اس خبر سے میرے نازک دل کو نہایت صدمہ پہنچا ہے۔

خیرسلاّ: وہ تو آپ کی باتوں سے ہی معلوم ہوتا ہے مگر اب کیا کروگی؟

ممتاز: کروں گی کیا کوئی سنڈھا سا مرد کرلوں گی۔

خیرسلاّ: یہ تو مجھے پہلے ہی امید تھی۔

ممتاز: کیوں صاحب۔ آپ کا اس میں کیا خیال ہے؟

خیرسلاّ: جو آپ کا اور ان کا خیال ہے۔

ممتاز: میں اپنے میاں کے مرنے کی خوشی میں جلسہ جماؤں گی۔ پارٹی دوں گی۔ ڈینس کروں گی۔ ابھی جاکر تیاری کرتی ہوں۔

(ممتاز کا جانا)

خیرسلاّ: بھئی واہ۔ کیا میاں کا سوگ کرتی ہے۔

ڈالی: اگر میرا شوہر بھی جہنم واصل ہوجائے تو مدعائے دلی حاصل ہوجائے۔

خیرسلاّ: یعنی؟

ڈالی: میں بھی کوئی مرد کرلوں اور مزے اڑاؤں۔ اس میں آپ کی کیا صلاح ہے؟

خیرسلاّ: (خود سے) لو صلاح بھی مجھ سے پوچھتی ہے (مخاطب ہوکر)۔ بھلا آپ کوئی رنڈوا مرد کریں گی یا کنوارا؟

ڈالی: کنوارا ہو یا رنڈوا۔ مگر بیوقوف اور مال دار ہو۔

خیرسلاّ: تو بے وقوف تو ایک میں ہی موجود ہوں۔

ڈالی: نہیں ایک اور بھی ہے۔

خیرسلاّ: وہ کون؟

ڈالی: میرا شوہر خیر سلاّ۔

خیر سلاّ: مگر میں نے سنا ہے کہ وہ بڑا ہوشیار ہے۔

ڈالی: اجی وہ تو بالکل گدھا ہے۔ ایک روز میں ڈاکٹر محبت خاں سے گال اور لپکا کھیل رہی تھی.....

خیر سلاّ: یہ کھیل کیسا ہوتا ہے؟

ڈالی: اس کھیل کا نام ہے کِسنگ۔

خیر سلاّ: جس کو بدتمیز لوگ چماں چاٹی کہتے ہیں۔

ڈالی: .....اتنے میں بیوقوف میرا شوہر آگیا۔

خیر سلاّ: پھر کیا ہوا؟

ڈالی: میں نے جھٹ دانت کے درد کا بہانہ کرکے ٹال دیا۔

خیر سلاّ: ہت تیرے کی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو گلا ہی دبا دیتا۔ مگر غیر مرد کو تم نے بوسہ کیسے دیا؟

ڈالی: اس میں کیا ہوا۔ جب میں کنواری تھی تو ایک بوسے کے دو گِنی لیتی تھی۔ اب چونکہ میرا بیاہ ہوگیا ہے۔ اس لیے ایک بوسے کی ایک گِنی لیتی ہوں۔ اور ہاتھ کے بوسے کی ہاف گِنی لیتی ہوں اور پاؤ گنی میں پاؤں کا بوسہ دیتی ہوں۔

خیر سلاّ: واہ بھئی۔ عورت کیا ہے گویا بوسوں کی مارکیٹ ہے۔ جتنے کا بوسہ چاہے لے لو۔

ڈالی: کہیے آپ کو کہاں کا بوسہ چاہیے۔

خیر سلاّ: میرے پاس تو اس وقت ہاف گنی ہے۔

ڈالی: تو ہاف گنی میں ہاتھ کا بوسہ دوں گی۔ چلو جلد نکالو۔

خیر سلاّ: مگر اس وقت مجھے بوسہ نہیں چاہیے۔

ڈالی: کیوں نہیں چاہیے۔ آپ کو ضرور بوسہ لینا پڑے گا۔

خیر سلاّ: ہیں کچھ زبردستی ہے؟

ڈالی: بے شک پہلے بھاؤ کیوں سنا۔ تم یوں نہ مانو گے۔ (جیب سے

آدھی گنی نکال لیتی ہے) یہ رہی اب ہاتھ کا بوسہ لینا ہے تو لو ورنہ یوں ہی چل دو۔

خیرسلا: اچھا صاحب ہاتھ ہی کا بوسہ دے دو۔

(ڈالی کے ہاتھ کا بوسہ لینا)

ڈالی: کیوں صاحب۔ بوسہ کیسا میٹھا تھا۔

خیرسلا: بوسہ تو میٹھا تھا مگر گنی سے کڑوا ہوگیا۔

ڈالی: اچھا صاحب پھر کبھی بوسے کا شوق چرائے تو ضرور آیئے گا۔

(ڈالی کا جانا)

خیرسلا: (خود سے) بھئی واہ۔ لوگ دعائیں مانگتے ہیں کہ خدا کرے ہمیں کماؤ بیٹا نصیب ہو۔ مگر ہم کو بغیر دعا مانگے کماؤ جورو مل گئی۔ اگر بوسوں کی ایک جنرل ٹریڈنگ ایجنسی کھول دوں تو یاروں کا پلاؤ اور مٹن چاپ کہیں نہیں گیا۔

(ماشاللہ کا آنا)

ماشاللہ: مرنے کی خبر دینے آیا تھا اور خود ہی مر رہا ہے۔ کیا ہوا؟ کیا کہا؟

خیرسلا: واہ خوب مزا رہا۔

ماشاللہ: میں کیا پوچھتا ہوں؟

خیرسلا: ارے یار۔ ذرا ہنس۔ ہنس۔

ماشاللہ: کیا بک رہا ہے؟

خیرسلا: بندہ بک نہیں رہا ہے۔ سچ کہہ رہا ہے۔

ماشااللہ: ارے تو نے کیا کہا۔ اس نے کیا کہا؟

خیرسلا: اس نے کہا کہ میرا بوسہ لے۔

ماشااللہ: ہیں۔ اس بے شرم نے کیا کہا؟

خیرسلا: ہاں۔ تو مجھے بوسہ لینا ہی پڑا۔

ماشااللہ: کیا۔ ذلیل بدمعاش۔ تو نے اس کا بوسہ لیا؟

خیرسلا: اس نے جبراً دیا تو میں نے بھی لیا۔

ماشااللہ: مگر تجھے بوسہ لینے کا کیا حق تھا؟

خیرسلا: حق کیوں نہیں تھا۔ آدھی گنی جو دی تھی۔

ماشااللہ: مگر تو نے اس کا بوسہ لیا کس طرح سے؟

خیرسلا: دیکھ اس طرح۔

ماشااللہ: غیرت کر۔ ڈوب مر۔ تجھے میری بیوی کا بوسہ لیتے وقت شرم نہ آئی۔

خیرسلا: ارے تیری نہیں میری بیوی۔

ماشااللہ: ہیں۔ پہلے بوسہ لیا اور اب پوری عورت ہضم کرنا چاہتا ہے۔

خیرسلا: ارے تیری نہیں۔ میں نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔

ماشااللہ: اپنی بیوی کا۔ میں نے سمجھا کہ تو نے میری بیوی پر ہاتھ صاف کیا۔ خیر اس ذکر کو دفعان کر۔ بول میرے مرنے کی خبر سن کر اس پر کیا اثر ہوا۔ میری جورو کیا بولی؟

خیرسلا: اس نے کہا کہ ایک کتا مرگیا اور خوب ہنسی۔ خوش ہوئی۔

ماشااللہ: بے وفا کتیا۔ قحبہ۔ غم کے بدلے خوشی۔ رونے کے عوض ہنسی۔ غم کی جگہ یہ جواب؟

خیرسلا: جناب اس نے کہا کہ ہر جمعرات کو گھی کے چراغ جلاؤں گی، رت جگا مناؤں گی اور اس کی قبر پر ڈھول بجاؤں گی۔

ماشااللہ: اس زندگی پر لعنت۔ جینے پر حیف۔ بس میں جھگڑا ہی مٹائے دیتا

ہوں۔ پستول لاکر اس کا تیرا اور اپنا بھیجا اڑا دیتا ہوں۔

خیر سلا: اررررر۔ پر میرا کس لیے؟

ماشااللہ: اس لیے کہ تیری میری دوستی ہے۔

خیر سلا: ارے بھائی میں تیرا دوست اوست نہیں ہوں۔

ماشااللہ: پھر کون ہے؟ دشمن؟

خیر سلا: ہاں۔ تو مجھے اپنا دشمن ہی سمجھ لے۔

ماشااللہ: اگر دشمن ہے تو سب سے پہلے تجھے ماروں گا۔

خیر سلا: ارے واہ دوست ہو جب مرو۔ دشمن ہو جب مرو۔ چت بھی اس کی پٹ بھی اس کی۔

ماشااللہ: ہاں دیکھ خبردار۔ جب تک میں پستول لے کر نہ آؤں، یہاں سے ہلنے کا نام نہ لینا۔

خیر سلا: ارے پر سن تو؟

ماشااللہ: کیا سنوں؟

خیر سلا: ارے بھائی مجھے تو جانے دے۔

ماشااللہ: نہیں بس ماروں گا یا مروں گا۔

خیر سلا: ماروں گا یا مروں گا۔ خواہ مخواہ......

ماشااللہ: میں ایک حرف تک نہیں سننا چاہتا ہوں۔ بس مرنے کے لیے تیار رہنا۔

(جانا)

خیر سلا: (خود سے) لو اس طرف دروازہ بند ہے اور ادھر سے وہی آئے گا۔ ٹھیک ہے میں اس پردے کے پیچھے چھپ جاؤں۔

(پردے کے پیچھے چھپتا ہے۔ ڈالی آتی ہے)

ڈالی: (خود کلامی) اچھا جی حضور ابھی یہیں موجود ہیں۔

(ممتاز کا آنا)

ممتاز: بہن دیکھنا۔ یہ مردانہ لباس مجھ پر کیسا کھلتا ہے۔

ڈالی: چپ۔ چپ۔

ممتاز: لو چلو نو بج گئے۔ ناٹک شروع ہوجائے گا۔

ڈالی: ناٹک دیکھنے پیچھے جانا۔ پہلے اپنے گھر میں تو ایک تماشا دیکھو۔

ممتاز: کیا ہے؟

ڈالی: ہمارے میاں اس پردے کے پیچھے چھپے ہیں۔

ممتاز: ہاں؟

ڈالی: ہاں۔ اچھا ہوا کہ تم مردانہ لباس میں ہو۔ اب ذرا عاشق بن کر مجھے چھیڑنا شروع کرو۔

خیرسلا: (خود سے) مردود پستول لے کر آیا یا نہیں۔ ارے یہ کون؟ یا باری تعالیٰ کیا میری جورو نے بھی اپنے لیے کوئی آنریری خاوند ڈھونڈھ نکالا!

ممتاز: تو کیا آپ غیر مرد سے محبت کرنا نہیں چاہتیں۔

ڈالی: ہرگز نہیں۔

ممتاز: معلوم ہوا کہ آپ کو اپنے حسن کی قدر نہیں ہے۔

ڈالی: صاحب آپ لاکھ ابھاریں مگر میں رمنے پنچھیوں کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتی۔

خیرسلا: (سائڈ میں) شاباش میری بچی شاباش۔

ممتاز: آپ تو بالکل منہ توڑ جواب دیتی ہیں۔

خیر سلاّ: (سائڈ میں) منہ توڑ کیا۔ میں ہوتا تو سر توڑ جواب دیتا۔
ممتاز: بیگم زیادہ بے رخی نہ دکھایئے۔ مہربانی کرکے میرا دل قبول فرمایئے۔
ڈالی: مگر آپ اپنا دل تو پہلے سے ممتاز کو نذر کرچکے ہیں۔
خیر سلاّ: (سائڈ میں) تو کیا یہ وہی لنگاڑا ہے جس نے ماشااللہ کا بھی گھر بگاڑا ہے۔
ممتاز: اچھا اگر میں اپنا دل ممتاز سے واپس لے کر ہمیشہ کے لیے آپ کو دے دوں پھر تو منظور۔
خیر سلاّ: (سائڈ میں) صاف نامنظور۔
ممتاز: جواب دیجیے نا؟
خیر سلاّ: (سائڈ میں) میں جو جواب دیتا ہوں۔
ڈالی: دیکھیے کہیں ایسا نہ ہو کہ آج آپ دل دیں اور کل دغا کریں۔
خیر سلاّ: (سائڈ میں) اررر۔ یہ تو پھسل چلی۔ یا خدائے توانا۔ میری بیوی کا ایمان بچانا۔
ممتاز: آپ مجھ سے ایسی امید رکھتی ہیں۔ دغا کرنا پاجیوں کا دستور ہے۔
ڈالی: جب تو منظور ہے۔
خیر سلاّ: (سائڈ میں) ہات تیرا خانہ خراب۔ آخر آگئی نا اپنی ذات پر۔
ممتاز: یہ کون بولا؟
ڈالی: یہ تو میرا پالو کتا ہے۔ کم بخت یوں ہی موقع بے موقع بھونک اٹھتا ہے۔
خیر سلاّ: (سائڈ میں) دیکھو کتیا مجھے کتا بناتی ہے۔ اب کیا کروں۔ باہر نکل کر اس کی چندیا سہلاؤں یا بیوی کی کھوپڑی پر ٹھیکا بجاؤں۔

(ماشااللہ کا چھری لیے ہوئے آنا)

ماشااللہ: خیر پستول نہ ملی تو چھری ہی سہی۔

ڈالی: لو مردہ قبر میں سے واپس آگیا۔

ماشاللہ: ہائیں خیرسلا کہاں گیا؟ یہ کون؟ سمجھا سمجھا یہی ہے وہ رذالہ جس نے میرا گھر گھالا۔ کیوں جی تم یہاں کیوں آئے؟

ممتاز: ہماری خوشی۔

ماشاللہ: خوشی کا بچہ۔ صاف صاف بولو۔ ورنہ کھاجاؤں گا کچا۔

ممتاز: صاحب آپ کو دھمکانے کا کیا حق ہے؟

ماشاللہ: ابے تجھے اس گھر میں آنے کا کیا حق ہے؟

ممتاز: حق کیوں نہیں۔ یہ میرے معشوق کا گھر ہے۔

ماشاللہ: کون معشوق؟

ممتاز: سراپا ناز۔ مست انداز۔ میری پیاری ممتاز۔

ماشاللہ: تیری پیاری؟ تیری پیاری کیسے؟ کیا تو نے اس سے شادی کی ہے؟

ممتاز: مفت میں عورت ہتھے چڑھے تو شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ماشاللہ: بدمعاش۔ تجھے نہیں معلوم کہ وہ میری بیوی ہے۔

ممتاز: تمھاری ہو یا تمھارے باپ کی، آج کل تو اپنی ہے۔

ماشاللہ: کمینے پاجی بدمعاش۔ میں تیری جان لوں گا۔ چل میرے مقابلے کی تیاری کر۔

ممتاز: کیا تم مجھ سے لڑائی کرنا چاہتے ہو۔

ماشاللہ: بے شک۔

ممتاز: آل رائٹ۔ دو پستول بھرکر لے آؤ۔

ماشاللہ: پاجی۔ دیکھوں تو میرے ہاتھ سے کیوں کر بچتا ہے۔ ابھی ظاہر ہوجائے گا بزدل کون ہے اور بہادر کون ہے؟

ممتاز: بے شک ابھی معلوم ہوجائے گا کہ ہم دونوں میں مرد کون ہے اور عورت کون ہے۔

ڈالی: (دو پستول لاکر) یہ لیجیے۔

ماشاللہ: لاؤ۔

ڈالی: یہ آپ لیجیے۔

ممتاز: لاؤ۔

خیر سلاّ: (سائڈ میں) اب بھوت اور شیطان کی جنگ شروع ہوگی۔

ڈالی: دیکھو جب میں ایک دو تین کہوں۔ تو فوراً ایک دوسرے پر فائر کرنا۔

ماشاالله: منظور میں یہ جگہ لیتا ہوں۔

ڈالی: اور تم ادھر کھڑے ہو جاؤ۔

خیر سلاّ: (سائڈ میں) اررر۔ کم بخت یہاں کہاں کھڑا ہوتا ہے۔ اس نے گولی چلائی اور میری قضا آئی۔

ڈالی: ریڈی۔ ون۔ ٹو۔ ٹھہرو۔ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم یہاں سے نشانہ باندھو۔

خیر سلاّ: (سائڈ میں) پھر یہیں آدھمسا۔ اس کو مرنے کے لیے اور ٹھکانہ نہیں ملتا۔

ڈالی: ریڈی۔ون، ٹو، ٹھہرو۔ یہ جگہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

ماشاالله: یہ پردہ کیسے آپ سے آپ سرکتا ہے۔

ڈالی: شاید اس کی چولیں ڈھیلی ہوگئی ہیں۔ تم یہاں کھڑے ہو جاؤ۔

خیر سلاّ: (سائڈ میں) پھر یہیں نازل ہوگیا۔ آج بغیر مرے جان نہیں بچتی۔

ڈالی: ریڈی۔ ون ٹو تھری۔

خیر سلاّ: (چیختے ہوئے) ارے مار مار مار۔

ماشاالله: کون خیر سلاّ؟

خیر سلاّ: ہاں، چل مار۔ اس ڈاکو نے صرف تیری نہیں میری بیوی بھی ہضم کی ہے۔

ماشاالله: ابے نگاڑے تو نے کتنے شریفوں کے گھر بگاڑے؟

خیر سلاّ: ابے جواب دینے کے بدلے مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔ میں تیری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔ (مونچھیں اکھاڑنا)

ماشااللہ: ہائیں ممتاز۔

خیرسلا: ارے مرد کی جگہ عورت۔

ممتاز: کیوں میاں کیسا بنایا۔

ڈالی: کیوں کیسا جھپایا۔

خیرسلا: ستیا ناس ہو تمھارا۔ تم جیتیں یہ بیوقوف ہارا۔ لو بھائی ہم دونوں پرانی ساخت کے پستول ان نئے فیشن کے طمنچوں کے سامنے چالاکی کی جنگ میں بیکار ثابت ہوئے۔

ماشااللہ: دیکھو بیوی۔ یہ نیک جوڑوں کا شیوہ نہیں۔

خیرسلا: جو اپنے شوہر کے ساتھ بدسلوکی کرے۔

ڈالی: لُک ہیر۔ مسٹر خیرسلا۔

ممتاز: اینڈ یو ٹو مسٹر ماشااللہ۔

ڈالی: اگر ہمارے کیرکٹر پر کوئی ریمارک کروگے۔

ممتاز: تو ہم ہائی کورٹ میں ڈفرمیشن دائر کردیں گے۔

ماشااللہ: کیوں نہ کروگی۔ تمھاری طرف سے تو وکیل بیرسٹر بھی مفت لڑنے کو کھڑے ہوجائیں گے۔

خیرسلا: ارے وکیل بیرسٹر تو کیا کوئی ٹین پاٹیا جج ہوگا تو کیس بھی ان کے فیور میں ڈسائڈ کرے گا۔

ڈالی: شٹ اپ۔

ممتاز: ڈیر یہ تو یوں ہی بکے جائیں گے اور وہاں جوہری کی دوکان بند ہوجائے گی تو پھر گلے کا ہار کہاں سے لائیں گے۔

ماشااللہ: ارے تمھارے فیشن کے پیچھے ہمارے ہزاروں روپیوں کا ستیا ناس ہوگیا پھر بھی تم فضول خرچی سے باز نہیں آتیں۔

ممتاز: اگر تمھاری اوقات نہ تھی تو ایک فیشنبل عورت سے شادی کرنے کے بدلے کسی بڑھیا سے شادی کرتے۔

خیرسلا: یہی تو بیوقوف سے بھول ہوگئی۔ اگر بڑھیا سے شادی کرتا تو جورو

اور ماں دونوں کا مزا آتا۔

ممتاز: ڈیر کیا تمھیں کوئی شوہر نہیں ملا جو ایسے کھوسٹ سے شادی کی۔

ڈالی: میں تو رات دن دعا کرتی ہوں کہ خدا اس پنجے سے چھڑائے مگر خدا بھی نہیں سنتا۔

خیرسلاّ: اب ضرور سنے گا۔ کیونکہ خدا آج کل عورتوں پر خاص طور سے مہربان ہورہا ہے۔

ڈالی: چپ رہو۔ دماغ نہ کھاؤ۔ اگر تم کو ہماری حرکتیں ناگوار گزرتی ہیں........

ممتاز: ....تو ہم اِس راستے جاتے ہیں.........

ڈالی: ......اور تم اس راستے جاؤ۔

ممتاز: کم آن ڈیر ڈالی۔

ڈالی: یس ڈیر ممتاز۔

خیرسلاّ: کیوں ڈیر ماشااللہ۔ یہ فیشن ایبل جورو لانے کا نتیجہ دیکھا۔

ماشااللہ: ہاں بھائی نتیجہ تو خوب دیکھا۔ مگر اس کا علاج؟

خیرسلاّ: علاج یہ کہ ان پر لعنت بھیجو۔

ماشااللہ: تو کیا تم بھی طلاق دے دو گے۔

خیرسلاّ: نہیں تو اور کیا کروں گا۔ ان کے فیشن کے پیچھے تو میرا دیوالہ نکل گیا۔ اب جیل میں جانا باقی ہے۔

ماشااللہ: ٹھیک کہتے ہو۔

(گانا)

ہوئے بائکاٹ، ملا ٹین پاٹ، گئی جورو جی
تیری میری جورو جی، کیسی ڈالی تھی لوٹ
مانگے ڈاسن کا بوٹ

کبھی بھاوے نہ سوٹ تو میڈم جاوے روٹھ
اسکی بنی تھی فیشن پہ لوٹ
مجھے تو میری جورو نے سمجھا تھا بھوت
گئی گھر سے بلا۔ پاپ سر سے ٹلا
اب تو وہ ٹوپی عمامہ۔ پرانا وہ جامہ
سجا کے کرے ٹھاٹ باٹ۔ گئی جورو جی

(دونوں کا جانا)

باب تیسرا ــــــــ سین تیسرا

دربار تاج پوشی

(دربار لگا ہے۔ سب لوگ کھڑے ہیں)

درباری: ؎

زہے مقدر کہ نکہت مشک ازسرنو ختن میں آئی
خوشانصیب و خوشا زمانہ دوبارہ جاں آج تن میں آئی

طاہرہ: جنرل قہرمان۔ میرے مخدوم آپ سہیل کے محسن اور ملک کے نجات دہندہ ہیں۔ اس لیے تاج پوشی کی مبارک رسم آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے انجام پذیر ہونی چاہیے۔ تشریف لائیے اور خدا سے برکت مانگ کر حق حقدار کو عطا فرمائیے۔

شہریار: یہ مجمع تمام ملک کی زبان بن کر اس درخواست کی تائید کرتا ہے۔

قہرمان: بہت خوب۔ میں اس بہترین خدمت کو انجام دینا اپنے لیے سب سے بڑی عزت سمجھتا ہوں۔ ؎

روشنی سے ترے ہم سب کا مقدر چمکے
نور انصاف سے اس ملک کا گھر گھر چمکے
حشر تک تاج حکومت ترے سر پہ چمکے

(قہرمان سہیل کو تاج پہنانے کے لیے آگے بڑھتا ہے)

سہیل: ٹھہریے یہ تاج پہلے امی جان کو پہنائیے۔

طاہرہ: ماں کی جان۔ یہ تاج تیرے ہی سر پر خوش نما معلوم ہوگا۔ پہن تاکہ میں دیکھوں اور خوش ہوکر دعا دوں۔

سہیل: جی نہیں۔ میں نہیں مانوں گا۔ آپ کو تاج پہننا پڑے گا۔

طاہرہ: بیٹا تم نے کبھی اس ماں کے ساتھ ہٹ نہیں کی پھر کیوں اس وقت ضد کرتے ہو۔

سہیل: امی۔ آپ نے بھی تو کبھی بیٹے کی بات نہیں ٹالی۔ پھر آج کیوں ضد کرتی ہیں۔

شہریار: کتنی خوبصورت دلیل۔

سہیل: لایئے مجھے دیجیے۔ میں اپنی امی کو اپنے ہاتھ سے تاج پہناؤں گا۔ لیجیے پہنیے۔

(سہیل کا طاہرہ کو تاج پہنانے کے لیے بڑھنا۔ طاہرہ کا روکنا)

قہرمان: محترم خاتون۔ ہم سب کی خواہش ہے کہ آپ اپنا انکار واپس لیں۔ ایک کیا۔ ایسے ایک ہزار تاج آپ کو پہنائے جائیں تو بھی آپ نے اس یتیم کے لیے جو جو قیمتی قربانیاں کی ہیں ان کی پوری قیمت ادا نہیں ہوسکتی۔

طاہرہ: والا جناب۔ اُن پچھلے تلخ واقعات کی طرف بار بار اشارہ کرکے اپنی موجودہ خوشی کو بے مزہ نہ بنایئے۔ آج کی خوشی میں جس طرح میں قسمت کی بدسلوکیوں کو بھول گئی ہوں اسی طرح آپ لوگ بھی بھول جایئے۔

قہرمان: قسم ہے اس ذات پاک کی کہ عورت نہیں بلکہ صبر، بہادری اور ایثار کی دیوی ہیں۔

سہیل: امی مان لیجیے نا۔

طاہرہ: بیٹا سہیل۔

سہیل: دیکھیے اگر آپ نے تاج نہیں پہنا تو یہ سب لوگ سمجھیں گے کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔

طاہرہ: میرے ضدی۔

سہیل: ایک مرتبہ پھر سمجھایئے نا۔

قہرمان: بانو میں پھر عرض کروں گا کہ آپ ہمارے شہزادے کا دل رکھ لیجیے۔

طاہرہ: خیر آپ لوگوں کی یہی خواہش ہے تو میں اپنی خواہش کو سہیل کی خواہش کے تابع کرتی ہوں۔

قہرمان: وفاداری کا بہترین احترام۔

شہریار: سرفروشی کا بہترین انعام۔

سہیل: بس اب میرا دل خوش ہوگیا۔

طاہرہ: بس خوشی پوری ہوئی نا۔ لو اب تم دنیا اور خدا کی خوشی پوری کرو۔

یا الٰہی نیر اقبال تابندہ رہے
ملک کی قسمت کا مالک حشر تک زندہ رہے

۔پردہ۔

سلور کنگ

سلور کنگ (1910)

آغاحشر نے اپنا یہ اصلاحی ڈراما اپنی ہی قایم کردہ کمپنی 'دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد' کے لیے لکھا تھا۔ اسے بعد میں 'نیک پروین' کے نام سے بھی اسٹیج کیا گیا۔ اس کا مرکزی خیال ہینری آرتھر جونز (Henry Arthur Jones) کے اسی نام کے ڈرامے سے اخذ کیا گیا ہے۔ لیکن آغاحشر نے ہمیشہ کی طرح اسے اس طرح ہندوستانی رنگ میں رنگ دیا ہے کہ اس کا رشتہ اصل سے برائے نام ہی رہ گیا ہے اور اب یہ ان کی اپنی تخلیق کا درجہ رکھتا ہے۔ جس وقت یہ ڈراما لکھا گیا، اس وقت تک آغاحشر اس فن میں ایک بلند مرتبے پر فائز ہوچکے تھے۔ ان کا نام ہی کسی ڈرامے کی کامیابی کی ضمانت بن چکا تھا، چنانچہ اب انھوں نے اپنے قلم کو تفریح کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح کے لیے بھی استعمال کرنا شروع کردیا۔ شرب نوشی اور غلط صحبت کے برے نتائج کو انھوں نے اس ڈرامے میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ اس کا کامک بھی اصلاحی پہلو لیے ہوے ہے۔

آغا حشر کے ذخیرے میں اس کے تین مسودے دستیاب ہوے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی پیش نظر رہا، جو سرفراز قومی پریس، لکھنو کا طبع شدہ ہے۔ لیکن اس میں سال اشاعت درج نہیں۔ اس کا ایک مسودہ مجلد رجسٹر کی شکل میں ہے، جس کے اوراق بے ترتیب ہوچکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جلد میں الگ الگ دو کاتبوں کے لکھے ہوے مسودے یکجا کردیے گئے ہیں۔ دوسرا مسودہ منتشر اوراق کی شکل میں ہے۔ یہ بھی الگ الگ کاتبوں کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا مسودہ جو اس جلد میں شامل متن کی بنیاد ہے، مجلد رجسٹر کی شکل میں کل 141 صفحات پر مشتمل ہے۔ سر ورق کی تحریر کے مطابق اس کے کاتب کا نام منظور احمد عظیم آبادی اور مقام تحریر آرا، شاہ آباد (بہار) ہے۔ تاریخ تحریر 17 اپریل 1926 ہے، جو اس کے آغاز کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ڈرامے کے آخر میں پٹنہ اور تاریخ 29 مئی 1926 درج ہے، یہ غالباً نقل کی تکمیل کی تاریخ ہے اسی صفحے پر سنسر کے دستخط بھی ہیں، جس کے نیچے تاریخ 2 جون 1928 لکھی ہوئی ہے۔ یہ واحد نسخہ ہے جو مکمل ہے۔

کردار

مرد

افضل	ایک شریف نوجوان/پروین کا شوہر
تحسین	افضل کا وفادار ملازم
اسد	پولیس کا بے ایمان افسر
منیر	افضل کا ایک دوست
للّو	اسد کے گروہ کا ایک فرد
نتھو	اسد کا ساتھی
مرزا چونگا	ایک ناکارہ وکیل
جواری	
بوائے	

خواتین

پروین	ایک شریف پاکباز عورت/افضل کی بیوی
بانو	افضل کی بیٹی
زلفن	مرزا چونگا کی بیوی

باب پہلا ـــــ سین پہلا

بندگی

(پروین بانو اور تحسین کا حمد خدا گاتے ہوئے نظر آنا)

داتا نیارا ہے۔
پیاری کیا نیاری توری شان۔
جگت پھلواری۔ کیا پیاری ہے۔ نیاری
نجر حیران۔ داتا نیارا ہے....
یہ آزمانے کا میرے کریم ارادہ ہے
مرے گناہ، کہ رحمت تری زیادہ ہے
داتا نیارا ہے.....

(سب کا جانا)

باب پہلا ـــــ سین دوسرا

جُوا خانہ

(چند جواریوں کا شراب نوشی کرتے، ناچتے، گاتے نظر آنا)

بوائے۔ بوائے۔
یس سر۔ یس سر۔
دے دے اعلیٰ، بھر بھر پیالا۔ پینے والا ہو متوالا۔
بادل برسے کالا کالا۔ پھولا آنکھوں میں گل لالہ۔
کیسا چھایا ہے ہریالا۔
ہاں یکشا نمبر ون کا بہادے نالا۔
نہ رکھنا باقی۔ ساقی تیرا بول بالا۔
کھڑے ہیں تیرے در پہ لیے پیانہ
پلادے مرے ساقی آباد میخانہ۔
دنیا سے ہے کیا لے جانا۔ پینا کھانا موج اڑانا۔
بوائے۔ بوائے۔ یس سر یس سر۔
کیوں چھپائی۔ لادے بھائی۔ خالص وہسکی
رنگت ہو جس میں مِس کی، لذت ہو جس میں رَس کی۔
ہاں یار۔
کہاں تک لاگ۔ اُڑادے کاگ۔ بجھا دے آگ۔
دو ہی دن کی دنیا ہے۔ دو ہی دن جینا۔

دم میں جب تک دم ہے۔ ہر دم پینا۔
بادل برسے...

(گانے کے بعد سب کا ناچنا)

جواری ۱ : دنیا کے پاجیوں کا چچا جان کون؟
سب : ہم۔
جواری ۲ : ان چرکٹوں میں وقت کے لقمان کون؟
سب : ہم۔
جواری ۳ : فتنے کی جڑ۔ تباہی کے سامان کون؟
سب : ہم۔
جواری ۵ : (اندر سے) انسان کے لباس میں شیطان کون؟
سب : تم۔
جواری ۱ : ۔ شیطان کو بھی مات دیں مکر و فریب میں
جواری ۲ : ۔ اس جیسے دس ہزار کو رکھتے ہیں جیب میں
جورای ۳ : دوستو۔ دنیا کے بہترین لعل کہاں ملتے ہیں؟
سب : بدخشاں میں۔
جورای ۳ : دنیا کے بہترین ہیرے کہاں دستیاب ہوتے ہیں؟
سب : گول کنڈہ کی کان میں۔
جواری ۱ : دنیا کے تمام چمکنے والے ستارے کہاں نظر آتے ہیں؟
سب : آسمان میں۔
لٹو : دنیا کے سب سے زیادہ معزز شریف آدمی کہاں دکھائی دیتے ہیں؟
تتو : اس مکان میں۔ ۔

جہاں میں جتنے اچھے لوگ ہیں ان سب کا مجمع ہے
جوا خانہ نہیں ہے یہ شریفوں کا مرقع ہے

جواری ۴:

کوئی قیمت لگا سکتا نہیں جن کی زمانے میں
وہ سب ہیرے ہوئے ہیں جمع آ کر اس خزانے میں

(اندر سے آواز کا آنا)

جواری ۵: ہت تیرے کی۔ وہ مارا۔
جواری ۶: ارررر۔ یہ کیا برا داؤں ہارا۔
جواری ۵: چلو چلو۔ روپے بساؤ۔
جواری ۶: اماں۔ یہ کیا روپیہ پڑا ہے۔ اُٹھاؤ۔ سو کی بازی ہاری تو دو سو تو اور لگاؤ۔
جواری ۵: آل رائٹ۔
جواری ۶: وَن ہنڈریڈ۔
جواری ۵: ٹو۔
جواری ۶: تھری۔
جواری ۵: فور۔
جواری ۶: سِکس۔
جواری ۵: سیون۔
جواری ۶: شو۔
جواری ۵: فلاش۔
جواری ۶: تھری جیکس۔ ہپ ہپ ہرّے۔
جواری ۱: یارو۔ اس عزت اور دولت کی قربان گاہ میں آج کون سا بکرا بھینٹ چڑھنے کے لیے آیا ہے؟
لو: شاید تبو کسی آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کو دانہ چارے کی چاٹ پر لگا لایا ہے۔
جواری ۳: تو چلو۔ دولت کا نیلام ہو رہا ہے۔ دو چار بولیاں بولیں۔ بہتی ہوئی گنگا ہے۔ ہم بھی ہاتھ دھولیں۔

جواری ۱: ضرور۔ ضرور۔ ؎

آبرو بخشیں گے پانسے اور پھڑکو چل کے ہم
نام لیوا ہیں جہاں میں آج راجہ نل کے ہم

جواری ۲: ؎

ایک کے دو۔ دو کے دس ہوتے ہیں اک ہی وار میں
واہ کیا برکت ہے۔ ہاتھی دانت کے بیوپار میں

(سب کا اندر جانا۔ افضل کا گھبرائے ہوئے آنا اور میز پر ہاتھ پٹک کر بوائے کو پکارنا)

افضل : بوائے......
بوائے : (آکر) لیس سر۔
افضل : ہاف کورس برانڈی۔
بوائے : بگ یو پارڈن۔
افضل : ہاف کورس برانڈی۔
بوائے : آل رائٹ سر۔
افضل : شارپ۔
بوائے : ویری ویل

(بوائے کا شراب لینے جانا۔ افضل کا اسپیچ دینا)

افضل : دنیا کی بے شمار زبانیں یکساں لفظوں میں اس جگہ کے خلاف اپنا غصہ اور نفرت ظاہر کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں، یہ بری جگہ ہے۔ یہاں جوا کھیلا جاتا ہے۔ جوا ایک درخت ہے جو کوتاہ فہم ہاتھوں سے لالچ کی زمین پر بویا جاتا، پانی کے بدلے دولت و عزت کے خون سے سینچا جاتا اور بڑا ہوکر مفلسی و تباہی کا پھل لاتا ہے۔ اہاہاہا، کیسے عجیب جج! اور کیسا عجیب فیصلہ!! میں ان

نامنصف منصفوں سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر یہ جگہ جوا خانہ ہونے کی وجہ سے سوسائٹی کی مجرم ہے۔ تو تمھیں تمام جہان کے خلاف، فرد جرم لگانی چاہیے... بولو، جواب دو۔ کیا یہ تمام دنیا جوا خانہ نہیں ہے؟ کیا اس دنیا میں ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ داؤں نہیں کھیل رہا ہے؟ بادشاہوں کے دربار میں، وزیروں کے محل میں، فوج کے کیمپ میں، سوداگروں کی دوکان میں، غرض ہر ایک جگہ قسمت کی بساط پر کوشش کا پانسہ نہیں پھینکا جارہا ہے کیا؟ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو، ہر بڑی طاقت والا چھوٹی طاقت والے کو، ہر بڑی عقل والا چھوٹی عقل والے کو پورا نگل جانے۔ جیت لینے اور برباد کرنے کی کوشش نہیں کررہا ہے؟ سب جواری ہیں، سب جوا کھیلتے ہیں۔ بادشاہ طاقت سے کھیلتا ہے۔ سپاہی تلوار سے کھیلتا ہے۔ مدبر قلم سے کھیلتا ہے، فیلسوف دماغ سے کھیلتا ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں ہے وہ پتے اور پانسوں سے کھیلتا ہے... بس ملعون ہیں تو سب۔ ورنہ کوئی نہیں۔ برائی ہے تو ہر ایک جگہ ورنہ کہیں نہیں۔ اس لیے افضل، خوب پی اور خوب کھیل۔ جس طرح ہاتھی کے پیچھے کتے بھونکتے ہیں اور وہ پرواہ نہیں کرتا۔ اسی طرح تو بھی دنیا کو اپنے پیچھے بھونکنے دے اور آگے بڑھا چل... بوائے... بوائے۔

بوائے : (قریب آکر) یس سر۔

افضل : ہاف مور۔

بوائے : ماسٹر سات پیگ ہوچکے ہیں۔ کیا اتنا بوس نہیں؟

افضل : ابے تجھے واعظ کی ڈیوٹی کب سے ملی۔ جو شراب کے بدلے نصیحت کے گھونٹ حلق میں اتارنا چاہتا ہے۔ گو آن۔ برنگ اِٹ۔

بوائے : فُل آر ہاف؟

افضل : فُل۔ فُل۔ یو فول......

بوائے : آل رائٹ سر۔

افضل : اونھ۔ قسمت، میری دولت۔ فکر میں میری تندرستی۔ اور یہ تین ٹکے کا نفرا میری آزادی چھیننا چاہتا ہے.... لٹیرو۔ تمھیں مجھ پر فتح پانے کے لیے

زبردست جنگ کرنی ہوگی۔

بوا سے : (جاتے جاتے خود سے) میں سمجھتا ہوں کہ ماسٹر کا بھیجا وہسکی میں بہہ گیا۔ دماغ کی جگہ کھوپڑی میں بھوسا ہی بھوسا رہ گیا۔

(تحسین کے ساتھ افضل کی بیوی پروین کا آنا اور چھپ کر دیکھنا)

تحسین : (اپنے آپ سے) کیسا شخص اور کس حالت میں!

پروین : (اپنے آپ سے) خداوند، کیا یہ آنکھیں یہی نظارہ دیکھنے کے لیے دی تھیں۔

تحسین : (پروین سے) میں آگے بڑھتا ہوں۔ تم جب تک ظاہر ہونے کی ضرورت محسوس نہ ہو، صبر کے ساتھ یہیں ٹھہرو۔ ....حضور۔

(تحسین کا ظاہر ہونا اور پروین کا چھپے رہنا)

افضل : کون؟

تحسین : نمک خوار۔

افضل : تم ایک مرتبہ آئے، میں نے تمھاری منت کی۔ دوسری بار آئے۔ غصہ کیا۔ تیسری دفعہ آئے، دھتکار دیا۔ اب چوتھی دفعہ مجھے بیزار کرنے کے لیے آئے ہو۔ کیا میرا متواتر انکار کرنا تمھاری ان بوڑھی ٹانگوں کا تھکانے کے لیے ناکافی تھا۔

تحسین : ولی نعمت۔ ایک وفادار کتا جب دھتکارے جانے پر بھی اپنے مالک کی طرف محبت سے دوڑتا اور قدموں پر سر رکھ کر جس بوٹ کی ٹھوکریں کھائی تھیں، اسی بوٹ کو چومتا ہے۔ تو یہ بوڑھا غلام جس نے نصف جوانی نصف بڑھاپا آپ کے دسترخوان سے گرے ہوئے ٹکڑوں کو چننے میں گذارا ہے، آپ کے بگڑنے، خفا ہونے اور دھتکارنے سے کیوں کر اپنا فرض بھول سکتا ہے۔

افضل : جب میں اپنا منشا ظاہر کر چکا تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟

تحسین : بہت زیادہ نہیں، صرف اتنا کہ جس طرح ایک شخص خوفناک خواب دیکھ کر چونک اٹھتا ہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی موجودہ نیند سے جاگ کر گھر چلیے۔ روتی ہوئی بیوی کے آنسو پونچھیے۔ بلکتی ہوئی بچی کو گود میں لیجیے اور آئندہ

سے محبتی شوہر، مہربان باپ اور ایک سمجھ دار آدمی کی زندگی شروع کیجیے۔ ۔

اچھا بُرا بنانا موقوف عقل پر ہے
تقدیر کے محل کا معمار خود بشر ہے
ٹھوکر سے بچ کے چلیے، فکرِ مآل کیجے
ماضی کے تجربوں سے اصلاح حال کیجے

افضل : تم چاہتے ہو کہ میں گھر چلوں۔ مگر پہلے یہ بتاؤ۔ کہ میرا گھر اب کہاں ہے؟ ...نہیں میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں نے گھر کی دولت، گھر کی رونق، گھر کی پُر اطمینان زندگی، سب کچھ شراب اور جوئے میں غارت کر دی۔ اب گھر کی جگہ صرف مٹی اور پتھر سے بنی ہوئی چار دیواری ہے۔ جس کے اوپر خوفناک مستقبل اپنے سیاہ پر کھولے ہوے منڈلا رہا ہے۔ اور جس کے اندر ایک شریف بیوی اپنے بدچلن شوہر کے لیے، ایک معصوم بچہ اپنے بدبخت باپ کے لیے رحم کے آنسو بہا رہا ہے۔ ۔

ٹھکانہ اب کہیں آتا نہیں نظر مجھ کو
میں گھر کو بھول گیا اور میرا گھر، مجھ کو
نہ ہو خراب تم اک خانماں خراب کے ساتھ
بس اب سے چھوڑ دو قسمت کے رحم پر مجھ کو

تحسین : ایسا نہ کہیے۔ جس طرح ہوا اور روشنی کے بغیر کوئی جاندار جی نہیں سکتا۔ اسی طرح آپ کے بغیر دونوں غریب ماں بیٹی زندہ نہیں رہ سکتیں۔ ۔

بہت مشتاق ہے اپنے مسیحا کی زیارت کا
مداوا کیجیے گھر چل کے بیمارِ محبت کا
حواس و ہوش کی دشمن پریشانی نہ ہو جائے
میں ڈرتا ہوں کہیں وہ غم سے دیوانی نہ ہو جائے

افضل : وہ دیوانی نہ ہوجائے! نہیں۔ وہ پہلے ہی سے دیوانی تھی۔ دیوانی نہ ہوتی تو آنکھیں ہوکر تاریکی پر روشنی کا دھوکا نہ کھاتی۔ اپنی قسمت اور اپنا ہاتھ ایک

بدترین آدمی کے ہاتھ میں دے کر خود کو اور اپنی پسند کو ذلیل نہ بناتی۔ آہ تحسین۔ اس کو کس نے رائے دی تھی کہ مجھے قبول کرے۔ اُس نے کیا دیکھا جو مجھ سے شادی کی؟ ؎

بھرے پڑے تھے جہاں بھر کے عیب سینے میں
ہزاروں داغ تھے اس دل کے آئینے میں
شراب خوار، جواری، ذلیل، آوارہ
بتا تو کون سی خوبی تھی مجھ کمینے میں

تحسین : خداوندِ نعمت۔ آپ کو پسند کرنا ہی اُس کے عقل مند ہونے کا ثبوت ہے۔ اس نے خود کو آپ کی غلامی میں ہمیشہ کے لیے اس لیے دے دیا کہ آپ کے دل سے محبت، آنکھوں میں مروت، ہاتھوں میں سخاوت، برتاؤ میں شرافت، قول میں صداقت، غرض وہ تمام خوبیاں جن سے گوشت اور پوست کا مجموعہ شریفِ انسان کہلاتا ہے، پورے جمال و جلال کے ساتھ موجود تھیں۔

افضل : مجھے بھی خیال آتا ہے کہ شاید پہلے تھیں۔ مگر اب ....

تحسین : اب بھی ہیں۔ لیکن آپ نے ان سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ ؎

خار و خس پردہ بنے گل ہائے خوشبو دار کے
زنگ آ جانے سے جوہر دب گئے تلوار کے

افضل : تحسین! آدھے شرابی اور آدھے پاگل کے سوا میں اب کچھ نہیں ہوں۔ اس لیے شرابی اور پاگل کے ساتھ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ ؎

چھوڑو یہ مغزپاشی، لاحل سمجھ کے مجھ کو
دفتر لپیٹو، فردِ مہمل سمجھ کے مجھ کو
حل ہی نہیں ہے جس کا وہ نکتہ ادق ہوں
میں اپنی زندگی کا بھولا ہوا سبق ہوں

(پروین کا نکل کر سامنے آجانا)

پروین : رحم۔ رحم۔ میرے سرتاج رحم۔ ۔

ڈھونڈھتے ہیں اب مداوا سوزشِ غم کے لیے
کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لیے
ہوچکی مشقِ ستم، کم بخت چورا ہو چکا
بس نہ ٹھکراو کہ دل کا کام پورا ہو چکا

افضل : پروین! تم اور یہاں؟

پروین : لاچاری۔

افضل : کون لایا؟

پروین : دل کی بے قراری۔

افضل : کیا تمھیں بھی یہاں کوئی داؤں لگانا منظور تھا؟

پروین : ہاں ہاں۔ مجھے اپنی زندگی کے سرمایے کو جیت کر گھر لے جانا ضرور تھا۔ ۔

کوئی آتا ہے زر لے کر کوئی لعل و گہر لے کر
میں آئی ہوں یہاں جانِ حزیں اور چشمِ تر لے کر
کہاں تک جیتتی جائے گی قسمت خستہ جانوں سے
جوا کھیلوں گی اس کے ساتھ آج آنسو کے دانوں سے

افضل : پروین! جس طرح شیطان جنت میں داخل ہونے کی جرأت نہیں رکھتا، اسی طرح میں بھی اس گھر کو جسے تیری عصمت اور نیکی نے مقدس بنا دیا ہے، اپنی نجس ہستی سے ناپاک نہیں کرسکتا۔ ۔

فغاں کا شور پیدا ہے شکستہ استخوانوں سے
پکڑ رکھا ہے بربادی نے مجھ کو دونوں شانوں سے
نکلنے کا کوئی رستہ نہیں، ہوں غم کے گھیرے میں
پڑا رہنے دے مجھ بدبخت کو میرے اندھیرے میں

پروین : میرے پیارے۔ تمھاری افسوس اور ندامت سے بھری ہوئی تقریر مجھے اُمید دلاتی ہے کہ تم نے اپنی غلطی جان لی ہے۔ اس لیے مجھے اپنی اور تمھاری

آئندہ بہتری کے لیے ہر طرح کا اطمینان ہے۔ چلو۔ گھر چلو۔ جب مرض کی تشخیص ہوگئی تو علاج بالکل آسان ہے۔ ۔

ذرّہ ذرّہ بوے الفت سے ختن بن جائے گا
مل کے جب بیٹھیں گے پھولوں کا چمن بن جائے گا
گھر نکھر جائے گا، شکلیں سب پری ہوجائیں گی
خشک کلیاں چار چھینٹوں میں ہری ہوجائیں گی

افضل : پروین! انسان کے جسم کا کوئی حصہ جب سڑ جاتا ہے تو اُسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر اپنی سلامتی چاہتی ہے تو مجھ ملعون سے نفرت کر۔ میں قریب آنا چاہوں تو مجھے ٹھوکر مار کر دور پھینک۔ دیکھ اور اپنے ساتھ انصاف کر۔ تو کیا تھی اور میں نے چند روز میں تجھے کیا بنا دیا۔ جس کے گھر میں دولت کے انبار، جس کے توشہ خانوں میں ہزاروں کے لباس، جس کے جسم پر لاکھوں کے زیور ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ایک شرابی اور جواری نے اسے کیسی کنگال حالت کو پہنچا دیا۔ ۔

تری دولت کا ڈاکو ہوں، تری راحت کا قاتل ہوں
کبھی عزت کے لائق تھا، پر اب نفرت کے قابل ہوں
بہت بگڑی تری حالت زیادہ مت بگڑنے دے
مرے سائے سے بھاگ اب میری پرچھائیں نہ پڑنے دے

پروین : نہیں۔ نہیں۔ مجھے دولت، کپڑا، زیور کچھ نہیں چاہیے۔ میں صرف تمھیں چاہتی ہوں۔ عورت کی دولت اس کی نیکیاں ہیں۔ عورت کا لباس اس کی عصمت ہے، عورت کا گہنا اُس کا شوہر ہے۔

زر و زیور گئے تو جائیں، کس کا مال سارا تھا
میں خود ہی جب تمھاری ہوں تو جو کچھ تھا تمھارا تھا
مرا راحت محل، پیارے، تمھارے دل کا کونا ہے
مرے زیور فقط تم ہو، نہ چاندی ہے نہ سونا ہے

افضل : پروین! میرے پاس جتنے لفظ تھے انکار میں خرچ کر دیے۔ اب میرے پاس نہ لفظ ہیں نہ وقت۔ اس لیے مجھے سمجھانے کی کوشش سے باز آؤ۔ بوڑھے فرشتے! اسے ساتھ لو اور گھر جاؤ۔

تحسین : حضور! اجازت دیں تو ایک جملہ۔

افضل : بس ایک حرف نہیں۔

تحسین : میری سنیے۔

افضل : کان نہیں۔

پروین : کچھ دیکھو۔

افضل : آنکھیں نہیں۔

تحسین : سوچیے۔

افضل : دماغ نہیں۔

پروین : غور کرو۔

افضل : وقت نہیں۔

پروین : خدا کے لیے ہم پر ترس کھاؤ۔

افضل : شیطانو۔ چلے جاؤ۔ ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گا۔ جب تک اس سنہری جوتے سے قسمت کا سر کچل کر جو کچھ اس نے مجھ سے اب تک چھینا ہے واپس نہ لوں گا، کبھی گھر واپس نہ آؤں گا۔

(منیر کا چھپ کر دیکھنا۔ افضل کا غصے سے چلے جانا)

منیر : (اپنے آپ سے) افسوس اس کے لیے اور اس سے زیادہ اس غریب عورت کے لیے۔

جاتا ہے یہ آپ اپنی اجل کے نیچے
پس جائے گا اس طرزِ عمل کے نیچے
چنگاری کے پڑنے کی فقط ہے اب دیر
بارود تو بچھ چکی محل کے نیچے

پروین : تحسین اب ہم کیا کریں!

تحسین : صبر اور دعا۔

پروین۔ ـ

صلح تھی کل جن سے اب وہ بر سرِ پیکار ہیں
وقت اور تقدیر دونوں درپۂ آزار ہیں
رحم کرتا بے کسوں پر اے خدا تو بھی نہیں
اب تو رونے کے لیے آنکھوں میں آنسو بھی نہیں

(منیر کا سامنے آنا)

منیر : پروین! میں نے آڑ میں کھڑے ہوکر تمھاری اور افضل کی گفتگو کا ایک ایک حرف سنا۔ اور ہر حرف پر اس کے لیے میری زبان سے افسوس اور تمھارے لیے آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

پروین : بھائی منیر! مجھے معاف کرنا۔ افضل کے حکم کے بغیر میں تمھاری ہمدردی کا شکریہ ادا کرنے کے سوا اور کوئی گفتگو نہیں کرسکتی۔

منیر : آہ پروین۔ تو اس ناقدر شناس آدمی سے کتنا ڈرتی ہے۔ وہ افضل جو شادی سے پہلے تجھ پر جان قربان کرتا تھا اور اب پروا بھی نہیں کرتا، اس کا اس قدر خوف کرتی ہے۔ افسوس۔ کیسی نیک بیوی اور کیسا برا خاوند۔ ـ

سچ ہے کہ آدمی ہے مقدر کے ہاتھ میں
ہیرا تھی اور پڑ گئی پتھر کے ہاتھ میں

پروین : منیر! بس میرے کانوں کو گنہ گار نہ کرو۔ میں ایسا کوئی لفظ جس میں میرے افضل کی ہتک ہو کبھی نہیں سن سکتی۔ ـ

ہمارے درد کا درماں، ہمارے دکھ کا چارا ہے
بھلا ہے تو ہمارا ہے، بُرا ہے تو ہمارا ہے

منیر : پروین! میرے یہ الفاظ جو ہمدردی کے جوش میں میری زبان سے نکل گئے،

اگر تمھارے رنج کا باعث ہوئے ہیں تو میں معافی مانگتا ہوں اور دلی افسوس کے ساتھ واپس لیتا ہوں۔

پروین : بہن اپنے عالی حوصلہ بھائی کی اس شریفانہ معذرت کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

(افضل کا آنا اور چھپ کر دیکھنا)

افضل : (اپنے آپ سے) یہ کیا۔ منیر اور پروین؟ میرا پُرانا رقیب اور میری بیوی۔ خوب خوب۔ مجنوں لیلیٰ کے سامنے شرح ملال کررہا ہے۔ فرہاد شیریں کے آگے عرضِ حال کررہا ہے۔

(افضل کا ظاہر ہونا)

منیر : بھائی افضل! مجھے معاف کرنا کہ تمھاری غیر حاضری میں......

افضل : معاف؟ میرے دوست معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اظہار ندامت بیکار ہے کیونکہ تم جیسے شریفوں کو ہر ایک عورت کے بہکانے پھسلانے کا اختیار ہے۔ جو کچھ ہورہا ہے ہونے دو۔

پروین : میرے سرتاج! یہ تم کیا کہتے ہو؟ منیر تو مجھ سے اس طرح باتیں کررہا تھا جس طرح ایک بھائی ایک بہن سے گفتگو کرتا ہے۔

افضل : میں تمھارے بھائی کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ آج سے نہیں بلکہ مدتوں سے پہچانتا ہوں۔

منیر : افضل پہلے بات کو تو سن لو پھر زبان کھولو۔ تم میری شرافت پر حملہ کرتے ہو۔

افضل : شرافت! تیرے جیسے پاجی اور ان میں شرافت!! ایک وقت تھا جب کہ تو، میں اور اسد، تین شخص اس کی پسند کو جیتنے اور لے لینے کی کوشش کررہے تھے، جس میں مَیں نے فتح پائی اور تم دونوں نے شکست کھائی۔ اب اس شکست کا بدلہ اس طرح لینا چاہتا ہے کہ میری غیر حاضری میں میری بیوی کو میری طرف سے بہکاتا ہے۔

تحسین : حضور! اس نہایت ہی مختصر گفتگو کا ایک ایک حرف میں نے سنا ہے۔ اگر آپ کو میری سچائی اور نمک حلالی پر اعتماد ہے تو یقین کیجیے کہ آپ کی بدگمانی بالکل بے بنیاد ہے۔

افضل : مجھے اپنے مقدمے میں تیری گواہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

منیر : افضل !شراب نے آدھا پاگل تو پہلے ہی کر دیا تھا۔ اب کیا اس احمقانہ حرکت سے تو اپنے آپ کو پورا پاگل ثابت کرنا چاہتا ہے۔

افضل : بس حرام زادے! کمینے! بغیر ایک لفظ بولے ہوئے یہاں سے چلا جا۔

منیر : ورنہ کیا ہوگا؟

افضل : اس کا جواب میری لاتیں دیں گی۔

منیر : تو اس کا جواب میرے گھونسے دیں گے۔

افضل : اُس کا جواب یہ پستول دے گا۔

منیر : جا جا۔ پاگل کتے۔ کس کو بھونک کے ڈراتا ہے۔

افضل : تو لے یہ پستول ابھی تجھے مزا چکھاتا ہے۔

(افضل کا مارنے کو ہاتھ اٹھانا۔ منیر کا بھاگنا۔ افضل کا پیچھا کرنا)

تحسین : حضور حضور۔

پروین : آہ! ناشادی۔ بربادی۔

باب پہلا ـــــ سین تیسرا

منیر کا مکان

(اسد، لو اور تبو کا شراب پیتے نظر آنا۔ سب کا گانا)

بھٹی میں جھونکو غم کو مل مل مزے اُڑاو۔
بلواو کسی صنم کو ـــــ بوتل کا کاگ اُڑاو۔
شیشے میں مے ہو ساقی۔
ساغر چھلکے۔
گرم ہو یارو میخانہ بھٹی میں.....

کیا دیر ہے اے ساقیا گلفام چکھا دے
ساغر نہیں ملتا ہے تو چلو سے پلا دے
برسات ہے توبہ کا گلا کاٹوں گا ساقی
شیشے میں جو رکھی ہے وہ تلوار منگا دے

سوڈا ہو، لیمن ہو، شمپئن ہو، برانڈی بھی ہو۔
گردش میں ہو پیمانہ، ساغر چھلکے۔
پیو پیو جام رل کے مل کے۔ بھٹی میں....

(گاتے گاتے سب کا ناچنا۔ لو، اسد اور تبو کے علاوہ سب کا جانا۔ ابو کا کھڑکی کے پاس کھڑے ہوکر کچھ سوچنا)

اسد : کیوں دوست لو! کھڑکی کے پاس کھڑے کیا سوچ رہے ہو؟

ابو: میں یہ سوچ رہا ہوں کہ منیر باہر ہے۔ پڑوسی سوتے ہیں، پولیس دور ہے اور

مکان ہمارے رحم پر لٹک رہا ہے۔ اگر پنچ کی رائے ہو اور دونوں نیک بھائی اس نیک کام میں شریک ہوں تو اس تجوری بیگم سے علیک سلیک کیا جاے۔

نبو : لو۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ چل بھائی چل۔ چاہے یہ اس نیک کام میں نابول کے گنہ گار بنے۔ مگر بندہ تو تیرے ساتھ ثواب کمانے کو تیار ہے۔

اسد : تو شروع کردو۔ ساتھ نام اللہ کے۔ یہاں کس کافر کو انکار ہے۔

لٹو : مگر نبو تجوری کھولنے کے اوزار؟

نبو : ایک چھوڑ ہزار۔

(نبو ابو کی طرف کنجیوں کا گچھا بڑھاتا ہے)

اسد : کیا کنجیوں کا گچھا؟ واہ دوست! تو تو ہر وقت ایک سو بہتر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح رہتا ہے۔

نبو : اسی لیے تو جہاں جاتے ہیں فتح پاتے ہیں (تجوری کھول کر ہنسنا) ہا ہا ہا ہا۔ دس بارہ ہزار سے کم کے نوٹ نہ ہوں گے۔

اسد : سیٹو سیٹو۔ اس نے ہمارے ہی لیے تو جمع کر رکھے ہیں۔

ابو : اب کیا۔ جے راجا نل کی۔ مہینوں تک پو چھکے ہیں۔ جلدی۔ جلدی۔ ہوشیار

اسد : منیر آپہنچا.....

نبو : میں اپنے دوست منیر کی سلامتی کا جام تجویز کرتا ہوں۔

(منیر کا گھبراے اور پسینے میں تر بہ تر کانپتے ہوے آنا)

ابو : خدا ہمارے دوست کو سلامت رکھے۔

اسد : تھری چیئرز فار مسٹر منیر۔ ہپ ہپ ہرّے۔

سب : ہپ ہپ ہرّے۔ ہپ ہپ ہرّے۔

نبو : واہ یار منیر! خوب انتظار کرایا۔ آج تم نے ہمیں پارٹی دی یا بنایا؟

منیر : دوستو! معاف کرنا۔ میں سخت شرمندہ ہوں کہ تمھیں میرے انتظار میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا پڑا۔

اسد : خیر باشد۔ اس قدر پسینے میں تر بہ تر ہانپتے کانپتے آ کہاں سے رہے ہو؟ بھئی ابو منیر کے لیے ایک گلاس تو بھرو۔

(سب کا مل کر شراب پینا)

منیر : آج مدتوں کے بعد اتفاقیہ پروین سے ملاقات ہوئی۔ گفتگو چند جملوں سے آگے نہ بڑھی تھی کہ یکایک افضل بھی وہاں آگیا اور نشے کی حالت میں محض ایک بے بنیاد شک پر مجھ سے لڑ پڑا۔ اگر خدا نہ بچاتا تو وہ یا میں دونوں میں ایک ضرور مارا جاتا۔

نبو : تو بھلے آدمی تمھیں کس نے صلاح دی تھی کہ بیاہتا عورت پر اس کے خاوند کی غیر حاضری میں ڈورے ڈالو اور خواہ مخواہ ایک جیتی بلا اپنے پیچھے لگا لو۔

منیر : شراب نے افضل کے دماغ کو اس قدر خراب کردیا ہے کہ اب وہ کسی بات کو سوچنے سمجھنے اور کسی معاملے میں ٹھیک رائے قائم کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر وہ جلد سے جلد اپنی حالت نہ سنبھالے گا تو یقیناً اپنے کو اور اپنے ساتھ فرشتہ صفت پروین کو بھی تباہ و برباد کر ڈالے گا۔

اسد : فرشتہ صفت! اوہو ہو آج تو پروین کی بڑی تعریف ہورہی ہے۔

منیر : بے شک وہ تعریف ہی کے قابل ہے۔

نبو : اور تعریف کے قابل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آج کل آپ پر خفیہ طور پر مہربان ہے۔

منیر : دوست نبو! اپنی نسبت سے بولنے کی تمھیں پورے طور پر آزادی دیتا ہوں۔ مجھے جو کچھ چاہو، جن لفظوں میں چاہو، جی بھر کر سنا لو۔ مگر مہربانی کرکے پارسا، شریف، قول و فعل میں سچی پروین کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔

اسد : قول و فعل میں سچی! (ہنستا) آہاہاہا۔ ہاں بھائی! ہاں سچی تھی، جبھی تو پہلے تم سے آنکھ لڑائی پھر مجھ سے محبت جتائی۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ ایک کو سائی دوسرے کو بدھائی۔ واہ ری سیتا ستی تیری سچائی۔

منیر : اسد! آدمی جب ایک پیسے کی ہانڈی خریدنے نکلتا ہے تو دس دکانوں پر پھرتا اور لینے سے پہلے ٹھونک بجا کر اپنا اطمینان کرلیتا ہے۔ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ جس طرح جب تک دونوں پہیے برابر نہ ہوں گاڑی نہیں چل سکتی اسی طرح جب تک مرد اور عورت کا مزاج، مذاق، طبیعت، عادت یکساں اور یک رنگ واقع نہ ہوں، تب تک دونوں میں سے ایک کو بھی شادی کے بعد امن اور خوشی کی زندگی میسر نہیں ہوسکتی۔

نبو : پروفیسر صاحب نے تو لکچر دینا شروع کردیا۔

منیر : اگر پروین نے شادی کو ذمہ داری سمجھا تو اس نے تم کو، مجھ کو اور افضل کو اپنی کسوٹی پر جانچا، دور اندیشی کی نظر سے پرکھا اور آخر میں ہم تینوں میں سے جو زیادہ بہتر معلوم ہوا، اسے اپنی زندگی کا رفیق بنانے کے لیے پسند کر لیا، تو اس کے انتخاب پر ناراضی ظاہر کرنے کا ہمیں کیا اختیار ہے۔ عورت ہو یا مرد اپنی مرضی کا مختار ہے۔

اسد : منیر! شادی بیاہ کی فلاسفی میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مگر یہ سن لو اور دل پر لکھ رکھو۔ کہ جس طرح پروین نے اپنی مرضی کے خلاف نہیں کیا، اسی طرح میں بھی ہرگز اپنے ارادے کے خلاف نہ کروں گا۔ اس دنیا میں اور اس زندگی میں اُس کی عہد شکنی کا گناہ بھی معاف نہ کروں گا۔

منیر : اسد! اس غریب نے شادی کی۔ بیوی بنی۔ صاحب اولاد ہوئی۔ اب اس کے چہرے کی طرف ہوس آلود نگاہوں سے دیکھنا، شوہر کی بغل سے کھینچ کر بے آبروئی کے گڑھے میں گرانے کی کوشش کرنا۔ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل کام ہے۔ پہلے وہ قابلِ محبت تھی تو اب لائقِ احترام ہے۔

اسد : بس بس۔ اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں روز اس کے پاس جانا، بیٹھنا، ہنسنا، کھیلنا، جی بہلانا، مزے اڑانا۔ اور کوئی دوسرا اس کی نسبت زبان ہلائے تو بگلا بھگت بن کر لکچر سنانا۔

نبو : جا بھائی جا۔ یہ باتیں کسی اور کو سنا۔

منیر : اسد! افضل سے شادی ہونے کے پیشتر بے شک میں پروین کو ایک عاشق کی

نظر سے دیکھتا تھا۔ مگر شادی کے بعد اس کو سگی بہن سمجھتا ہوں۔

نبو : ہاں ہاں۔ سمجھتے ہوگے چہیتے کو بھائی اور چہیتی کو بہن کہنا تو آج کل کے فیشن میں داخل ہوگیا ہے۔

منیر : تم میرے دوست ہو اور مہمان کی حیثیت سے میرے پاس آئے ہو۔ اس لیے اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہتا کہ آئندہ ہماری گفتگو میں پروین کے متعلق کوئی حرف نہ آنے پائے۔

نبو : اور اگر تمھاری اس تنبیہ پر بھی کسی نے رائے زنی کی؟

منیر : تو میں تمھیں یہ کہنے کے لیے مجبور ہوں گا کہ اپنا کوٹ اُٹھاؤ اور اسی وقت میرے مکان سے باہر نکل جاؤ۔

نبو : تم ایسا کہنے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتے۔

منیر : کیوں؟

نبو : کیونکہ یہ اک شریف آدمی کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

منیر : مگر میں اس شریف کو جو کسی کو بہو بیٹی کی عزت نہیں کرتا سب سے بڑا پاجی سمجھتا ہوں۔

نبو : منیر! ہوش میں ہے یا نہیں؟ تو کس کو پاجی بتا رہا ہے؟

منیر : اُس کو جو ایک شریف عورت پر بلاسبب الزام لگا رہا ہے اور اپنے منھ کے گندے لفظوں اور گندی سانسوں سے اس گھر کی ہوا میں بدبو پھیلا رہا ہے۔

نبو : بس چپ۔ ورنہ اس زبان درازی کا جواب دست درازی سے دیا جائے گا۔

منیر : تو دے گا؟

نبو : ہاں۔ ہاں۔ میں۔

منیر : نکل یہاں سے نابکار۔

نبو : خبردار۔

(نبو کا پستول نکال کر ڈرانا۔ دھوکے سے پستول کا چل جانا)

منیر : آہ۔ ناپاک دوستی کا ناپاک ہاتھوں سے خاتمہ۔

(منیر کا گرنا اور تڑپ کر مرجانا)

للو : نبو! یہ کیا کیا؟

اسد : مجنوں! ایک ذرا سی بات پر آدمی کا خون۔

نبو : مم۔م۔م میں نے تو صرف ڈرانے کے لیے پستول نکالا تھا۔ مگر گھبراہٹ میں لبلبی دب گئی اور انجام کار بد نکلا۔

اسد : نامراد۔ تو نے تو غضب ڈھایا۔ خود بھی ڈوبا اور اپنے ساتھ ہمیں بھی ڈبایا۔

نبو : بھائی اسد۔ جوتے مارنا ہیں تو گھر لے چل کر مارلینا، مگر اس وقت تو بچا لو۔ کسی طرح اس خون پر پردہ ڈالو۔

ابو : غضب پر غضب۔ سامنے سے افضل آرہا ہے۔ اسد! افسوس برے پھنسے۔

نبو : پھر اب؟

اسد : ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔ ہاں ٹھیک۔ نبو! تیرے پاس کلوروفارم ہے؟

نبو : ہاں ہے۔ کیا کروگے؟

اسد : تو دیکھ۔ میں یہاں کھڑا ہوں۔ تم وہاں کھڑے ہو اور تم اس جگہ۔ جیسے ہی افضل دروازہ کھول کر اندر داخل ہو۔ میں پیچھے سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لوں گا۔ تم کمر سے لپٹ جانا۔ اور تم کلوروفارم سنگھانا۔ پھر تمام رات بے ہوشی کی حالت میں اسے اس کمرے میں سلایا جائے گا اور صبح ہوتے ہی منیر کے قتل کے الزام میں گرفتار کرایا جائے گا۔

(سب کا تیار ہوکر کھڑے ہوجانا۔ افضل کا پستول لیے ہوئے آنا۔ سب کا افضل کو پکڑ کر بے ہوشی کا رومال منھ پر رکھنا۔ افضل کا بے ہوش ہو جانا۔ ابو، اسد اور نبو کا اس کی گھڑی، پاکٹ بک، نقدی نکال کر خون اس کے کپڑوں پر لگا دینا۔ پستول اس کے ہاتھ میں پکڑا کر سب کا فرار ہو جانا۔ آدھی رات کو افضل کا ہوش میں آنا۔ آہستہ آہستہ ڈرتے ہوئے اِدھر اُدھر تاکنا۔ پھر منیر کی لاش دیکھ کر گھبرا جانا)

افضل : میں کہاں ہوں؟ اُف۔ میرے دماغ میں چکر آتے ہیں۔ سر میں دھمک، بھیجے میں چمک، خواب ہے یا عالمِ بیداری (اُٹھ کر) ہیں۔ یہ میں کہاں؟ منیر کے مکان میں؟ میں یہاں کیسے آیا؟ مجھے کون لایا؟ (سوچ کر) ہاں۔ یاد آیا ـــــ وہ دوبارہ میرے مکان میں آیا۔ میں اس کے پیچھے پستول لے کر دوڑا۔ وہ بھاگا اور اپنے مکان میں چلا آیا۔ میں بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ مجھ سے لپٹا۔ ہم دونوں آپس میں گتھ گئے۔ پھر کیا ہوا؟ (سوچ کر) کچھ یاد نہیں آتا۔ (منیر کی لاش دیکھ کر) منیر! اٹھ اور جواب دے۔ تو میرے مکان میں... (خون ہاتھ میں لگا دیکھ کر) ہیں۔ یہ خون کیسا؟ (خوف زدہ ہوکر) اُف۔ کیا یہ میرے پستول کا نشانہ بن گیا؟ کیا میں نے اس کو مار ڈالا؟ یہ مرگیا؟ (سوچ کر) نہیں۔ نہیں۔ یہ زندہ ہے۔ یہ اٹھے گا۔ زندہ ہے۔ یہ اٹھے گا۔ زندہ آدمیوں کی طرح سانس لے گا اور دنیا کی کش مکش میں دوبارہ حصہ لے گا۔ (جھنجھوڑ کر) منیر! اٹھ۔ سن رہا ہے؟ (جواب نہ پاکر) منیر میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ اور جواب دے۔ (خوف زدہ ہوکر) ذرا ہوش نہیں۔ مطلق حرکت نہیں ـــــ او خدا۔ یہ تو مرگیا۔ بالکل ٹھنڈا ہوگیا؟ (پستول دیکھ کر) خالی ہے۔ بس ضرور میں نے اسے مار دیا۔ یہ میری گولی کا نشانہ ہوا۔ (خون کے داغ دیکھ کر) یہ کیا؟ خون؟ اُف میرا دماغ چکراتا ہے۔ میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چلا آتا ہے۔ (سوچ کر) ہاں۔ جیسے ہی میں مکان میں داخل ہوا۔ یہ مجھ سے لپٹ پڑا۔ ہم دونوں لڑنے لگے۔ پھر کیا ہوا؟ بس میں نے اس کو مار دیا۔ یہ مردہ ہو کر گرا۔ میں اس خوں فشاں منظر کو نہ دیکھ سکا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اُف افضل۔ ظالم افضل! یہ تو نے کیا کیا؟ دنیا کے بدترین شرابی جواری۔ یہ تونے کیا کیا؟ (سوچ کر) اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تھوڑی دیر میں پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور ہتھکڑی لے کر آئے گی اور مجھے اس خون کے بدلے پھانسی پر چڑھائے گی۔ (سوچ کر) پھر اب میں کیا کروں؟ ہاں۔ جس قدر جلدی ہوسکے یہاں سے بھاگ جاؤں۔ خود کو بچاؤں۔ ہاں۔ بس یہی ٹھیک ہے۔ افضل نہیں۔ نہیں افضل۔

جلد بھاگ۔ (پھر منیر کی لاش دیکھ کر) اُف۔ تو مجھے کیوں گھورتا ہے؟ اپنی خوفناک آنکھیں بند کر۔ اوہ۔ تو نہیں سنتا۔ تو آنکھیں نہیں بند کرتا۔ منیر! میں خوف کے مارے مرجاؤں گا۔ او، افضل۔ جلد بھاگ۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ۔ کوئی دم میں پولیس تیری گرفتاری کو آیا چاہتی ہے۔

باب پہلا ——— سین چوتھا

مرزا چونگا کا مکان

(مرزا چونگا کا بڑبڑاتے ہوئے آنا)

مرزا چونگا :شادی کرو ——— میں تمھیں صلاح دیتا ہوں کہ شادی ضرور کرو۔ کنواری نہ ملے تو بیوہ سے کرو۔ جوان نہ ملے تو بڑھیا سے کرو۔ گوری نہ ملے تو کالی سے کرو۔ کڑک نہ ملے تو بچوں والی سے کرو۔ مگر شادی کرو۔ پوچھو، کس لیے؟ اس لیے کہ پکی پکائی تو کھانے کو ملے گی۔ گھر گرستوں میں عزت ہوگی، باپ دادا کا نام چلے گا۔ دنیا کی آبادی جو پلیگ سے دن بدن کم ہوتی جاتی ہے اس کو بڑھانے کا ثواب پاؤ گے اور بڑی بات تو یہ ہے کہ آج ایک ہو شادی کے بعد دو اور ایک سال کے بعد تین دو سال کے بعد چار، پانچ، پھر چھ، پھر سات۔ غرض یوں ہی اکائی پر صفر بڑھتے گئے تو دو کی دہائی میں سات سے سترہ اور سترہ سے ستر ہوجائیں گے۔ لوگ دعا کرتے ہیں کہ الٰہی بھوکا اٹھائیو مگر بھوکا سلائیو نہیں۔ مگر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوندا کنوارا پیدا کیجیو مگر کنوارا ماریو نہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ مرزا چونگا! تم بڑے بدنصیب آدمی ہو۔ میں نے جب انصاف کی کسوٹی پر اُن کی بات گھس کر دیکھی تو سوچ کا سونا نکلا۔ کیونکہ میری بدنصیبی کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ ابھی میرے پیدا ہونے کی تیاری ہوری تھی کہ ہندوستان میں غدر ہوگیا۔ ماں کے پیٹ میں پڑتا تھا کہ ابا جان مسجد سے جوتا چرانے کے جرم میں چھ مہینے کے لیے جیل میں وظیفہ پڑھنے کے لیے بھیج دیے گئے۔ دنیا میں نازل ہوا تو بمبئی سے پلیگ اور مارواڑ سے قحط ہماری آمد کا نقارہ بجانے

کے لیے آموجود ہوئے۔ عمر میں بڑھنے لگا تو خاندان کے ممبروں کی تعداد گھٹنے لگی، اسکول میں داخل ہوا تو میری برکت سے، پہلے ہی سال سو میں سے ننانوے لڑکے فیل ہوگئے مر کھپ کر وکالت پاس کی اور کورٹ میں داخل ہوا تو اس روز سے کچہری کے بدلے لوگوں کے مقدمات پنچایت میں ہونے لگے۔ جو مہینے میں دس بیس روپے جھوٹ بول کر مل جاتے تھے، وہ بھی پنچوں کی بھینٹ ہوگئے۔ غرض کہ جس طرح پولیس کے رجسٹر میں نمبر دس کے بدمعاش ہوتے ہیں۔ اسی طرح قسمت کے رجسٹر میں میرا نام دس نمبر کے بدنصیبوں میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن ایک بات میں مجھے خدائی گورنمنٹ کے شکریے کا ریزولیوشن ضرور پاس کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ عورتوں کے معاملے میں میرا نصیب رستم کی طاقت، قارون کی دولت، سکندر کی سلطنت، لقمان کی حکمت، شیطان کی شہرت سے بھی پانچ جوتے بڑھ گیا ہے۔ پیدا ہوا تو عورت سے۔ دودھ پیا تو عورت کا۔ گود میں پلا تو عورت کی، ماں پائی تو عورت، جورو ملی تو عورت، غرض کہ ہندوستان میں رہوں یا ترکستان میں۔ چین میں جنم ہوتا یا جاپان میں لیکن زندگی گذری اور گذرے گی تو عورتوں کے پرستان میں، اور مرکر دفن بھی ہوں گا تو عورتوں کے قبرستان میں۔ رشک کرو یارو، میری قسمت پر رشک کرو۔ واہ واہ، کیا جورو ملی، تھوک بھرے ہوئے اگالدان کی طرح، سرخ و سپید، پاندان کی طرح بھاری بھرکم، پورٹ وائن کی بوتل کی طرح خوش رنگ، کباب کی طرح چٹپٹی، پاپڑ کی طرح نازک، دال کی طرح پتلی، ریوڑی کی طرح کڑاکے دار۔ جب گلے لگا کر ہمدردی ظاہر کرتی ہے تو بہن کا مزا ملتا ہے۔ جب گود میں بیٹھ کر میری داڑھی کے ساتھ کھیلتی ہے تو بیٹی کا لطف آتا ہے۔ تھپک تھپک کر سلاتی ہے تو ماں کی محبت کا ذائقہ حاصل ہوتا ہے اور جب کبھی ہنسی ہنسی میں میرے گھٹے ہوئے فرق داں کی چانٹوں سے تواضع کرتی ہے تو اباجان کی شفقت یاد آتی ہے۔ غرض جورو کیا ہے، خاندان بھر کا مجموعہ ہے۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیوی سے نہیں بلکہ میں نے اپنے خاندان بھر سے شادی کرلی۔ البتہ کوئی

شکایت ہے تو صرف اتنی کہ سمجھ الٹی اور مزاج بالکل سڑا ہوا پایا ہے۔ میں پورب چلنے کو کہتا ہوں تو وہ پچھم جاتی ہے میں برساتی لے چھیڑتا ہوں تو وہ بھیرویں اڑاتی ہے۔ میں اپنا ڈھول پیٹتا ہوں، وہ اپنی ڈفلی بجاتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ اپنے اڑھائی چاول کی کھچڑی الگ پکاتی ہے۔ ذرا میں نے تاؤ گرم کرنا چاہا تو جوش کھاتی ہوئی ہانڈی کی طرح اُبل کر منہ پر آجاتی ہے۔ خیر جی۔ کیا مضائقہ ہے۔ دنیا سدھر رہی ہے تو رفتہ رفتہ وہ بھی سدھر ہی جائے گی۔ پھول برسائے یا کانٹوں میں گھسیٹے۔ دھڑا دھڑ پیار کرے یا تڑاتڑ پیٹے۔ اس میں کسی کے باپ کا کیا اجارہ، جوتی ٹوٹے گی تو اس کی اور سر پھوٹے گا تو ہمارا۔

(بیوی زلفن کا آنا)

زلفن : اوئی ابھی تک تمھارا جنازہ یہیں دھرا ہوا ہے۔ میں سمجھی تھی کہ کسی چھکڑے یا بیل گاڑی میں لد کر عدالت میں پہنچ گیا ہوگا۔

مرزا چونگا : مگر بیوی، کوئی مقدمہ بھی پاؤں یا عدالت میں یوں ہی ٹہل اور کرسی کے ساتھ سر پھوڑنے جاؤں۔

زلفن : تو یہاں بیٹھے بیٹھے کیا کروگے؟

مرزا چونگا : کیا کروں گا؟ جس طرح وہاں بیٹھ کر مکھیاں مارتا ہوں، اسی طرح یہاں بھی جھک ماروں گا۔

زلفن : ارے میں پوچھتی ہوں کہ جب تمھیں مہینے بھر میں دو مقدمے بھی نہیں ملتے تو یہ وکالت پاس کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مرزا چونگا : یہ تو تمھیں میرے ابا جان سے جنھوں نے مجھے وکالت پر بھیجا پوچھنا چاہیے۔ کیا کہوں مرگئے بچا۔ نہیں تو داڑھی پکڑ کر دو دھول لگاتا اور پوچھتا کہ اے لائق بیٹے کے نالائق باپ، تو نے وکیل بنانے کے بدلے مجھے کوئی اور پیشہ کیوں نہیں سکھا دیا، کہ دن بھر کماتا اور شام کو دونوں کیسے بھرے ہوئے بے فکری کے اکتارے پر ملہار گاتا ہوا گھر آتا۔ اور بیوی کے پہلو

میں بیٹھ کر مونچھوں پر تاؤ چڑھاتا۔

زلفن : تو وکالت کیا پڑھائی گویا تمھارے باپ نے تمھارے ساتھ دشمنی کی؟

مرزا چونگا : بے شک۔ کیا کہوں بیوی! اللہ میاں دنیا میں بھیجتے وقت کسی کی مرضی نہیں دریافت کرتے۔ ورنہ میں ایسے نالائق باپ کے گھر میں کبھی پیدا ہی نہ ہوتا۔

زلفن : جب وکالت نہیں چلتی تو کوئی اچھی سی جگہ دیکھ کر ملازمت کیوں نہیں کر لیتے؟

مرزا چونگا : تو بیوی! کیا نوکری کہیں خیرات میں بٹا کرتی ہے کہ جاؤں اور مانگ لاؤں۔ آج کل ہزاروں بی اے اور ایم اے دس دس روپے کی نوکری کے لیے صیغۂ مال میں، اسپتال میں، ریل میں، جیل میں، ٹرام میں، گودام میں، تار میں، اخبار میں، شہر میں، نہر میں، مال کی سپلائی میں، محکمۂ صفائی میں، غرض نوکری کی ٹرائی میں، ساری خدائی میں، پیر میں چیتھڑے باندھے ہوئے ''برسو رام دھڑاکے سے۔ بڑھیا مرگئی فاقے سے'' کی صدا لگاتے، ایک ایک سے خوشامدیں کرتے، سفارش لے جاتے ہیں، اپنی لیاقت کا سارٹیفکٹ اور باپ دادا کے شجرے پڑھ کر سناتے ہیں اور اس پر بھی ''گو، یو فول'' یا ''نو ویکنسی'' کہہ کر دھتکار دیے جاتے ہیں۔

زلفن : پھر؟

مرزا چونگا : ہم تو اُس وقت نوکری کریں گے جب نوکر رکھنے والا دو گھوڑوں کی گاڑی لے کر ہمارے دروازے پر آئے۔ ناک پر انگلی رکھ کر گڑگڑائے۔ ''آپ انتظام نہ کریں گے تو دنیا کا دیوالہ نکل جائے گا''۔ یہ الفاظ زبان پر لائے۔ کام کروں یا نہ کروں تنخواہ انتیسویں دن گھر آکر دے جائے۔ دور سے پیشگی رقم بھی دکھائے اور ساتھ میں تمھاری سفارش بھی پہنچائے۔ اس پر بھی جب میں سانڈ کی طرح سر ہلا کر 'اونھ' کہوں تو وہ دھڑام سے قدموں پر گرجائے جس الو کے پٹھے کو یہ شرطیں منظور ہوں، اس کی نوکری کو بندہ تیار ہے۔ ورنہ یہاں تو تمھاری نوکری سے فرصت ملنا دشوار ہے۔

(مرزا چونگا اور زلفن کا گانا)

مرزا چونا :بیوی ملی ہے مجھے کیسی چٹخارے دار
زلفن : میاں ملا ہے مجھے کیا ہی مزے دار
ایک توے کی روٹی دونوں کیا چھوٹی کیا موٹی
مرزا چونا : ۔ تیرا میرا جوڑ ہے جیسے دھوتی اور لنگوٹی
زلفن : تو جگنو۔ میں بیر بہوٹی۔
مرزا چونا :ارچھی۔ برچھی۔ بلم۔ تلم۔
ہر دم لڑنے کو تیار
بیوی ملی ہے مجھے کیسی چٹخارے دار
زلفن : میں کھاکھرا پلٹن کی میجر اور تم صوبے دار
میاں ملا ہے مجھے کیا ہی مزے دار۔

(مرزا چونا کا جانا۔ اندر سے گھڑی کی آواز آنا اور زلفن کا گنتا)

زلفن : ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ نو۔ دس۔ گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ۔ چودہ۔ پندرہ۔ سولہ۔ سترہ۔ اٹھارہ۔ اررر کم بخت گھڑی کو کیا ہوگیا۔ بجتی ہی جاتی ہے۔

(زیک کا ڈنڈا ٹیکتے ہوئے آنا)

زیک : ہت تیرے کی۔ سچ کہا ہے کہ چمار کے دیوتا کو چپل کی پوجا چاہیے۔ لاتوں کا بھوت کہیں باتوں سے مانتا ہے۔ ٹک ٹک، ٹک ٹک، ٹک ٹک کیے جاری تھی۔
زلفن : ارے زیک ۔ او زیک۔
زیک : ٹک ٹک، ٹک ٹک، ٹک ٹک
زلفن : ارے او ٹک ٹک کے بچے۔ ادھر دیکھ۔
زیک : کون؟ بیگم صاحبہ۔ مجھ سے دور رہیے۔ ورنہ چوٹ کر بیٹھوں گا۔ مجھے اس وقت ہر طرف خون ہی خون نظر آتا ہے۔ میرا ہاتھ ڈنڈے پر تھرتھراتا ہے۔

زلفن : تو کیا ڈنڈے سے اپنا سر پھوڑے گا؟

زیلک : اپنا سر پھوڑنے کی کیا ضرورت؟ کیا اوروں کے سر موجود نہیں ہیں؟

زلفن : مگر تو خارشتی کتے کی طرح اس وقت بوکھلایا ہوا کیوں ہے؟ ہوا کیا؟

زیلک : ہوا کیا؟ جب تڑ سے ڈنڈا جمایا تب مزاج ٹھکانے پر آیا۔

زلفن : ارے موے جانگلو۔ کس کا مزاج ٹھکانے پر آیا۔

زیلک : اسی بدتمیز گھڑی کا۔ جو دیوان خانے میں شیشے کے کباٹ میں رکھی ہوئی ہے۔

زلفن : وہی بڑی گھڑی جو ایک ہفتہ ہوئی ڈیڑھ سو روپے کی خریدی تھی؟

زیلک : آپ نے ڈیڑھ سو روپے اس کی قیمت لگائی، جب ہی تو اس کا مزاج بگڑ گیا۔ سمجھنے لگی کہ ڈیڑھ سو روپے والی کو پانچ روپے کے نوکر کا حکم ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

زلفن : مگر تو نے کیا کیا؟

زیلک : سنیے۔ آپ کا قیمہ بنانے کے بعد ذرا کمر سیدھی کرنے کے لیے جس طرح آپ کی کرسی کے پاس آپ کی کتیا لیٹی رہتی ہے، دیوان خانے میں لڑھک گیا۔ اب گھڑی نے جو دیکھا کہ میں آرام سے لیٹا ہوا خراٹے لے رہا ہوں تو جل گئی۔ اور میری نیند خراب کرنے کے لیے ٹک ٹک کرنے لگی۔ میں نے کہا بھئی ذرا چپ بیٹھ، میں سوکر اٹھوں تو پھر جی بھر کے ٹک ٹک کرلینا۔ مگر اس نے داد بھی نہ دی۔ پھر کہا کہ مان جا۔ اس پر بھی وہ اپنا چرخا چلاتی رہی۔ آخر اُٹھ کر ہاتھ جوڑے، پھر بھی بے وقت کی شہنائی بجاتی رہی۔ آخر پاؤں پڑا، ناک رگڑی، اس کو خوش کرنے کے لیے تھرک تھرک کر ناچا گایا۔ اتنی خوشامد پر بھی جب اُس کی سمجھ میں نہ آیا تو پھر تو میرا حرام مغز اُدھر سے پھر کر ادھر آگیا۔ اور وہ تان کر ڈنڈا رسید کیا کہ کم بخت کا بھیجا پھٹا گیا۔

زلفن : اررر۔ کیا تو نے اسے ڈنڈا رسید کیا؟

زیلک : جی ہاں۔ ڈنڈا۔ اگر ڈنڈا سے کام نہ چلتا تو پھر جوتوں سے خبر لیتا۔

زلفن : ارے وحشی۔ جب تو وہ چورا چورا ہوگئی ہوگی۔

زیٹک : جی ہاں۔ مگر کم بخت کی بے شرمی تو دیکھیے کہ ڈنڈا کھا کر چپ ہونے کے بدلے اور زیادہ ٹک ٹک کرنے لگی۔

زلفن : ارے موے! کیا گھڑی کے بھی کان ہوتے ہیں۔ جو تیری آواز سنتی اور چپ ہوجاتی۔

زیٹک : کان نہیں ہوتے تو آپ روز چابی ڈال کر مروڑا کیسے کرتی ہیں؟

زلفن : خدا تیرا بیڑا غرق کرے۔ موے! تو نے میری ڈیڑھ سو کی بھلی چنگی گھڑی کا ستیاناس کردیا۔

زیٹک : بیگم صاحب! آپ گھبرایئے نہیں، گھڑی کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ صرف کمانی ٹوٹ گئی، چکر بگڑ گیا، شیشہ چور چور ہوگیا۔ اور اس کے اندر کا پنڈولم جو ہاتھی کی سونڈ کی طرح ہر وقت ہلا کرتا تھا، کھٹ سے الگ ہوگیا۔ باقی اور سب طرح خیریت ہے۔

زلفن : لو سنو۔ موے نے گھڑی کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیے اور پھر کہتا ہے، سب طرح خیریت ہے۔ نکل یہاں سے الّو۔ جیسے ہمارے میاں گدھے ہیں ویسا ہی نوکر بھی اپنے جیسا گدھا ڈھونڈ کر رکھا۔ موا۔ سڑی۔ دیوانہ! نہ بات کرنے کا ہوش، نہ کام کرنے کا ٹھکانہ۔ زمین کی پوچھو تو آسمان کی بتانا۔ آم منگاؤ تو املی لانا۔ دن بھر اپنی بیوقوفیوں سے پریشان کرتا ہے۔ آئے دن ایک نہ ایک چیز کا نقصان کرتا ہے۔

(زلفن کا جانا)

زیٹک : (پبلک سے) ہائے ہائے۔ اس شہر میں کوئی عقل مند اور لائق آدمی کا قدر داں نہیں ہے۔ میں اچھا کرتا ہوں تو بُرا بتاتے ہیں۔ نیکی کرتا ہوں تو بدی سے پیش آتے ہیں۔ شیش محل والے نواب چھنگن کے یہاں نوکر تھا تو وہاں اس سے بڑھ کر ناقدری ہوئی۔ ایک روز نواب صاحب نے آواز دی کہ ابے او انسان نما جنگلی بھالو۔ تو میں نے کہہ دیا کہ جناب آلو۔ انھوں نے

کہا کہ یہاں آؤ۔ میں نے کہا۔ حاضر ہوں فرماؤ۔ انھوں نے کہا کہ میں سوتا ہوں تم رومال سے مکھیاں اُڑاؤ۔ میں نے کہا۔ بہت خوب۔ بے فکر ہوکر سو جاؤ۔ انھوں نے خراٹے بھرنا اور میں نے پنکھا جھلنا شروع کردیا۔ اتنے میں چار پانچ مکھیاں کہیں سے بھنبھناتی ہوئی آئیں۔ اور نواب صاحب کی ناک پر بیٹھ گئیں۔ میں نے بے ادبی دیکھ کر ان کو حکم دیا کہ چلی جاؤ۔ نہیں گئیں۔ میں نے ڈانٹا کہ اُڑ جاؤ۔ نہیں اڑیں۔ آخر میں نے ذرا دھکا کر اُڑایا۔ مگر خدا جانے نواب صاحب کی ناک میں کون سی مٹھاس یا نجاست لگی ہوئی تھی کہ وہ پھر چاٹنے آئیں۔ پھر اُڑا دیا۔ پھر آئیں۔ آخر میں نے کہا کہ دیکھو۔ میں تین دفعہ معاف کرچکا ہوں۔ اب چوتھی بار آؤگی تو ضرور میرے ہاتھ سے مار کھاؤگی۔ اس پر بھی جب انھوں نے ناک کا پیچھا نہ چھوڑا، تو مجھے غصہ آیا۔ اور جیسے ہی نواب صاحب کی ناک پر آکر دوبارہ بیٹھیں کہ میں نے دَن سے سونٹا جمایا۔ مگر قسمت تو دیکھو کہ نواب صاحب 'اوہ میری ناک' کہہ کر چلائے اور شاباشی دینے کے بدلے الٹا مجھے لاتیں مار کر دروازے کے باہر نکال دیا۔ اب یارو۔ اگر دنیا میں انصاف ہے تو بتاؤ اس میں میرا کیا قصور تھا؟ تم یہ کہوگے کہ نواب صاحب کی ناک ٹوٹی۔ میں کہوں گا کہ ہاں بابا ٹوٹی۔ مگر مکھیوں کی معیت سے تو جان چھوٹی۔

(سب کا جانا)

باب پہلا —— سین پانچواں

افضل کا مکان

(پروین کا افضل کے فراق میں بے قرار نظر آنا)

پروین : (گاتا) بگیا مالی بنا سرمائے
پیا بن پھول پات مرجھائے۔ بگیا....
آؤ تم میرے سکھ کے باسی
تم بن جیارا جائے۔ بگیا....
دن کو نکلیں سوریہ دیوتا۔
دیں جگ بھر اُجیارا رے
پیا مرے پردیس سدھارے
گھر گھر بھیو اندھیار رے۔ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ بگیا....

(تحسین کا آنا)

پروین : (تحسین کو دیکھ کر) کون؟ تحسین؟ وہ ملے؟ وہ آئے؟ وہ لوٹے؟ ؎
تسکین پائے دل، خبر ایسی شتاب دو
ان سب کا ایک لفظ میں مجھ کو جواب دو

تحسین : ؎

در بہ در کوچہ بہ کوچہ، ہوس خام پھری
ہر جگہ مجھ کو لیے کوشش ناکام پھری

کبھی گھر میں، کبھی بالائے در و بام پھری
چپے چپے پہ زمیں کے بصد آلام پھری
اتنی محنت کا صلہ حیف ذرا بھی نہ ملا
وہ کہاں، ان کا نشانِ کفِ پا بھی نہ ملا

پروین : ۔

دل میں چھری، کلیجے میں خنجر اُتار دو
تلوار لاؤ اور مرا سر اُتار دو
دنیا ملی جو مجھ کو مرا مہ جبیں ملا
سب کچھ کہو، پہ یہ نہ کہو، وہ نہیں ملا

(افضل کا آتے ہوئے نظر آنا)

تحسین : یہ کون؟ ہاں ہاں وہی۔ بے شک وہی۔

(افضل کا پستول لیے اور گھبرائے ہوئے آنا)

پروین : میرے پیارے۔ تم منیر کے پیچھے بھاگتے ہوئے کہاں گئے تھے؟ کہاں رہے؟ جواب دو۔ یا خدا۔ تم تو کانپ رہے ہو۔ صورت سے مہینوں کے بیمار معلوم ہوتے ہو۔

(پروین کا افضل کی طرف بڑھنا)

افضل : دور رہو۔ مجھے نہ چھوؤ۔ میں گناہ کی قے، نجاست کا متحرک ڈھیر، غلاظت کا بولتا ہوا پُتلا ہوں۔ ۔

اگر رہنا نہ ہو دنیا میں خواری اور زبونی سے
تو مت نزدیک آ، ڈر، بھاگ اس جلاد خونی سے

پروین : خونی! تم خونی؟ خون۔ کیا تم نے کیا؟ کب کیا؟ کہاں کیا؟ کیسے کیا؟ کس کا کیا؟

افضل : ـ

زائل ہوئی دماغ کی قوت شراب سے
قدرت نے نور چھین لیا آفتاب سے
یوں مٹ گئی ہے حافظے سے واقعے کی یاد
جس طرح حرف چھیل دے کوئی کتاب سے

تحسین : حضور! دل ٹھہرایئے، بیٹھ جایئے۔ اطمینان اور سہولت کے ساتھ رات کے ناشدنی واقعات کو یاد فرمایئے۔ ـ

سوچتا رہتے سے تاریکی ہٹاتا جائے گا
رفتہ رفتہ روشنی میں سب کچھ آتا جائے گا

افضل : میں پستول ہاتھ میں لیے ہوئے، منیر کو جگہ بہ جگہ تلاش کرتا ہوا، اس کے مکان میں داخل ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اپنے بچاؤ کے لیے مجھ سے لپٹ پڑا۔ ہم دونوں آپس میں گتھ کر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنے لگے۔ ایکا ایکی کسی ناگہانی صدمے سے میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا ہو گیا۔ میں لڑکھڑایا اور چکر کھا کر منھ کے بل زمین پر گر گیا۔ جب ہوش میں آیا تو میں نے اپنے حریف کو اپنے سامنے مُردہ پایا دیکھو دیکھو! وہ مجھے گھور رہا ہے۔ پناہ دو۔ مجھے پناہ دو۔ مگر نہیں۔ مجھ جیسے قاتل، سرکش، خدا اور قانون کے باغی کے لیے کہیں پناہ نہیں ۔ ـ

مٹا کریں رہے گا جرم، نفرت آفریں مجھ کو
نظر آتی نہیں اب چین کی صورت کہیں مجھ کو
ہوے دنیا و دیں غارت، بنے دونوں جہاں دوزخ
اِدھر پھانسی، اُدھر لعنت، یہاں موت اور وہاں دوزخ

پروین : یہ لفظ مجھے دیوانہ کردیں گے۔ میرے پیارے، اتنے مایوس نہ ہو۔ بولو بولو، تمھارے بچاؤ کے لیے میں کیا کرسکتی ہوں؟

افضل : افسوس کے سوا اور کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر میں صبح ہوگی۔ پولیس ہتھکڑی اور

وارنٹ لے کر میرے لیے آتی ہوگی۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس میرا نام لے کر دروازہ کھٹکھٹاتی ہوگی۔ ۔

کرن سورج کی لے کر موت کا پیغام آتی ہے
سحر آتی نہیں یہ زندگی کی شام آتی ہے

پروین : اگر ایسا ہو تو موجودہ وقت اور قسمت کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھاؤ۔ مجھ نصیب جلی کو خدا کے حوالے کرکے خفیہ لباس پہن کر پولیس کی نظروں سے بچتے ہوئے فوراً کسی طرف نکل جاؤ۔ ۔

خدا کو ناخدا سمجھو، چلو اس کے سہارے پر
لگا دے گا وہی طوفان میں بیڑا کنارے پر
بھروسا گر رکھے گی جان محزوں چشم نم اس کا
اندھیری رات میں مشعل دکھائے گا کرم اس کا

افضل : مگر جاؤں تو کہاں جاؤں؟ بدبو اور گناہ جہاں ہوں گے، ظاہر ہو جائیں گے۔

تحسین : میرے آقا۔ کیا اپنے بوڑھے خادم کی بھی ایک بات سنیں گے اور سننے کے بعد وقت اور مجبوری کا لحاظ کرکے اس پر عمل کریں گے؟

پروین : کہو کہو۔ اچھے تحسین! کوئی ایسی بات کہو کہ جس سے میرے پیارے کی زندگی بچ سکے۔ جلدی کہو۔ ۔

دو تسلی اور دعائے خاطر ناکام لو
وقت ہے امداد کا، گرتا ہوا گھر تھام لو

تحسین : بانو! تم جانتی ہو کہ میرا باپ، ماں، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی کوئی نہیں ہے۔ میں اس دنیا میں اس سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہوں جس کے پھول پتے زمانے کی ہوا سے جھڑ گئے ہوں اور وہ میدان میں اکیلا کھڑا ہوا اپنے آخری دن کا انتظار کر رہا ہو۔

پروین : کیا مطلب؟

تحسین : میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے دنیا کے رنج و خوشی سے اپنا پورا حصہ لے لیا۔ اب دنیا مجھ سے اور میں دنیا سے سیر ہو چکا ہوں۔ جیتا رہا تو اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا اور مر گیا تو اس کو کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔

افضل : اس لیے؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟

تحسین : کپڑے اتاریے، لہو میں ڈوبے ہوئے ہاتھ دھو ڈالیے اور پستول مجھے دیجیے۔ جب پولیس گرفتاری کی غرض سے یہاں آئے گی، اس وقت میں زندگی سے بیزار ایک مجرم کی طرح قبول کروں گا کہ میں منیر کا قاتل ہوں۔ ـــ

آؤ اور لو انتقام جرم میری ذات سے
جو کیا میں نے کیا، جو کچھ ہوا اس ہاتھ سے

پروین : کیا۔ ان کے گناہ کا کفارہ تم ادا کرو گے؟

افضل : میری جان کے لیے تم اپنی جان دو گے؟

تحسین : ہاں ہاں۔ میں آپ کے الزام کا تمام بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھاؤں گا۔ آپ کے گھر میں پرورش پا کر، آپ کا نمک کھا کر، آج بھی کام نہ آیا تو اور کس دن کام آؤں گا۔ ـــ

قطرہ آب کو ہم رتبہ گوہر سمجھا
اپنے دکھ سکھ کا شریک اپنے برابر سمجھا
بلکہ سچ یہ ہے کہ اس سے بھی فزوں تر سمجھا
غیر تھا، تم نے مگر اپنوں سے بڑھ کر سمجھا
میں ہر اک وار کو روکوں گا سر اور سینے پر
تم مرو اور میں جیوں شرم ہے اس جینے پر

افضل : تحسین! کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے؟ ـــ

تیری قربانی کروں اپنی بری تقدیر پر
بے گنہ کو بھینٹ دوں جرم گریباں گیر پر

کیا وفاداری کا دنیا میں یہی انعام ہے
ایسی خود غرضی، کمینے، پاجیوں کا کام ہے

تحسین : میرے آقا! فی زمانہ انسان کی عمر کا اوسط تیس چالیس سال سے زیادہ کا نہیں ہے اور میں ساٹھ پورے کر چکا ہوں۔ اگر دو چار برس اور جیا اور پھر مرگیا تو وہ مرنا رنج و افسوس کے ساتھ ہوگا۔ مگر آج کا مرنا میرے لیے اس دنیا میں باعثِ عزت ہوگا اور اُس دنیا میں وسیلۂ نجات ہوگا۔ ـ

جس کی چمک ہے چند گھڑی وہ شرر ہوں میں
پامال سا نشان سر رہ گذر ہوں میں
دھوکا ہے میری زیست فریب نظر ہوں میں
کیا غم جو بجھ گیا کہ چراغ سحر ہوں میں
ہونا ہے جو ضرور وہ پھر کیا ابھی سہی
مرنا ہی ہے تو کل نہ سہی آج ہی سہی

افضل : نہیں تحسین! ایک گنہ گار کے لیے ایک بے گناہ سزا برداشت کرے، یہ بات نہ خدا قبول کرتا ہے اور نہ میں۔ ـ

جیوں یا دب کے مرجاوں، یہ بوجھ اپنا نہ بانٹوں گا
مرے اعمال کے پھل ہیں، جو بویا ہے سو کاٹوں گا

پروین : میرے سرتاج! باتوں میں وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جتنا جلد ہوسکے اس خطرناک حالت سے باہر نکل جاؤ (تحسین کو روتے دیکھ کر) نہ رو۔ رونے کے لیے ساری زندگی پڑی ہے۔ جاؤ بھیس بدلنے کا سامان لاؤ۔

(تحسین کا بھیس بدلنے کے لیے سامان لانے جانا)

افضل : آہ! شرابی، جواری، دنیا کے بدترین آدمی، یہ تو نے کیا کیا؟ ـ

خدا نے آنکھ بھی دی تھی، دماغ بھی تجھ کو
اندھیرا تھا تو ملے تھے چراغ بھی تجھ کو

جو بچ کے چلتا تو کیوں ٹھوکروں کا رونا تھا
مگر نصیب کو بیڑا ترا ڈبونا تھا

(افضل کی لڑکی بانو کا آنا)

بانو : امی! کیا ابا جان ابھی تک نہیں آئے؟ وہ ایک تو گھر نہیں آتے ہیں۔ پھر روز میری اچھی امی کو رلاتے ہیں۔ اچھا اب آئیں تو دیکھنا، ان پر کیسی خفا ہوتی ہوں۔

افضل : میرا ننھا فرشتہ۔ تو ابھی تک جاگ رہا ہے۔

بانو : ارے یہ تو یہیں ہیں۔ لباّ جان! تم گھر نہیں آتے ہو۔ روز میری امی کو رلاتے ہو۔ جاؤ میں تم سے کبھی نہیں بولوں گی۔

افضل : میری گلاب کی پنکھڑی! مجھے معاف کر۔ یہ نالائق باپ اب اپنے ناز برداروں کو کبھی تکلیف نہ دے گا۔

(افضل کا آنسو بہانا)

بانو : ارے تم روتے کیوں ہو؟ میں کبھی نہ بولوں گی۔ کیا یہ کہنے سے خفا ہوگئے۔ نہیں۔ نہیں نہ رو لباّ جان۔ میں تم سے ضرور بولوں گی۔

افضل : بیٹی! ؎

وہ آنسو اب کہاں طوفاں دکھائے چشم تر جن سے
یہ دو ناسور ہیں، بہتا ہے خوں ہوکر جگر جن سے

بانو : ---میرے اللہ ---- پھر روئے جاتے ہو؟ تحسین لباّ۔ اچھا ہوا تم آگئے۔ دیکھو ابا رو رہے ہیں۔ انھیں سمجھاو نا۔

(تحسین کا آنا اور افضل کا بھیس بدلنا)

تحسین : میرے آقا! جب تک خدا پردیس میں گذر ان کا کوئی وسیلہ نہ پیدا کردے، اس وقت تک ضرورت پر خرچ کرنے کے لیے آپ کے ساتھ کچھ رقم ضرور

ہونی چاہیے۔

افضل : مگر غریبی اور ناداری کے سوا میرے شراب اور جوے نے اس گھر میں اور کیا باقی رکھا ہے، جسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں؟

تحسین : خداوند نعمت! جس کو برسات کی آمد کا خوف ہوتا ہے وہ پہلے سے چھتری کا انتظام کرتا ہے چونکہ میں جانتا تھا کہ جوانی کے بعد ایک روز ضعیفی آئے گی۔ ہاتھ پاؤں کا کس اور محنت کرنے کی طاقت جواب دے جائے گی۔ اس خیال سے میں نے بڑھاپے کی مصیبت سے بچنے کے لیے اپنی جوانی کی کمائی سے تھوڑی تھوڑی رقم بچانا شروع کر دی تھی۔ وہ تمام رقم جو آپ ہی کی بخشی ہوئی ہے، آج آپ کا غلام آپ کی نذر کرتا ہے۔

میں کیا ہوں جو خدمت کروں کچھ دام و درم سے
یہ ہیں وہی ٹکڑے جو چنے خوانِ کرم سے

(افضل کو ایک تھیلی دینا)

افضل : آہ! تحسین! تحسین! جس طرح میرے پاس خرچ کرنے کے لیے روپے نہیں ہیں۔ اسی طرح میرے پاس وہ الفاظ بھی نہیں ہیں کہ جن سے میں تیری وفاداری اور عالی ہمتی کا شکریہ ادا کرسکوں۔ دنیا میں ہزاروں آدمی ایک دوسرے کی نوکری کرتے ہیں۔ مگر صرف تن ڈھانکنے اور پیٹ پالنے کے لیے۔ اور دوسرے کی جیب میں چھید کرکے پیسے نکالنے کے لیے۔ مگر خود غرض دنیا میں ایک تو ہی ہے جو مالک کی مصیبت کو اپنی مصیبت جانتا اور اس پر جان و مال نثار کر دینا اپنا پہلا فرض سمجھتا ہو۔

زمین والوں میں اپنی نیکیوں سے ہے یکتا
تجھے صورت میں انساں اور سیرت میں ملک پایا

تحسین : میرے آقا! آپ کا خادم نمک خواری کے میدان میں ایک جاں نثار سپاہی کی حیثیت سے ادائے فرض کے ہتھیار باندھ کر اترا ہے۔ جب تک اس جنگ

میں پوری فتح حاصل نہ کرلے اس وقت تک تعریف کا حق دار نہیں۔ کیونکہ حادثات اور واقعات سے متاثر ہونے والے انسان کے ارادے اور نیت کا اعتبار نہیں۔

افضل : تحسین ادھر آ! اس غریب عورت اور اس معصوم بچی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے۔ میں ان دونوں بدنصیبوں کو جو یقیناً میرے بعد غریبی اور فاقے کا شکار ہونے والے ہیں، آسمان پر خدا کو اور زمین پر تجھ کو سپرد کرتا ہوں۔ ۔

سہارا تو ہے، سر کی ڈھال تو ہے، داد رس تو ہے
اب ان کا باپ، ماں، بھائی، بہن جو کچھ ہے بس تو ہے

تحسین۔ میرے آقا! آپ تسلی رکھیے۔ ۔

میں اس چمڑے کی ان کے واسطے جوتی بناؤں گا
میں ان کے واسطے اک اک کے آگے گڑگڑاؤں گا
میں مزدوری کروں گا، دکھ سہوں گا بوجھ اٹھاؤں گا
میں جھڑکی، لات، جوتے، گالیاں دنیا کی کھاؤں گا
میں ان کا پیٹ خالی اور لب سوکھا نہ رکھوں گا
میں خود فاقے کروں گا اور انھیں بھوکا نہ رکھوں گا

افضل : پروین! آخری ملاقات۔ (بچی سے) میری خوشی اور محبت کا سرمایہ۔ آخری پیار۔

پروین : افضل! اب تسلی دینے والا چہرہ کب دکھائی دے گا؟ یہ پیاری آواز کب سنائی دے گی؟

افضل : جب خدا کی مرضی ہوگی۔

بانو : امی! ابا کہاں جارہے ہیں؟ (افضل سے) ابا جان! تم کہاں جاتے ہو؟

افضل : میری بچی۔ میرے کلیجے کا ٹکڑا۔ ۔

تری خوبی، تری عزت، ترا اقبال دونا ہو
تو اوروں کے لیے دنیا میں نیکی کا نمونہ ہو

(افضل کا منہ پھیر کر چلے جانا)

پروین : گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے گیا۔
بانو : تحسین ابا! ابا جان کہاں چلے گئے۔
تحسین : او خدا! یہ دیوانہ بنانے والی حالت کن آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے؟

(تحسین کا رونا)

بانو : ارے تم بھی رونے لگے؟ یا میرے اللہ یہ کیا ہے؟ آج سب لوگ رو رہے ہیں۔ تحسین ابا نہ رو۔ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ارے تم بولتے نہیں؟ (پروین سے) امی۔ امی۔
پروین : گھنٹے بھر کے بعد دنیا میں صبح ہوگی۔ مگر میری دنیا میں کبھی سویرا نہ ہوگا۔ ؎

یہ تیرگی بخت سدا ساتھ رہے گی
اب آٹھ پہر میرے لیے رات رہے گی

(دروازے پر دستک کا سنائی دینا)

تحسین : یہ کون؟ کس کی آواز؟ پروین! اٹھو۔ ہمت پکڑو۔ ہمارے ضبط و استقلال کے امتحان کا وقت آپہنچا۔
پروین : (گھبرا کر) کیا پولیس آگئی؟
تحسین : مجھے یہی اندیشہ ہے۔ چہرے سے گھبراہٹ کی علامت دور کرو۔ اور اس طرح ہو جاؤ، گویا ہمیں خبر نہیں۔ میں بانو کو کمرے میں سلا کر آتا ہوں۔
پروین : اے خدا! میرے حال پر رحم کر ـــــ مجھے مدد دے کہ میں پوری طاقت سے آنے والی مصیبت کا مقابلہ کر سکوں۔ (ظاہرا) کون ہے؟
اسد : دروازہ کھولو۔

پروین : آپ کون صاحب ہیں؟

اسد : میں ہوں اسد۔

پروین : کیا ہے؟ کیونکر آنا ہوا؟

اسد : پروین! مجھے معاف کرنا کہ میں تمھاری نیند میں خلل انداز ہوا۔ افضل گھر ہی میں ہے نا؟

پروین : (کواڑ کھول کر) کیوں ان سے کیا کام ہے؟

اسد : میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔

پروین : اس وقت؟

اسد : ہاں۔

پروین : اتنی رات گئے۔

اسد : ہاں۔

پروین : اس وقت وہ سورہے ہیں۔ مہربانی کرکے صبح کو آؤ۔ میں اٹھتے ہی انھیں تمھارے آنے کی اطلاع دوں گی۔

اسد : مگر میں جس کام کے لیے آیا ہوں۔ وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ اسی وقت ملاقات کروں۔

پروین : وہ کون سا ایسا کام ہے۔ کیا مہربانی کرکے مجھے بتا سکتے ہو؟

اسد : پروین! خدا تمھیں برداشت کا حوصلہ دے۔ میں تمھارے افضل کو خون کے جرم میں گرفتار کرنے آیا ہوں۔

پروین : افضل نے خون کیا؟

اسد : ہاں۔

پروین : کس کا؟

اسد : منیر کا۔

پروین : کب؟

اسد : آج رات کو۔

پروین : کہاں؟

اسد : اس کے گھر میں

پروین : جھوٹ ہے۔

اسد : سچ ہے۔

پروین : بالکل ناممکن ہے۔ میرا افضل ایسا کام کبھی نہ کرے گا۔

اسد : واقعات نے اس کے خلاف اتنے ثبوت مہیا کر دیے ہیں کہ مجھے مجبوراً تمھارے جواب میں ہاں کرنا پڑتا ہے۔

پروین : میں پھر کہتی ہوں کہ تمھیں دھوکا دیا گیا ہے۔

اسد : شاید ایسا ہی ہوگا۔ جاؤ انھیں میرے آنے کی اطلاع دے دو (کچھ ٹھہر کر) ہیں! کھڑی ہو؟ نہیں جاتیں؟ کیا تمھاری یہ مرضی ہے کہ میں خود تلاش کروں۔

پروین : بھائی اسد! حقیقت یہ ہے کہ وہ آج ایک دوست کے یہاں دعوت میں گئے ہیں اور ابھی تک وہاں سے.....

اسد : پہلے کچھ کہا اور اب کچھ کہتی ہو، سمجھا۔ شاید وہ میرے پہنچنے سے پیشتر یہاں سے نکل گیا۔

پروین : نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں۔

اسد : ضرور یہی بات ہے۔ اب مجھے کتے کی طرح جگہ جگہ کی بو سونگھ کر اُس کی کھوج لگانا ہوگی۔ اچھا۔ سلام۔

پروین : بھائی اسد۔ ٹھہرو۔ بیٹھو۔ مہربانی کرو۔ (اسد سیٹی بجانا چاہتا ہے۔ پروین روکتی ہے) ارے یہ تم کیا کر رہے ہو؟

اسد : میں سیٹی بجا کر باہر کھڑے ہوئے سپاہیوں کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ وہ بکھر کر ناکہ ناکہ گھیر لیں اور اس کے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیں۔

پروین : (عاجزی سے) دیکھو! تم افضل کے دوست ہو۔

اسد : دوستی اور نوکری ایک ساتھ نہیں نبھ سکتی۔ (پستول دیکھ کر) یہ کیا؟ پستول؟

پروین : خبردار! اسے وہیں رہنے دو۔ اسے ہاتھ لگانے کا تمھیں کوئی حق نہیں ہے۔

اسد : پروین! یہ طمنچہ، جس سے یقیناً منیر کا خون ہوا ہے، نہ بھی ملے تو بھی

میرے پاس افضل کو مجرم ثابت کرنے کے لیے پچاسوں ثبوت موجود ہیں۔ اس لیے مقابلے کا خیال چھوڑ دو اور مجھ پر ایک دوست کی طرح بھروسا کرکے جو کچھ گذرا ہے، صاف صاف کہہ دو۔

پروین : (خود سے) کیا یہ سب کچھ کہہ دوں؟ کیا یہ انسانیت کے فرض کو نوکری کے فرض سے مقدم سمجھے گا؟

اسد : پروین! میرا اعتبار کرو۔ ممکن ہے کہ میں تمھاری مدد کر سکوں۔ کیا واقعی افضل بھاگ گیا؟

پروین : ہاں ہاں، وہ بھاگ گیا۔ وہ چلا گیا۔ خدا کے لیے اس کی مدد کرو، جانے دو۔ اپنے جان و مال کے صدقے میں اُسے اپنی جان بچانے دو۔

اسد : میں اسے بچاؤں گا۔ بھاگنے میں مدد دوں گا اور یہاں سے نکل جانے کے بعد چین و آرام سے بیٹھوں گا۔

پروین : وہ جئیں اور بچ جائیں۔ میں صرف اتنا ہی چاہتی ہوں۔

اسد : جو چاہتی ہو وہی ہوگا۔ مگر پہلے یہ سن لو کہ ہر انسان کے سینے میں ایک دل ہوتا ہے اور ہر دل میں ایک آرزو ہوتی ہے۔ افضل سے شادی ہونے سے پیشتر میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ میں تمھیں اپنی بیوی کہہ کر پکاروں۔ مگر میں اس محبت کی بازی میں ہار گیا۔ اور وہ اپنے جوڑ توڑ سے بازی مار گیا۔ اب قسمت نے مجھے دوسرا موقع دیا ہے۔ اگر تم اپنے حُسن کے باغ سے پھول چننے کی اجازت دے سکتی ہو تو میں ہر طرح مدد کو تیار ہوں۔

پروین : ورنہ؟

اسد : اپنا فرض بجا لانے کے لیے لاچار ہوں۔

پروین : او نیچ، ذلیل، بدمعاش، دور ہو۔ ایک عورت کو لاچار، مصیبتوں میں دیکھ کر دھمکاتا ہے۔ اس کی بے کسی اور بے بسی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

کوئی عزت باختہ یا ویشیا سمجھا ہے تو
کیا سمجھ کر بول اٹھا مجھ کو کیا سمجھا ہے تو

جوش دکھلانے سے پہلے ٹھوکریں کھا کر گئے
تیرے جیسے کتنے کتے آئے بھونکے، مر گئے

اسد : یہ جواب؟

پروین : ہاں۔

اسد : ہاں؟

پروین : ہاں ہاں۔ میں نے پہلے بھی تجھے ایک نجس کتا سمجھ کر ٹھوکریں ماری تھیں اور اب بھی نجاست کا ڈھیر سمجھ کر تجھ پر تھوکتی ہوں۔

اسد : پروین! ہوش کر۔ اپنی خبر لے۔

پروین : جا، جا۔ جو تجھ سے ہو سکے، کر لے۔

اسد : تو کیا انکار ہے؟

پروین : ایک نہیں، سو بار۔ اور تیری سرکار طرف دار ہے تو میرا خدا مددگار ہے۔ ۔

دم بھر میں غرق ہوگا جور و ستم کا بیڑا
پچھتائے گا جو تو نے اس کے غضب کو چھیڑا
کر دے گی دفن قدرت خاکستر فنا میں
پانی کے بلبلے تو اڑتا ہے کس ہوا میں

اسد : خیر تو اگر اپنی ضد ہی پر اڑی ہے تو دیکھ لینا کل صبح ہی تیرا افضل ہے اور عدالت کی ہتھکڑی ہے۔

(اسد جانا چاہتا ہے)

پروین : ٹھہرو۔ تم کہاں جاتے ہو؟

اسد : میں ابھی جا کر تمام اسٹیشنوں پر تار کراتا ہوں۔

پروین : مگر ابھی تمھیں یہیں رہنا ہوگا۔

اسد : کیوں؟

پروین : تا کہ میرے افضل کو بھاگنے کا وقت مل سکے۔

(پروین اسد کا گریباں پکڑ لیتی ہے)

اسد : میرا گریباں چھوڑ دے۔

پروین : تم پالتو کتے کی طرح زمین پر بیٹھ جاؤ ورنہ میں بھوکی شیرنی کی طرح پوری قوت سے تم پر حملہ کروں گی.... اور ـــــ بوٹی بوٹی نوچ کر پھینک دوں گی۔

(تحسین کا آنا)

اسد : میں کہتا ہوں کہ......

تحسین : خبر دار۔ سیدھا کھڑا رہ، ورنہ تمام شیخی بھلادوں گا۔ مارے ڈنڈوں کے ہاتھ پاؤں کا تھیلہ بنا دوں گا۔

اسد : پاگل بوڑھے! الگ ہٹ۔ اپنے بڑھاپے پر رحم کر۔

تحسین : ابے یہ پرانے زمانے کی ہڈیاں ہیں۔ تجھ سے زیادہ کس رکھتا ہوں۔ اس بڑھاپے میں بھی تیرے جیسے دس جوانوں کا بھرتا کرسکتا ہوں۔

پروین : اسد! تو میری طرف نہیں خدا کی طرف دیکھ۔ افضل اور مجھ پر نہیں تو میری معصوم بچی کی طرف دیکھ کر رحم کر۔

اسد : تو! اوہ یہ تمام دنیا اپنے کو میرے قدموں پر ڈال دے تو بھی میں اپنا فرض ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تحسین : اچھا بیٹا! تم اپنی نوکری کا فرض ادا کرو اور میں اپنے مالک کے نمک کا فرض ادا کرتا ہوں۔

(تحسین کا اسد کی ٹانگ پکڑ کر گرا دینا۔ پروین کا منھ دبانا۔ بانو کا آکر بال پکڑنا۔ اسد کا بے قابو ہوکر گرنا)

--- (پردہ) ---

باب دوسرا ـــــــ سین پہلا

پروین کا مکان

(پروین کا مفلسی کی حالت میں بانو کے ساتھ دکھائی دینا)

پروین : (گانا) نہیں تاب مہجوری بنا تمھارے
جیوں ہائے اب میں کس کے سہارے۔
پیارے۔ نہیں تاب......
مفلس بن کر در در بھٹکت
کر تو داور ہم پر رحمت
نہیں تاب مہجوری بنا تمھارے۔

بانو : امی! تحسین ابا ابھی تک نہیں آئے۔ وہ کہہ گئے تھے کہ بازار سے آؤں گا تو تمھارے لیے مٹھائی لاؤں گا۔

پروین : بیٹا! آتے ہی ہوں گے۔ غریب ہمارے ہی پیٹ بھرنے کی فکر میں کہیں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوگا۔

بانو : اماں! تحسین ابا کیسے اچھے آدمی ہیں۔ کل رات کو جب مجھے بڑی بھوک لگی تھی تو تم نے مجھے ایک ہی روٹی دی تھی مگر تحسین ابا نے مجھے اپنے حصے کی بھی روٹی کھلادی تھی۔ اور خود بھوکے سوگئے تھے۔ صبح کو جب اُٹھے تو مجھ کو پیار کرکے کہنے لگے کہ خبر دار رات کی بات اپنی ماں سے مت کہنا۔

پروین : بٹی! خدا اُسے ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ تیرے باپ کے مرنے کے بعد جب کہ دوست، عزیز، اپنے، بیگانے، تمام زمانے نے ہمیں مصیبت کے سمندر میں ڈوبنے اور مرنے کے لیے چھوڑدیا۔ یہی ایک فرشتہ ہے جو شروع

سے آج تک ہمارے دکھوں میں حصہ لے رہا ہے۔ ہماری جان بچانے کے لیے رات دن اپنی جان دے رہا ہے۔

بانو : لو، وہ لو، تحسین ابا آگئے۔

(تحسین کا آنا)

تحسین : آ بیٹا! یہ دیکھو میں تمھارے لیے مٹھائی لایا ہوں۔

بانو : امّی دیکھا۔ تحسین ابا ہمارے لیے بسکٹ اور پپرمنٹ لائے ہیں۔ لو تم بھی لو۔ تحسین ابا۔ لو تم بھی کھاؤ۔

تحسین : بیٹا تو کھا۔ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ جب تجھے ہنستا، کھیلتا ہوا دیکھتا ہوں تو میری بھوک، پیاس تھکن سب اُڑ جاتی ہے۔

پروین : تحسین! تم صبح چھ بجے کے گئے ہوئے اب لوٹے۔ کہاں گئے تھے؟

تحسین : قسمت کے ساتھ سر پھوڑ رہا تھا۔ کل سارا دن اور آدھی رات محنت کرکے کرسی تیار کی تھی مگر جب بازار میں لے گیا تو محنت گئی جہنم میں، بید کے بھی دام وصول نہیں ہوے۔ آج کل کے آنکھوں کے اندھے بڑی بڑی شاپوں میں جاتے ہیں تو ایک روپے کی چیز کے دس دس روپے دے آتے ہیں اور جب کوئی غریب کاری گر اُس سے اچھی چیز بنا کر پیش کرتا ہے تو اس میں سینکڑوں عیب بتاتے ہیں۔ دس کا مال ہوتا ہے تو دو روپے دینے میں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

(للو کا مکان کے کرایے کے لیے تقاضا کرنے آنا)

للو : تحسین! وعدہ پورا ہوا۔ لاؤ کرایے کا روپیہ نکالو۔

پروین : یا خدا! یہ لپٹی ہوئی جونک کیوں کر چھوٹے گی؟

تحسین : بھائی! تھوڑے دن اور ٹھہرو۔ کارخانے دار نے وعدہ کیا ہے کہ اس ہفتے میں تمھاری تمام مزدوری چکا دوں گا۔ اس لیے دو چار روز اور ٹھہر جاؤ۔ روپے ملتے ہی تمھارے گھر پہنچا دوں گا۔

ابّو : چھ چھ مہینے ٹال مٹول کرتے گذر گئے اور ابھی تک بہانے ختم نہیں ہوئے۔ تم کو نوٹس دیا، سمن نکالا۔ ڈگری کرائی۔ پھر بھی کرایہ وصول نہیں ہوا۔ اب قرقی لانا اور یہ انگڑ بنگڑ چھین کر گھر سے باہر کر دینا باقی ہے۔

تحسین : بھائی! میں نے تم سے کئی دفعہ کہا کہ مہینے کے مہینے کرایہ لے جایا کرو، مگر تم نے نہ مانا اور کرایہ بڑھنے دیا۔ اب جب کہ ہم سے اتنے روپیوں کا ایک دم بندوبست نہیں ہوسکتا تو ہمیں دباتے ہو۔ قرقی اور وارنٹ لاتے ہو؟

ابو : تمھیں مہینے مہینے کرایہ دینا تھا تو گھر دے آیا کرتے۔ میں کوئی تمھارے باوا کا نوکر تھا جو ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو تمھارے دروازے پر ہاتھ پھیلائے کھڑا رہتا۔

پروین : اچھا بھائی خفا نہ ہو۔ اس مرتبہ تو معاف کرو۔ آئندہ سے مہینے کے پہلے تم کو رقم پہنچا دیا کروں گی۔

ابو : جب اتنی تنگی ترشی سے گذرتی ہے، تب کہیں جاکر نوکری کیوں نہیں کرتی ہو؟

پروین : بھائی تم جانتے ہو کہ جب تک سعی سفارش نہ پہنچے، کوئی ضمانت نہ دے، ایک لاوارث بیوہ کو کیسے نوکری مل سکتی ہے۔ اگر کہیں سینے پرونے یا گھر کے دیکھ بھال کی نوکری مل جاتی تو آج یہ تکلیف کیوں اٹھاتی؟

ابو : ارے نوکری کیا؟ نوکری تو ہزار ملتی ہے۔ مگر تم ایک خونی کی بیوی ہو، جب لوگ یہ سن پاتے ہوں گے تو نوکر رکھنے سے گھبراتے ہوں گے۔

تحسین : صاحب چپ بیٹھو۔ میرے بہشتی آقا پر الزام لگا کر مفت کا عذاب نہ سمیٹو۔ خون ہوا ضرور، مگر کس نے کیا؟ کیوں کر ہوا؟ یہ خدا جانتا ہے۔

ابو : اوہ خدا تو جانتا ہے۔ مگر ساری دنیا بھی تو جانتی ہے۔

تحسین : کیا؟

ابو : کہ وہ ایک پکا جواری، پکا شرابی اور پورا خونی تھا۔ شکر کرو کہ بھاگتے وقت ٹرین ٹکرا گئی اور اس کی کرتوتوں پر موت کی سیاہ چادر پڑ گئی۔

پروین : مرے کے پیچھے غیبت کرنا دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ مرحوم کے ساتھ اس کے دوست جنھوں نے اُسے اور ہمیں اس درجے کو پہنچایا، کیسے ہیں؟ یہ

میں اچھی طرح جانتی ہوں۔

تحسین : ارے خدا سچا ہے۔ اس کا انصاف سچا ہے۔ تو کیا منیر کا قاتل اصلی سزا سے چھوٹے گا۔ یاد رکھنا ایک روز پاپ کا گھڑا ضرور پھوٹے گا۔

ابو : (خود سے) یا خدا اس بوڑھے کی نہ سننا۔ ورنہ عدالت کے جوتے سے سب سے پہلے میرا ہی سر پھوٹے گا۔ (مخاطب کرکے) خیر جی اچھا تھا یا بُرا، تمھاری منت اور خوشامد سے چار دن ٹھہر جاتا ہوں۔ اس کے بعد اگر تم نے پائی پائی نہ ادا کی تو رحم کو طاق پر رکھ دوں گا۔ ایک ایک کو لات مار کر باہر کر دوں گا۔

پروین : آہ۔ اتنے سخت نہ بنو۔ ہماری لاچاری اور بے کسی پر رحم کرو۔

لو : تم جانتی ہو، یہ مکان میرا نہیں اسد کا ہے۔ میں نے صرف کنٹریکٹ پر لیا ہے۔ اگر اُس کے روپے وقت پر نہ پہنچے تو بھلا وہ مانے گا؟ جیسا میں تمھیں جھوٹا سمجھتا ہوں ویسا ہی وہ مجھے جھوٹا جانے گا۔

پروین : اگر تم کہو تو میں خود اسد کے پاس جاؤں۔ انھیں سمجھاؤں۔ خدا نے انھیں ضرورت سے زیادہ دے رکھا ہے۔ اگر ہمارے چند روپے وقت پر نہ پہنچے تو کیا وہ غریب ہوجائیں گے؟ مجھے بھروسا ہے کہ وہ میرے مرحوم شوہر کا خیال کرکے ضرور میری غریبی پر ترس کھائیں گے۔

لو : ایسا ہے تو ٹھیک۔ جاؤ، تمھارا بھلا ہوتا ہے تو میرا کوئی نقصان نہیں۔ میں تو اس کے تقاضوں سے لاچار ہوتا ہوں۔ اگر وہ تمھاری سن لے تو میں بھی تمھاری طرف سے کہنے کو تیار ہوں۔

پروین : بڑی مہربانی۔

لو : ہم گنہ گاروں کی مہربانی ہی کیا۔ مہربانی تو خدا کی چاہیے۔

پروین : تم کہو تو میں آج ہی جاؤں؟

لو : اور بھی اچھا ہے۔ (خود سے) میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ یہ وہاں تک پہنچ جائے، پھر تو بائیں ہاتھ کا شکار ہے۔ غریبی اور عصمت دونوں کا ایک جگہ رہنا دشوار ہے۔

(ابو کا جانا- تحسین اور پروین کا گانا)

تحسین : بہر خدا دل کو سنبھالیے۔ میری پیاری
ناحق رنج نہ پالیے میری پیاری
بہر خدا دل کو سنبھالیے۔ میری پیاری
پروین : جل تھل بیری زمین اندھیری انت کال نے ہے گھیرا۔
تحسین : پار کرے گا مالک بیڑا۔ دل سے خوف نکالیے۔
بہر خدا دل کو سنبھالیے۔ میری پیاری
پروین : دکھ کے بھنور میں آن پھنسی ہوں
تحسین : بہر خدا دل کو سنبھالیے۔ میری پیاری

(دُکھ کے ساتھ جانا)

باب دوسرا ـــــــ سین دوسرا

مرزا چونگا کا مکان

(مرزا کا اپنی بیوی کو پکارتے ہوے آنا)

مرزا چونگا :بی بی۔ او بی بی۔
زلفن : کیا ہے بی بی کے میاں؟
مرزا چونگا :ہیں منہ کیوں پونچھتی آئی؟ کوئی چیز تو نہیں چرا کر کھائی؟
زلفن : بندی کیا کوئی چوٹی ہے۔ اپنے میکے سے لائے ہوئے پیسے خرچوں تو اس میں کیا چوری ہے؟ تمھارے گھر میں تو ڈنڈی کا ٹکلا ہوا پکتا ہے۔ محلے کا کتا بھی روٹی کے ٹکڑے کو ترستا ہے۔
مرزا چونگا :تو کیا سو سو دفعہ کھاؤ گی۔ کھا کھا کے مرجاؤ گی۔ مجھے بھی ہضم کر جاؤ گی۔
زلفن : تو تمھارا یہ مطلب ہے کہ دن بھر تمھارے گھر کا کام کریں اور بھوکوں مریں؟
مرزا چونگا :ہم تو تمام دنیا کو یہی صلاح دیں گے۔ نہ کھائیں نہ پئیں۔ سونگھ سونگھ کر جئیں۔
زلفن : تو آسمان سے فرشتے آئیں گے۔ وہی بغیر کھائے پیے تمھارا ساتھ نباہیں گے۔
مرزا چونگا :ارے تو تو دیوانی ہے۔

تو دیوانی ہے، کیا جانے یہ پیسہ کیسے آیا ہے
رکھے روزے پہ روزے، صبح کا کھانا بچایا ہے

بہت فاقے کیے، یاروں کے گھر جا جا کے کھایا ہے
گرا پیسہ جو کیچڑ میں تو دانتوں سے اُٹھایا ہے
پھٹے کپڑوں میں دن کاٹے مروت سب سے توڑی ہے
یہ کوڑی کوڑی کرکے اتنی مایا میں نے جوڑی ہے

زلفن : خدا کی مار۔ یہ کمائی یہاں کام نہ آئی تو عاقبت میں کام آئے گی؟ دیکھوں گی تاکہ خدا سے تمھیں بخشوائے گی۔

مرزا چونگا :تو کیا اپنا گھر لٹا دوں؟ محلے والوں کو اپنی دولت کھلادوں۔ جا دور ہو۔ چلی جا۔

(جانا دو طرف دونوں کا اور ننو کا آنا)

ننو : لعنت بر پدر۔ یہ خیراتی ماں باپ کے لاوارث بیٹے تو میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ اپنے بھٹ سے باہر قدم رکھنا دشوار ہے۔ گھر سے نکلا کہ وارنٹ، سمن، ڈگری، ایک نہ ایک بلا ہماری مزاج پُرسی کے لیے تیار ہے۔ یارو! میں پوچھتا ہوں کہ کیا اچھا کھانا نہ کھاؤں؟ اچھے کپڑے نہ پہنوں؟ گھوڑا گاڑی میں نہ دندناؤں؟ یارو دوستو! میں مونچھ سیدھی اور ناک اونچی نہ رکھوں؟ خدا ابا جان کو جہنم رسید کرے، وہ تو مرتے وقت دو چار ٹوٹے ہوئے سلیپر اور دو ایک پھٹے پرانے کوٹ اور اپنا خاندانی پاجی پن میرے لیے ورثے میں چھوڑ گئے۔ مگر بندہ اپنے بزرگوں کے پاجی پن پر پردہ ڈالنے کے لیے اکے ڈکے کے ساتھ شرافت سے پیش آتا ہے۔ کسی کی پگڑی اتار کر اور کسی کا کیسہ کتر کر ان کو مفت کا بوجھ اٹھانے سے بچاتا ہے۔ تو ان جہنمی قرض خواہوں اور عدالت کے چپراسیوں کے باپ کا کیا جاتا ہے۔ جو ہر وقت جھاڑ کا کانٹا ہوکر میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ گلی گلی اور ناکے ناکے وارنٹ اور ہتھکڑی لیے کھڑی رہتے ہیں۔ ابھی ابھی میں گھر سے نکل کر پر پُرزے جھاڑنے اور زقند بھرنے کے لیے کندھے تول ہی رہا تھا کہ دور سے ایک عدالت کے باگڑ بلے نے دیکھ کر مجھے دوڑایا۔ مگر میں بھی تو اس دنیا

میں لومڑی کا جنم لے کر آیا ہوں۔ دو چار ادھر اُدھر کے کاوے دے کر تڑ سے ایک چانٹا جمایا اور جب تک وہ سر سہلائے، دھڑ سے اس گھر میں گھس آیا۔ اب ہم یہاں کھڑے ہوئے آنند کا راگ الاپ رہے ہیں اور وہ بیٹا الل ٹپو باہر کھڑے تاپ رہے ہیں۔ مگر یہ گھر ہے کس کا؟ اگر گھر کا مالک آگیا اور میرے یہاں آنے کی شانِ نزول پوچھ بیٹھا تو اسے کیا جواب دوں گا؟ آنے دو جی، ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ وقت پڑنے پر کوئی نہ کوئی بات ضرور بنالوں گا۔

(زیٹک کا ڈنڈا ٹیکتے ہوئے آنا)

زیٹک : ہیں! یہ کون؟ وکیل صاحب کہہ رہے تھے کہ آج میرا سالا آنے والا ہے۔ کہیں وہی تو نہیں آدھمکا؟ (شکل دیکھ کر) نہیں۔ نہیں۔ یہ تو کوئی اور ہی شخص ہے۔ وکیل صاحب کا سالا ہوتا تو ان کی بیوی سے شکل ملتی ہوتی (نبو سے) جناب کی خدمت میں اس گھر کا ہیڈ باورچی المعروف بہ شخص زیٹک عرض کرتا ہے کہ اگر آپ کرستان ہیں تو گڈ مارننگ، ہندو ہیں تو رام رام، مسلمان ہیں تو وعلیکم السلام بجا لاتا ہے اور یہاں آنے کا سبب پوچھنا چاہتا ہے۔

نبو : (خود سے) لو مصیبت شروع ہوئی (مخاطب کرکے) اوہ ہو ہو ہو۔ کون؟ میرے پرانے دوست! تم ہو یار۔ بہت دن کے بعد ملے۔ کہو اچھی طرح تو ہو۔ بال بچے تو خیریت سے ہیں؟

زیٹک : کیا کہا آپ نے؟

نبو : کیوں بے جھوٹے۔ تو نے کہا تھا کہ آپ کو اپنے باپ کی شادی میں ضرور بلاؤں گا۔ مگر دعوت دینے کے ڈر سے کنی بچا گیا نا۔ لُچا کہیں کا۔

زیٹک : باپ کی شادی؟ جناب یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ میرے باپ کو گذرے ہوئے آج بیس برس ہو گئے۔ شادی کیسی؟

نبو : تمھارے باپ گذر گئے۔ خیر کیا مضائقہ۔ کوشش کرو۔ خدا دوسرا باپ دے

گا۔ اور اگر ابھی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں۔

زیٹک : میں پوچھتا ہوں کہ آپ ہماری بیگم صاحبہ کے لیے کچھ سوغات لائے ہیں یا کسی مقدمے کے بارے میں وکیل صاحب سے مشورہ کرنے آئے ہیں؟

نتھو : وکیل؟ (خود سے) اررر۔ تو کیا میں پولیس کے پنجے سے بچنے کے لیے کسی عدالتی ریچھ کے بھٹ میں گھس پڑا ہوں۔ ہائے ہائے۔ یہاں بھی گرفتاری کا کھٹکا۔ آم سے گرا تو ببول میں اٹکا۔

مرزا چونگا :(اندر سے پکارنا) زیٹک او زیٹک!

زیٹک : یہ لیجیے۔ وکیل صاحب بھی گرم انجن کی طرح بھک بھکاتے ہوئے آپہنچے۔

نتھو : (خود سے) بس تو پسنجر اور میل ٹرین کی ٹکر کا وقت آگیا۔ چلو بیٹا نتھو۔ دماغ کی ڈاک گاڑی کو لائن کلیر دے دو۔ اگر طبیعت کی آمد میں ذرا بھی روڑا اڑے گا تو اتنے ادھوڑی استر کے سلنڈر پڑیں گے کہ کھوپڑی کو این ڈبلو آر کے ورکشاپ میں مرمت کے لیے بھیجنا پڑے گا۔

(مرزا چونگا کا آنا)

مرزا چونگا :بہرا۔ احدی، گھنا۔ کھڑا کھڑا سنتا ہے اور جواب میں ہنکارہ تک نہیں بھرتا۔

زیٹک : جناب یہ ہنکارہ بھرنے کے لیے کوئی اور نوکر رکھیے۔

مرزا چونگا : کیوں؟

زیٹک : کیونکہ آپ کی مٹھیاں بھروں۔ بی بی کی چلمیں بھروں، گھڑوں میں پانی بھروں، مٹکے میں اناج بھروں، بائیسکل میں ہوا بھروں۔ غصے کے وقت آپ کے بھیجے میں عقل بھروں۔ اور آپ نے یہ نئی بخ نکالی ہے کہ ہنکارہ بھی بھروں۔ نہیں صاحب مجھ اکیلے سے اتنے کام نہیں ہوسکتے۔

مرزا چونگا :بس چپ رہ بے وقوف کے بچے۔

زیٹک : بہت اچھا۔ یہ بیوقوف کا بچہ چپ رہتا ہے، پر وہ دیکھیے کوئی عقلمند کا بیٹا آپ سے ملنے آیا ہے۔

مرزا چونگا :(خود سے) پھنسا پھنسا۔ مدت کے بعد آج ایک شکار پھنسا۔ (مخاطب ہوکر)

سلور کنگ

ہاں جناب۔ تسلیمات۔ کہیے کیا ضرورت پیش آئی جو مجھ خادم المختار الوکلاء والبیرسٹر ــــ کے کفش خانے کی سرفرازی فرمائی؟

نبو : (خود سے) لو کمبختی شروع ہوگئی۔ اب کیا کروں؟ گونگا بن جاؤں یا انٹ سنٹ اڑاؤں۔ مگر ٹھہرو۔ وہ بیلف اور سپاہی چل دیے ہوں تو خواہ مخواہ بک بک کی کیوں تکلیف اٹھاؤں (باہر جھانک کر) لاحول ولاقوۃ، وہ تو وہیں کے وہیں دھرے ہوے ہیں۔ دلدل میں پھنسے ہوئے گدھے کی طرح اپنی جگہ سے ٹھسکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

مرزا چونگا : جناب نے کچھ جواب نہیں دیا؟

نبو : اتنے بڑے آدمی کو اور میں جواب دوں؟ نہیں جناب۔ مجھ سے یہ گستاخی کبھی نہیں ہوسکتی۔ چاہے چیختے چیختے آپ کا گلا بیٹھ جائے۔ مگر میں آپ کو ہرگز جواب نہ دوں گا۔

مرزا چونگا : آپ نے آنے کی غرض بیان کرنا بھی گستاخی سمجھی ہے۔ آخر مجھے معلوم تو ہوجانا چاہیے کہ آپ کس لیے تشریف لائے ہیں۔

نبو : کیا تشریف؟ ہاہاہا۔ اس خاکسار کی شان میں اتنا بڑا لفظ۔ اے جناب۔ یوں کہیے کہ کیوں نازل ہوا؟ کیوں آ دھمکا؟ کیوں ٹپک پڑا؟

مرزا چونگا : آپ تو کوئی دلگی باز آدمی معلوم پڑتے ہیں۔ خیر فرمادیجیے جو کچھ فرمانا ہے۔ مجھے ایک ضروری کام سے دوبارہ کچہری جانا ہے۔

نبو : ہاں کچہری جانا ہے؟ بہت اچھا۔ کچہری، کوتوالی، حوالات، جیل خانہ، پاگل خانہ، جہاں جانا ہو جایئے۔ مجھے کوئی ایسی جلدی نہیں ہے۔ آپ کے گھر کو میں اپنا ہی گھر سمجھتا ہوں۔ یہ لیجیے اب میں بیٹھ گیا۔

(آرام کرسی پر پیر پھیلا کر لیٹ جاتا ہے)

مرزا چونگا : (خود سے) چہ خوش۔ یہ تو آرام کرسی پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔

نبو : ہاں جناب! اتنی مہربانی اور فرمایئے گا کہ جانے سے پہلے اپنے نوکر کو ایک کپ چائے اور اگر دیر سے آپ کا آنا ہو تو دوپہر کے کھانے کے لیے بھی

حکم دیتے جائیے گا۔

مرزا چونگا :حضرت! میرے پاس مذاق میں ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ اگر کوئی مقدمہ دینا ہے تو اس کے نوٹ لکھوائیے، ورنہ میں یوں چلا اور آپ یوں تشریف لے جائیے۔

نبو : اچھا تو جس طرح اڈے پر بلبل بیٹھتا ہے، آپ بھی اسی طرح کرسی پر اچک کر بیٹھ جائیے۔

مرزا چونگا :اچھا لکھوائیے۔

(کرسی پر بیٹھ جانا)

نبو : (خود سے) اب لکھاؤں کیا؟ اپنا سر (مخاطب ہوکر) ہا ہا ہا۔ قلم تو اچھا منگوائیے۔ یہ قلم ہے یا حجام کا استرا۔ آپ لکھتے ہیں یا حرفوں کا سر مونڈتے ہیں؟

مرزا چونگا :ارے بھائی قلم کاغذ سب درست ہے۔ اب تم اپنا مطلب تو شروع کرو۔

نبو : (خود سے) کمبخت وہ حلال زادے گئے یا نہیں؟ (کھڑے ہوکر باہر کی طرف دیکھنا) خدا کی مار۔ جانے کا نام ہی نہیں لیتے نابکار۔

مرزا چونگا :(خود سے) عجیب کینڈے کے آدمے سے پالا پڑا ہے۔ (مخاطب ہوکر) اجی حضرت آپ اوپر کیا دیکھ رہے ہیں؟

نبو : میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ برسات قریب ہے اور آپ نے ابھی تک اپنے مکان کی مرمت نہیں کرائی۔ اگر مکان گر پڑا اور کوئی پڑوسی دب کر مرگیا تو عدالت قتلِ عمد کے جرم میں اس طرح آپ کا گلا دبائے گی کہ یہ وکالت سکالت سب دھری رہ جائے گی۔

مرزا چونگا :ارے بھائی! میرا مکان گرتا ہے تو گرنے دو۔ تمھیں اس کی کیا فکر پڑی ہے؟

نبو : کیوں فکر کیوں نہیں؟ آخر میں بھی تو اسی مکان میں بیٹھا ہوں۔

مرزا چونگا :میں کہتا ہوں کہ مسٹر.....

نبو : جی میرا نام مسٹر شبراتی ہے۔

مرزا چونگا : تو مسٹر شبراتی! مہربانی کر کے بیٹھ جائیے اور اپنا مقدمہ لکھوائیے۔

نبو : اچھا لکھیے۔ ہم سب مل کر اپنے باپ کے سترہ بھائی بہن ہیں۔

مرزا چونگا : ٹھہریئے۔ آپ کے بھائی بہن یا آپ کے باپ کے بھائی بہن؟

نبو : دیکھیے حضرت۔ آپ یوں بیچ میں لقمہ دیں گے تو میں ایک حرف بھی نہ لکھا سکوں گا۔ لکھیے ہمارے سترہ بھائی بہن ہیں۔

مرزا چونگا : ہمارے باپ کے؟

نبو : تمھارے کہاں؟ تم تو خود لاوارثے، اکیلے پیدا ہوئے ہو۔

مرزا چونگا : اچھا آگے بولو۔

نبو : جس میں سولہ لڑکے اور دو لڑکیاں۔

مرزا چونگا : یہ تو اٹھارہ ہوئے؟

نبو : برابر۔ سولہ اور دو اٹھارہ۔

مرزا چونگا : مگر تم نے تو ابھی سترہ لکھوائے تھے۔ یہ تو ایک بڑھ گیا۔

نبو : بڑھ گیا؟ اچھا تو اس میں سے جوتے مار کر ایک کم کر دیجیے۔ ایک لڑکا بڑھ گیا اور گھٹ گیا تو کون سی میرے باپ کے گھر میں کمی ہو گئی۔ چلو سترہ تو سترہ ہی سہی۔

مرزا چونگا : اچھا تو آگے لکھوائیے۔

نبو : اُن سترہ میں سے یہ آپ کا تابع دار خاکسار سب سے بڑا لڑکا ہے۔

(اُچک کر کرسی پر چڑھ جاتا ہے)

مرزا چونگا : میاں کرسی پر کہاں کھڑے ہوگئے؟

نبو : آپ کو اپنا بڑاپن بتانے کے لیے۔

(نبو کا رونا)

مرزا چونگا : چلو آگے بولو۔ (روتے ہوے دیکھ کر) ہیں۔ تم روتے کیوں ہو؟

نبو : روتا اس لیے ہوں کہ جس طرح ـــــ عمر میں سب سے بڑا ہوں، اسی طرح، بدنصیبی میں بھی سب سے بڑا ہوں۔

مرزا چونگا :بدنصیبی۔ وہ کیسے؟

نبو : ایسے کہ جس روز میں دنیا میں تشریف لایا، اسی روز میرے والد دنیا سے سفر کر گئے۔

مرزا چونگا :یعنی؟

نبو : یعنی مر گئے۔

مرزا چونگا :تم سب سے بڑے لڑکے ہو۔

نبو : بے شک۔

مرزا چونگا :اور تمھارے پیدا ہوتے ہی تمھارے والد کا انتقال ہوگیا۔

نبو : برابر۔

مرزا چونگا :تو پھر یہ باقی سولہ کہاں سے پیدا ہوگئے؟

نبو : اررر۔ جب تو میں بھولا۔ وکیل صاحب! بڑا نہیں میں شاید چھوٹا لڑکا ہوں۔

مرزا چونگا :خیر لعنت بر شما و بر پدر شما۔ آگے چلو۔

نبو : اچھا لکھیے۔ ہم سب مل کر اپنے باپ کے سترہ....

مرزا چونگا :پھر وہی الٹا چرخا چلانے لگے۔ اماں ایک مرتبہ تو لکھ چکا ہوں اور کتنی مرتبہ لکھاؤ گے؟

نبو : سترہ باپ بیٹے کی تعداد آپ لکھ چکے؟ عجیب بیوقوف وکیل ہو۔ آپ نے مجھ سے کہا کیوں نہیں؟

مرزا چونگا: میں اور بیوقوف؟ نکل جاؤ میرے گھر سے درجہ سوم کا وکیل اور بیوقوف۔ ڈھونڈ لو کوئی اور وکیل۔

نبو : (خود سے) بہت دیر ہوئی۔ اب تو بیلف اور سپاہی ضرور چلے گئے ہوں گے۔ اچھا حضرت آپ گرم ہوتے ہیں تو لیجیے تسلیم!

(اپنی ٹوپی چھوڑ کر مرزا چونگا کی ٹوپی اٹھا کر چلنا)

مرزا چونگا :ارے او بلا! اپنی ٹوپی چھوڑ کر میری ٹوپی لے کر کہاں چلا؟
نبو : (باہر کی طرف دیکھ کر) ہائے ہائے یہ کمبخت تو تار کے کھمبے کی طرح زمین پر گڑے ہوئے ہیں۔ ابھی تک اسی جگہ کھڑے ہوئے ہیں۔

(نبو کا لوٹ کر ٹوپی منبر پر رکھنا۔ چونگا کا اپنی ٹوپی اٹھا کر دیکھنا۔
نبو کا چپ چاپ کرسی پر بیٹھ جانا)

مرزا چونگا :ہت تیرا ستیاناس ہو۔ میرے دادا کے وقت کی ٹوپی کم بخت نے خراب کر دی۔ (نبو کو بیٹھا ہوا دیکھ کر) ہیں! پھر اپنی نحوست کرسی پر دھر دی۔
نبو : لکھیے جی لکھیے۔
مرزا چونگا : کیا لکھوں؟ تمھارا سر؟ میں کچھ نہیں لکھتا۔
نبو : اجی وکیل صاحب! غصہ نہ کیجیے۔ میں اپنے نالائق باپ کے غم میں بوکھلا گیا اس واسطے مقدمہ لکھواتے وقت ذرا گھبرا گیا۔
مرزا چونگا :اچھا تو جلد اور مختصر لفظوں میں بیان کرو۔
نبو : اچھا تو لکھیے۔ ہم سب مل کر اپنے باپ کے سترہ بیٹے.....
مرزا چونگا : تمھاری اور تمھارے باپ کی ایسی تیسی۔ آگے بھی لکھاؤ گے یا تیلی کے بیل کی طرح ایک ہی جگہ چکر لگاؤ گے؟
نبو : اچھا لکھیے۔ میرے باپ کے بعد میرے چچا کا بھی انتقال ہوگیا۔
مرزا چونگا :چچا؟ کون چچا۔
نبو : میرے بھائی کے باپ۔ ارے ارے۔ میرے باپ کے بھائی۔ اجی لکھیے ـــــ ہیں۔ یہ آپ نے بن بلاؤ کی طرح میرے منھ کی طرف ٹکٹکی کیا لگائی۔
مرزا چونگا :اماں۔ لکھوں کیا خاک، پتھر۔ تمھاری بات کا کوئی سر پیر بھی ہو..... سترہ بھائی بہن کا کیس پورا نہ ہونے پایا کہ بیچ میں چچا نکل آیا۔
نبو : تو جناب! اگر آپ کو میرے چچا سے نفرت ہے تو اپنے چچا کا نام لکھ دیجیے۔ ضرورت تو ایک چچا کی ہے۔ میرا ہو یا آپ کا۔
مرزا چونگا :بس میں آخری مرتبہ کہتا ہوں کہ چلے جاؤ۔ میں تم جیسے بیوقوفوں کا مقدمہ

نہیں لینا چاہتا۔

نبو : نہیں تو نہ سہی۔ میں بھی تم جیسے زٹیل وکیلوں کو اپنا مقدمہ نہیں دینا چاہتا۔ (باہر کی طرف دیکھ کر خود سے) واہ واہ بیلف اور سپاہی بھی چل دیے۔ پر کھلے، پنجرا ٹوٹا۔ میں اس کی اور یہ میری مصیبت سے چھوٹا۔ (ناچتا) الل الل الل۔

مرزا چونگا :(خود سے) آئیں۔ یہ تو ناچنے لگا۔ (مخاطب ہوکر) ارے میاں تم جاتے ہو یا فوجداری کرنا چاہتے ہو؟

نبو : اِدھر آؤ۔ تمھاری فیس کتنی ہے؟

مرزا چونگا : کیا مطلب؟

نبو : میں یہ پوچھتا ہوں۔ اگر تم سے ایک گھنٹہ مقدمے کے لیے مشورہ کریں تو کتنے روپے لیتے ہو؟

مرزا چونگا :دس روپے۔

نبو : گھنٹے کے دس روپے۔ اچھا تو میں نے تمھارے ساتھ تین گھنٹے تک جھک ماری ہے تیس روپے نذر دو۔

مرزا چونگا :اماں۔ یہ الٹی فیس کیسی؟

نبو : اے نکال فیس۔ تیری وکیل کی ایسی تیسی۔

(دونوں کا گانا)

مرزا چونگا :جا۔ جا۔ ماروں گا پاجی غلام۔

نبو : جا بے لنگور۔

مرزا چونگا :چل ہٹ۔

نبو : تیرا پی لوں گا خون۔

مرزا چونگا :ابے جا بے ملعون۔

نبو : ماروں گا ایسا چانٹا۔ کردوں گا میں آٹا۔

مرزا چونگا : یہ گھونسا۔ یہ چانٹا۔

نبو : چل ہٹ۔ نٹ کھٹ۔
مرزا چونگا :جا جا رے۔ آوارے۔ ناکارے۔
نبو : جا بھٹیارے۔

(لڑتے ہوئے دونوں کا جانا)

باب دوسرا ــــــ سین تیسرا

راستہ

(تین سال بعد افضل کا پھٹے پرانے کپڑوں میں واپس آنا)

افضل : افضل! تیری بدنصیبی کے زمانے کو آج پورے تین برس گذر گئے۔ اس مصیبت سے بھری ہوئی لمبی مدت میں قسمت نے تجھے اس قدر پیسا، اس قدر ستایا، اس قدر مصیبت کا مینہہ برسایا کہ گمان میں بھی نہیں آتا تھا کہ تو زندہ رہے گا اور دوبارہ وطن کی صورت دیکھے گا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ تو بچ گیا، جیتا رہا اور دوبارہ اُس زمین پر، جس کے ذرے ذرے سے محبت کی بو آرہی ہے، آکر کھڑا ہوا ہے۔ آہ! وہ بھیانک رات۔ اُس ملعون واقعے کی یاد اب تک میری روح اور دل میں لرزہ پیدا کر دیتی ہے۔ شکر ہے کہ بھاگتے وقت اسٹیشن پر پہنچتے ہی مدراس کو جانے والی ٹرین مل گئی۔ راستے میں تجھے بیجے واڑہ کے اسٹیشن پر اترنے کی سوجھ گئی۔ پھر کیا ہوا؟ تو بیجے واڑہ سے دوسری ٹرین میں سوار ہوا اور سیدھا کلکتہ پہنچا، جہاں ایک اخبار میں تونے پڑھا کہ جس ریل میں تو سفر کر رہا تھا، بیجے واڑہ سے چند اسٹیشن آگے جاکر ایک پسنجر ٹرین سے ٹکرا کر تباہ ہوگئی اور تو بھی اس کے ساتھ دب کچل کر مرگیا۔ یہ پڑھ کر تونے اطمینان کا سانس لیا۔ اور ایک جہاز میں بیٹھ کر چند روز کے بعد افریقہ کی سرزمین پر اُترا۔ پھر چھ مہینے تک در بدر ٹھوکریں کھانے، فاقہ اور بھیک سے زندگی بسر کرنے کے بعد ایک کان میں نوکری ملی۔ محنت، کوشش اور دیانت داری کے بدولت کروڑوں روپے کا مالک بن کر دوبارہ وطن لوٹا۔ مگر افضل! ابھی تیرے لیے کھلے بندوں پھرنے میں

خطرہ ہے۔ گو تیری موت کی خبر اڑنے کی وجہ سے پولیس نے دھوکے میں آ کر تیری تلاش موقوف کر دی، مگر تیرا نام ان کے خونی رجسٹر میں اب تک موجود ہے۔ خداوندا! میرے دل سے آواز نکلتی ہے کہ میں اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوں۔ اگر یہ سچ ہے تو میری مدد کر۔ تاکہ میں اپنی بے گناہی ثابت کر کے داغ دھو سکوں۔ افسوس لاکھوں کے نوٹ جس کی جیب میں پڑے ہوں اور کروڑوں روپے بینکوں میں جس کے نام سے جمع ہوں، اس کی یہ حالت کہ ایک سڑے گلے چیتھڑے بیچنے والے کے بھیس میں اپنے کو چھپائے ہوئے، خوف کے ساتھ جاگتا، رنج کے ساتھ سوتا ہے، اور اپنی بیوی بچے کی یاد کر کے روتا ہے۔

باب دوسرا ـــــ سین چوتھا

پروین کا مکان

(افضل کا دور سے دیکھنا)

افضل : (خود سے) سامنے سے کوئی لڑکی اور عورت آ رہی ہے۔ یہ کون؟ پروین اور میری بانو۔ او خدا یہ اتفاقی ملاقات، یہ ناگہانی خوشی۔ مگر یہ ان کی حالت؟ آہ۔ میرے جی میں آتا ہے کہ دوڑ کر ان کو لپٹ جاؤں اور خوشی سے ان دونوں کو دیوانہ بناؤں۔

(تحسین کرسی بُن رہا ہے)

تحسین : ؎

نہ کوئی پرسان حال اپنا، نہ اب کوئی داد رس رہا ہے
اُجڑ گیا، تھا چمن جو اپنا، نصیب میں یہ قفس رہا ہے
گھرے ہیں بدبختیوں کے بادل عذاب سر پر برس رہا ہے
زمین کا ایک ایک ذرہ کمر عداوت پہ کس رہا ہے

(گانا)

اس سنسار ماں رے اپنا بیگانہ۔
جھوٹا زمانہ۔ پیارے مطلب کے ہیں یار۔ اس سنسار.....
سنگ سنگاتی، سکھ کے ساتھی۔ یار غار جگ سارا جی۔
انت سے کوئی کام نہ آوے۔

بچھڑ جائے جگ سارا جی۔ اس سنسار....
آہ! نہ تن پر کپڑا، نہ پیٹ بھر کھانا، نہ کہیں سونے بیٹھنے کا ٹھکانہ۔ دو دو دن فاقے سے نکالنا۔ محنت کے پیچھے دن کو رات اور رات کو دن کر ڈالنا۔ اور پھر یہ بدکار دنیا جو سفید پوش بدمعاشوں سے بھری ہے، اس میں رہ کر اپنی عزت اور آبرو سنبھالنا۔ آہ! بدنصیب یہ تیری ہی جیسی شریف عورت کا کام ہے۔ یا خدا وہ دن کب آئے گا جب یہ آنکھیں دوبارہ ان ماں بیٹی کو خوش دیکھیں گی۔

پروین : تحسین! میرے لیے ہر طرف مایوسی ہی مایوسی ہے۔

(افضل کا آکر چھپ جانا)

پروین :

(گانا)

راحت کا اس طرح سے زمانہ گذر گیا
جھونکا ہوا کا جیسے ادھر سے اُدھر گیا
غم وہ غذا ہے، جس کا مزا کچھ عجیب ہے
بھوکی رہی بھی میں تو مرا پیٹ بھر گیا
آنسو کے ساتھ ساتھ بہا خون ہوکے دل
رونا مگر نہ اب بھی ترا چشم تر گیا
صیاد نے بڑھائی ہے اس طرح مشق ظلم
جو آیا مجھ اسیر کے دو پر کتر گیا
خفگی کسی کی، آپ سے افسردگی ہوئی
جب اُن کا منہ چڑھا تو مرا منہ اتر گیا
کینے سے پھر بھی باز نہ آیا تو اے فلک
اتنا تو غم دیا کہ مرا پیٹ بھر گیا
اس ذوق میں بھی مجھ کو فضیلت ہے اے شرر
وہ لوگ رہ گئے تو میں پہلے اتر گیا

تحسین : ہوا کیا؟

بانو : تحسین ابا! اسد نے میری امی کو دھکا کر باہر نکال دیا۔

پروین : میں کیا کروں۔ رذیل۔ کسی طرح میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا ہے۔ غریب اور بے کس سمجھ کر ہم پر طرح طرح کے ستم توڑتا ہے۔

تحسین : کیا کروں؟ مجھے تمھاری اور اس معصوم کی فکر ہے۔ اگر میرے بعد تمھیں کوئی سہارا دینے والا ہوتا تو اس بید چھیلنے والی درانتی سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔

افضل : (خود سے) او خدا! میرے پیاروں پر قسمت کا اتنا غصہ؟ میں۔ میں ہی ان کے تمام مصیبتوں کا باعث ہوا۔ او ناپاک اسد! شریف نما پاجی! تو مجھے مردہ سمجھ کر میرے کلیجے کے ٹکڑوں کے ساتھ اس سلوک سے پیش آرہا ہے۔ پھر ایسی حالت میں جب کہ یہ مدد، تسلی اور رحم کے محتاج ہیں، الٹا ان کے دکھوں کو اور زیادہ بڑھا رہا ہے۔ مگر یہ یاد رکھ کہ جس طرح سکھ ہمیشہ نہیں رہتا، اسی طرح دکھ بھی سدا نہیں رہتا۔ ظلم کی عمر چھوٹی اور صبر کی زندگی بڑی ہے۔ خوشی اور راحت ان کی جھونپڑی کے دروازے پر ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔

بانو : امی امی! مجھے نیند آرہی ہے۔

پروین : بیٹا! سوجا۔ تحسین! تمام رات جاگ کر یہ دونوں کرتے تیار کر کے لیے جاتی ہوں۔ اُمید تو بہت دلائی ہے دیکھیے، مرزا صاحب کی بیوی اس دیدہ ریزی کا کیا صلہ دیتی ہیں۔

تحسین : خدا تمھیں ہنستا ہوا واپس لائے۔ میں بھی بازار جاتا ہوں۔ کل جو کرسی تیار کر آیا تھا، اس کی اُجرت مل گئی تو کھانے پینے کا سامان لے کر آتا ہوں۔

(پروین کا جانا۔ تحسین جانا چاہتا ہے کہ افضل کا ظاہر ہونا)

افضل : بڑے میاں! کچھ نئی پرانی چیزیں بیچوگے یا خریدو گے؟

تحسین : بابا۔ معاف کر۔ کھانے کا تو کچھ ٹھکانہ نہیں، چیزیں کہاں سے خریدوں گا۔

افضل : نقد نہ ہو تو ادھار لو۔ دنیا کا کام ہمیشہ اعتبار پر ہی چلتا ہے۔

تحسین : نہیں اس کے بدلے بھوکا رہنا اچھا ہے، مگر ادھار لینا اچھا نہیں۔ میں تو جو قرض لے یا دے اس کی گلی سے بھی نہیں گذرتا۔

افضل : خیر، تمھاری مرضی۔ مگر بھائی خفا نہ ہونا۔ میں نے دروازے کی آڑ میں کھڑے ہوکر تمھاری تمام مصیبتیں سنیں اور سن کی خدا جانتا ہے، مجھے بہت ترس معلوم ہوا۔

تحسین : ہاں بھائی! معلوم ہوا ہوگا۔ کیونکہ جس پر پڑچکی ہوتی ہے، وہ دوسروں کی مصیبت کو سمجھتا اور اس پر ترس کھاتا ہے۔

افضل : بھائی! تم یہ سن کر تعجب کروگے کہ میں تم سے بھی زیادہ دکھی ہوں۔ ان ماں بیٹی کی طرح جو تمھارے ساتھ رہتی ہیں، میری بھی ایک معصوم بچی اور ایک شریف بیوی تھی۔ میں ایک ناگہانی آفت میں پڑ کر ہمیشہ کے لیے انھیں ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ اب جب ان کی یاد آتی ہے تو روح بےچین ہوتی ہے۔

تحسین : صبر کرو بھائی۔ کبھی دن ہے، کبھی رات ہے۔ دنیا میں ہمیشہ دکھ سکھ کا ساتھ ہے۔

افضل : بھائی! تم یہ سن کر اور زیادہ حیران ہوگے کہ ان دونوں کی شکل و صورت، چال ڈھال بھی بالکل میری بیوی اور بچی سے ملتی ہوئی ہے۔ اس لیے میرے دل میں خود بخود جوش پیدا ہوتا ہے کہ میں ان کی مدد کروں۔

تحسین : بھائی! دنیا اپنے غرض کی ہے۔ غرض بغیر کون کسی کی مدد کرتا ہے۔

افضل : یقین کرو کہ میں بغیر بدلہ پانے کے خیال اور کسی غرض کے ان کی امداد کرنا چاہتا ہوں۔

تحسین : ہاں بھائی! میں تمھاری اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر چونکہ تم سے نہ تو میری دوستی، نہ پہلے کی جان پہچان ہے۔ اس لیے میں تمھاری امداد قبول نہیں کرسکتا۔

افضل : بھائی شک نہ کرو۔ میں کوئی خراب آدمی نہیں ہوں۔ میں کون ہوں اور کیا ہوں یہ میں جانتا ہوں یا خدا جانتا ہے۔ لو، یہ روپے جاؤ ان سے ضرورت کا سامان خرید لاؤ۔ میں آج سے روز آیا کروں گا اور تمھیں تمھاری ضرورت

کے لائق روپیہ دے جایا کروں گا۔

تحسین : جا بھائی جا۔ اپنا راستہ لے۔ کس کو شیشے میں اتارنے آیا ہے؟ ایسے روپے اور ایسی لالچ کو میں اور وہ شریف عورت ٹھوکر سے مارتے ہیں۔

افضل : بھائی۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں کسی بُری نیت سے مدد نہیں کرتا ہوں میں ایک شریف آدمی ہوں۔

تحسین : جا بھائی جا۔ تو ایک شریف ہے یا رذیل، اس سے ہمیں کیا مطلب؟ اپنا پتہ تار پر بھیج دینا، جب محنت مزدوری سے کہیں کچھ نہ پائیں گے تو تمھاری شرافت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

افضل : (خود سے) یہ اس طرح نہیں مانے گا۔ ظاہر ہونا پڑے گا۔ (ظاہر ہوکر) ارے بھائی لے لو۔

(تحسین کا ہاتھ پکڑ کر سمجھاتا)

تحسین : ہاتھ چھوڑ۔ میں واقف ہوں تجھ جیسے خبیثوں کے پیشے سے۔ اوہو۔ بڑے مدد کرنے آئے۔ قاضی جی کیوں دبلے۔ شہر کے اندیشے سے؟

افضل : تحسین! تو نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا؟

تحسین : ہیں۔ یہ تو میرا نام بھی جانتا ہے۔ بول بھائی! تو مجھے کب سے پہچانتا ہے؟

افضل : تحسین! وفاداری کے روشن ستارے۔ کیا تین برس کی مدت میں افضل کو بھول گیا؟

تحسین : یہ کون؟ تم کون؟ وہی، بالکل ویسا ہی۔

افضل : اچھے تحسین! کیا اب تک افضل کو نہیں پہچانا؟

تحسین : میرے آقا! میرے مالک!! ارے میری آنکھیں دھوکا کھارہی ہیں تم سچ مچ زندہ ہو؟

افضل : میں زندہ ہوں۔ میرے پیارے تحسین! میں زندہ ہوں۔

تحسین : تم زندہ ہو۔ میرے آقا! زندہ ہو۔ مجھے پکڑو۔ سنبھالو۔ میں خوشی سے دیوانہ ہوجاؤں گا۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک، تو زندہ ہے؟

افضل : تحسین! اپنے کو سنبھالو۔ اتنی خوشی؟

تحسین : ارے اب بھی خوش نہ ہوں؟ میرے آقا! آخر تم زندہ ملے۔ آؤ۔ تم اندر چلے آؤ۔ اپنی موجودگی سے بانو اور پروین کی تاریک دنیا کو روشن کرو۔

افضل : تحسین! تھوڑے روز اور صبر کرو۔ میں اس لباس میں ہر روز تم سے اور اپنے پیاروں سے ملنے کے لیے آؤں گا۔ انھیں دیکھوں گا، خوش ہوں گا۔ اور تمھاری در پردہ مدد کرتا رہوں گا۔ مگر جب تک ان بدمعاشوں کا جو مجھے خانماں برباد کرکے خود امن و امان سے بیٹھے ہیں اور چین کر رہے ہیں، پتہ نہ پا لوں، منیر کے اصل قاتلوں کو ڈھونڈھ نہ نکالوں، تب تک میرا ظاہر ہونا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ برے وقت کا کوئی شریک نہیں۔

تحسین : مگر یہ تو کہیے، آپ کیسے بچے؟ کدھر گئے؟ کہاں رہے؟ کیسے کٹی؟ کیوں کر لوٹے؟ یہاں تک کیسے پہنچے؟

افضل : تحسین! یہ بہت لمبی چوڑی دکھ بھری داستان ہے جو چند منٹوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ جب ہم تم اطمینان سے ایک جگہ بیٹھیں گے تو میں سب کچھ سناؤں گا۔ خود بھی روؤں گا، تمھیں بھی رلاؤں گا۔

تحسین : او خدا! تیری کیسی مہربانی۔ آج مجھے ثابت ہوگیا کہ دنیا میں کسی بے کس کی فریاد خالی نہیں جاتی۔ دیر یا سویر تو ضرور سنتا ہے۔ اور اس کی مدد کرتا ہے۔

افضل : تحسین! میری ظاہری حالت بھکاری جیسی ہے۔ مگر میں ٹرانسوال سے کروڑوں روپے کی دولت ساتھ لے کر آیا ہوں۔ اگر تم روزانہ ایک سو اشرفی خرچ کرو تو بھی ایک سو برس تک میری دولت ختم نہ ہوگی۔ اس لیے خدا کے شکریے میں میرے ساتھ شریک ہو۔ یہ اشرفیاں لو اور اپنی راحت کا سامان اور ایک عمدہ مکان خریدنے کی تجویز کرو۔ اگر کوئی تبدیلیِ حالت کی وجہ پوچھے تو کہہ دینا کہ میرے ایک دوست کے دولت مندر رشتے دار نے وفات پائی اور اُس کی تمام دولت ورثے میں میرے ہاتھ آئی۔

تحسین : اطمینان رکھیے۔ ایسی تھاپ دوں کہ دنیا پہیلی بوجھتی رہ جائے۔ آقا! یقین کرو کہ میں مصیبت سے جیا مگر اب خوشی کے مارے ضرور مر جاؤں گا۔

افضل : جاؤ تحسین! مصیبت دور کرنے میں جلدی کرو۔ کل میں پھر اسی وقت اسی جگہ تم سے ملوں گا۔

تحسین : ابھی چل دیے؟ مگر سچ کہیے آپ زندہ ہیں نا؟ کہیں میں خواب میں تو بادشاہی نہیں کر رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آنکھیں کھلنے پر فقیر کا فقیر رہ جاؤں؟

افضل : پیارے تحسین! اچھے تحسین!! خواب نہیں یہ عالمِ بیداری ہے۔

تحسین : جب دنیا اور دنیا کی ہر خوشی ہماری ہے۔ (گاتا)
سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا

(افضل کا اشرفیوں کی تھیلی دینا۔ تحسین کا گاتے گاتے جانا)

افضل : میرا معصوم کیسی میٹھی نیند سو رہا ہے۔ کتنی مدت کے بعد یہ آب حیات نصیب ہوا ہے۔ میری گلاب کی کلی۔ تو پھولے، پھلے بڑھے۔ اپنی عصمت اور پاکبازی کی خوشبو سے دنیا کو معطر کرے۔

بانو : (جاگ کر) امّی! تحسین ابا۔ تم کون ہو جی؟

افضل : بیٹا ڈرو نہیں۔ میں ایک فرشتہ ہوں۔ اور خدا کی طرف سے یہ اشرفیاں تمھیں دینے آیا ہوں۔

بانو : یہ تو سونا ہے۔ نہیں جی، میں امی کے پوچھے بغیر ہرگز نہیں لے سکتی۔

افضل : بیٹا لے۔ جب تمھاری امی سنیں گی کہ ایک فرشتہ دے گیا ہے تو کبھی خفا نہ ہوں گی۔ بھلا تمھارے ابا کہاں ہیں؟

بانو : اماں سے جب میں پوچھتی ہوں تو رو کر کہتی ہیں کہ وہ مرگئے۔ کیوں جی۔ ابا مرگئے تو کیا اب وہ ملنے نہ آئیں گے؟

افضل : نہیں بیٹا! وہ آئیں گے۔ اور تمھیں اس طرح گود میں لے کر اس طرح پیار کریں گے۔

(بانو کو گود میں لے لینا)

بانو : تم یہاں بیٹھو جی۔ امی پڑوس میں گئی ہیں۔ میں ابھی دوڑ کر بلا لاتی ہوں۔

افضل : نہیں بیٹا! کوئی ضرورت نہیں۔ آ بیٹا۔ مجھے پیار دے۔

بانو : تم مجھے بہت پیارے معلوم ہوتے ہو۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں اپنے ابا کی گود میں بیٹھی ہوں۔

افضل : اور مجھے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں اپنی بچی کو گلے سے لگا رہا ہوں...... آ میری پیاری پروین کی تصویر آ۔ (گلے سے لگا کر خود سے) کیسی منتظر اور غمگین آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی ہے۔ بول بٹی بول۔ پوچھ کہ میں کہاں تھا؟ پوچھ کہ میں کس حالت میں تھا؟ پوچھ کہ میں کیا کرتا تھا؟ (بانو کا چلے جانا) آہ۔ وہ سینہ کہ جس کے اوپر تین برس سے غم کی بھٹی سلگ رہی تھی، آج اُس پر برف رکھا گیا۔ کلیجے کے ناسور پر مرہم لگایا گیا۔ بانو کہاں گئی؟ شاید اپنی ماں کو بلانے گئی؟ افضل۔ چھاتی پر پتھر رکھ کر یہاں سے نکل جا۔ اگر پروین کا سامنا ہوا تو راز کھل جانے پر تیرا مطلب خبط ہوجائے گا۔ ہیں۔ یہ کون آرہے ہیں؟ اسد، بلیف اور غم زدہ پروین۔ یاخدا! یہاں کیا ہوگا؟ اور میں کیا کروں؟

(اسد اور پروین کا باتیں کرتے ہوئے آنا)

پروین : اسد! تھوڑے دن اور صبر سے کام لو۔ ہماری لاچاری اور مجبوری پر نظر کرو۔

اسد : تمھاری ضد سے میں اس کار روائی پر مجبور ہوں۔ جب تم سیدھی طرح سے راہ پر نہ آئیں تو پھر مجھے بھی آڑا راستہ چلنا ضرور ہوا۔

پروین : میری عاجزی اور میری حالت کی طرف دیکھو۔ تمھیں جو خدا نے دولت، راحت اور آرام دے رکھا ہے اس میں سے میں کچھ نہیں مانگتی۔ میں صرف اتنا ہی چاہتی ہوں کہ ہماری مصیبت کو اور زیادہ نہ بڑھاؤ۔ اپنے دوست کی بیوی پر نہیں تو نہیں ایک غریب بیوہ پر رحم فرماؤ۔

اسد : انسان کسی کا ہو رہے یا کسی کو اپنا کر رکھے۔ جب ایسی تنگ دستی کا وقت ہے تو کیوں بھول کرتی ہو؟ میں جو کہتا ہوں اسے کیوں قبول نہیں کرتی ہو؟

پروین : رہنے دے۔ رہنے دے۔ اپنے گندے منھ سے گندی باتیں مت نکال۔ جس

طرح طوفانی سمندر میں پتھر کی چٹان اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، اسی طرح میں بھی دکھ کے سمندر میں مصیبت کے تھپیڑے سہوں گی۔ مگر نہ ہلنے والے پہاڑ کی طرح عصمت اور ایمان پر قائم رہوں گی۔

اسد : یوں ہے؟ بہت اچھا۔ اب مجھے بھی تمھارے استقلال کا امتحان کرنا چاہیے۔ مسٹر بلیف تم اپنا کام شروع کر دو۔

پروین : بھائیو! اگر تمھارے دل میں خدا نے ذرا بھی رحم دیا ہو تو اپنا فرض بجا لانے سے پہلے اس قصائی کو سمجھاؤ کہ ایک بے گناہ کے گلے پر چھری نہ پھیرے۔

بیلف : ہم کیا کرسکتے ہیں؟ ہم تو قانون اور عدالت کے نوکر ہیں۔ اگر یہ راضی ہوں تو ہم جس دروازے سے آئے ہیں، اسی دروازے سے واپس جاسکتے ہیں۔

اسد : تم یہاں گپ مارنے آئے ہو یا اپنی ڈیوٹی پوری کرنے؟ ـــــ چلو اپنا فرض ادا کرو۔

پروین : ظالم! بیدادگر!! خدا کا خوف کر۔ یہ ٹھٹھرا دینے والا جاڑا، جس کے خوف سے جانور بھی باہر نہیں نکلتے اس میں تو چند پیسوں کے لیے ہم کو گھر سے باہر کررہا ہے؟

اسد : جلدی کرو۔

(بیلف کا اپنی کارروائی کرنا)

پروین : ارے ظالم! اوڑھنے کے لیے کمبل کو تو چھوڑ دے۔ ورنہ میری معصوم بچی اس ٹھنڈک میں کیسے جیے گی؟

اسد : جیے یا مرے، ہمیں کیا؟ تو اور وہ دونوں جہنم میں جاؤ۔

پروین : او خدا! جیسی تیری مرضی۔ میری بچی اور میں رات بھی سردی میں سکڑیں گے دھوپ میں جلیں گے اور ننگی زمیں پر سوئیں گے، گھاس پھوس سے بدن ڈھانکیں گے، بھیک مانگیں گے، فاقہ کشی کریں گے مگر اس ظالم کی کبھی خوشامد نہ کریں گے۔

افضل : (چھپے ہوئے اپنے آپ سے) شاباش۔ بہادر اور مستقل مزاج عورت شاباش۔ افسوس کہ وقت پر میں نے اس انمول ہیرے کی قدر نہیں کی۔ اب مجھے بانو کو ڈھونڈھنا چاہیے، تاکہ وہ شیطان کی رقم پھینک کر اس کے منھ پر تھوک دے۔

(افضل کا بانو کی تلاش میں جانا اور تحسین کا آنا)

تحسین : سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا (اسد کو دیکھ کر) اوہو۔ یہاں شیطان کے اکلوتے صاحب زادے بھی موجود ہیں؟ سنبھلنا بیٹا! تمھارے چچا بھی آگئے۔

پروین : تحسین! اب ہم کیا کریں گے؟

تحسین : ارے کریں گے کیا؟ ناچیں گے، گائیں گے اور دشمن کی کھوپڑی پر طبلہ بجائیں گے۔ سیّاں بھئے......

اسد : تحسین! مجھے پہچانتا ہے، میں کون ہوں؟

تحسین : ارے ہاں ہاں۔ میں تجھے کیا، تیری ہفتاد پشت تک کو جانتا ہوں۔ جاجا۔ اب دن بھر منھ نہ دکھانا ورنہ روزی نہ ملے گی۔

پروین : اچھے تحسین! یہ کیا ہے؟ گھر بھر میں کہرام دیکھ رہے ہو۔ اور تمھیں وحشت بھی نہیں آتی؟ کہیں شراب پی کر تو نہیں آئے ہو؟

تحسین : ماں۔ میں نے شراب تو نہیں پی ہے مگر خوشی سے مگن ہوگیا ہوں۔ تین برس کے بعد آج میں نے سورج کو دیکھا۔ آج ہر طرف مجھے اجالا ہی اجالا نظر آتا ہے۔ اے میرے فرشتے! آخر تو آسمان سے نیچے اترا اور مجھے ملا۔ ہاں یہ سب کھانے پینے کا سامان بھی اسی فرشتے نے دلایا ہے۔ اور کہا ہے کہ جا۔ کھا پی اور مزے کر۔ اور ان چاروں کے نام پر جھاڑو مار۔ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔ سیّاں بھئے......

پروین : تحسین! ذرا ہوش میں آؤ۔ اسد سرکاری آدمی لاکر ہمارے پاس جو کچھ ٹوٹا پھوٹا سامان ہے وہ بھی لیے جا رہا ہے۔

تحسین : جانے دے ماں۔ اپنے گھر کی نیستی لیے جا رہا ہے۔ (اسد سے) چل بے

اٹھا لے جا.... جب تیری لڑکی کی شادی ہوگی تو جہیز میں کام آئے گی۔

اسد : یہ بدزبانی؟ اس کام سے فراغت پانے کے بعد میں تیری بھی خبر لوں گا۔

تحسین : میری خبر؟ میری؟ کیوں بے اُس دن کی پٹخنی بھول گیا؟ چل دم خم ہو تو آ جا۔

اسد : اچھا بے اچھا۔ چلو مسٹر بیلف۔ اس کے کھانے پینے کے سامان پر بھی ضبطی کرو۔

تحسین : غلام کے جنے۔ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو تجھے کچا ہی کھا جاؤں گا۔

بیلف: جناب۔کھانے پینے کی چیزیں ضبط کرنے کا حکم نہیں ہے۔ یہ قانون کے خلاف ہے۔

اسد : میرے صاحب۔ قانون وانون کہاں سے لائے؟ قانون میں نہیں ہے تو اپیل کر کے اپنا مال واپس لے لیں گے۔

تحسین : جا بھائی جا۔ کاہے کو بھیجا کھا رہا ہے۔ کل صبح آنا اور اپنے کرایے کی رقم سود سمیت لے جانا۔

اسد : (خود سے) یہ اتنا بے دھڑک ہوکر بات کیوں کر رہا ہے؟ کوئی سہارا دینے والا تو نہیں مل گیا ہے؟ (مخاطب کرکے میں صبح وبح کچھ نہیں جانتا۔ ابھی کے ابھی سارے روپے لوں گا۔ ورنہ میں ایک تنکا بھی نہ چھوڑوں گا ـــــ مسٹر بیلف۔ کیا کھڑے سوچ رہے ہو؟ میں کتنی مرتبہ تمھیں تمھارا فرض یاد دلاؤں؟

تحسین : دیکھنا ہے کہ کون ہاتھ لگاتا ہے؟ سنبھلنا بچّا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ روپیہ لینے آئے ہو اور ناک کان دے کر جانا پڑے۔

پروین : نہیں تحسین۔ سرکاری آدمی کے ساتھ جھگڑا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک وفادار رعیت کی حیثیت سے ہمیں اپنے بادشاہ کے قاعدے اور قانون کی عزت کرنی چاہیے۔

اسد : پروین! اب بھی سمجھ جا۔

پروین : میں خوب سمجھ چکی ہوں۔

اسد : کیا؟

پروین : یہی کہ تو ایک نجس شیطان ہے اور شیطان سے جو نیکی کی امید رکھے وہ

نادان ہے۔

(افضل کا بانو کو ساتھ لے کر آنا۔ اور بانو کو اشرفیوں کی ایک تھیلی دینا)

افضل : بیٹا! دوڑی ہوئی جا اور یہ اشرفیاں اپنی امی کو جاکر دے دے۔
بانو : (تھیلی لیے ہوے) امی کاہے کو روتی ہو؟ نہ رو۔ یہ دیکھو، ایک فرشتہ یہ اشرفیاں دے گیا۔
تحسین : اہاہا۔ تمھیں بھی وہ فرشتہ مل گیا؟ ارے واہ رے میرے فرشتے! یار تو بھی خوب موقعے پر پہنچتا ہے۔
پروین : بیٹا! اشرفیاں کس نے دی ہیں؟
بانو : کہا نا کہ ایک فرشتے نے۔
تحسین : ہاں ہاں۔ وہی فرشتہ نا جو دو ٹانگوں پر چلتا ہے؟
پروین : اس نے اشرفیاں دینے کے بعد کیا کہا؟
بانو : اس کے بعد کہا۔ کہ اپنی سے کہوں کہ یہ اشرفیاں سپاہی کو دے دیں۔
تحسین : ابے لے بے اٹھا لے شیطان اور جا ہو یہاں سے دفان۔
اسد : گن کر دے۔
تحسین : ابے ہم گن کردیں گے تو ہمیں رئیس ہی کون کہے گا۔

(بیلف کو اشرفیاں دینا)

پروین : او خدا! تو ہی غریبوں کا مددگار ہے۔
تحسین : ابے لے۔ اب کس بات کا انتظار ہے؟ چل نکل۔
اسد : (خود سے) میرا شک ٹھیک نکلا۔ کسی بدمعاش نے بنی ہوئی بات بگاڑ دی۔
تحسین : اب جاتا ہے یا اور راستہ نکالوں؟

(تحسین کا سب کو زبردستی باہر نکالنا)

(پردہ)

باب تیسرا ـــــ سین پہلا

راستہ

(اسد، للو اور نبو کا مل کر گانا)

نبو : پان سے جتنے ڈارے بچا اس میں ہارے
ابو : ڈوب مرو چلو بھر پانی میں جاکے
اسد : ناس تمھارا مت شرماؤ
پان سے جتنے ڈارے....
نبو : منھ کالا کرکے گدھے چڑھ جاؤ۔
واہ واہ وا ایسوں کے ہاتھ سنڈے۔
ہوگئے بیٹا ٹھنڈے۔ ہوگئے بیٹا ٹھنڈے۔
اسد : چھوڑو نہ مجھ کو یاں سے جاؤ جاؤ۔
دیکھے ہیں کتے تجھ جیسے۔
نبو : پان سے جتنے ڈارے بچا اس میں ہارے
ڈوب مرو چلو بھر پانی میں جاکے۔
اسد : للو! یہ کیا ہوا؟
ابو : ہوا کیا، جیتی ہوئی بازی ہرگئی۔
نبو : اور جب آنکھ کھلی تو بچ شاخہ ہاتھ میں لیے پوچھتے پھرتے ہیں کہ بارات کدھر گئی۔
اسد : اب کیا کروں؟
نبو : جوتوں سے منھ پیٹو۔

ابو : میں تو کب سے اس فکر کے دریا میں سر نیچے ٹانگیں اوپر کیے ہوئے غوطے کھارہا ہوں کہ یہ پرائے پھٹے میں پاؤں ڈالنے والا، اگلے جنم کا کینہ اس جنم میں نکالنے والا آخر تھا کون؟

اسد : کوئی بھی ہو، مگر تھا یقیناً بڑا ہی پاجی آدمی۔

نبو : بے شک۔ پاجی نہ ہوتا، تو ہم جیسے شریفوں کے منھ ہی نہ لگتا۔

اسد : بس اب تو جی میں آتا ہے کہ اس خبیث کو پاؤں تو دُھن دوں یا ٹرامیے کے نیچے لمبا لیٹ کر اپنا خاتمہ کرلوں۔

نبو : دوست اگر تم مرگئے تو میں تمام دنیا والوں کی طرف سے تمھارا شکریہ ادا کروں گا۔

اسد : یہ کیوں؟

نبو : کیونکہ آج کل مہنگائی ہورہی ہے۔ اگر ایک آدمی کم ہوا تو کچھ اناج سستا ہوجائے گا۔

اسد : دوستو! تم مذاق سمجھتے ہو، مگر میں اپنی عزت اور تمھاری شرافت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کی تلاش میں شہر شہر، گلی گلی، سر پھوڑوں گا مگر چھاتی پر چڑھ کر ڈیڑھ چلو خون پیے بغیر اسے کبھی نہ چھوڑوں گا۔

(نبو کے سینے پر چڑھنے لگنا)

نبو : ابے یہ کیا کرتا ہے؟

اسد : اہاہا۔ دوست! معاف کرنا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت میرے سامنے کوئی دوست نہیں دشمن کھڑا ہوا ہے۔

نبو : یہی حالت ہے۔ جب تو تمھیں اکثر اپنے باپ کی جگہ گدھا نظر آتا ہوگا؟

ابو : دوست اسد! اور جو جی چاہے بکو، مگر خون وون کا نام نہ لو۔ اگر کسی پولیس والے نے سن لیا تو ابھی کوتوالی میں دھر گھسیٹے گا اور حوالات میں بند کرکے گدھے کی مار الگ پیٹے گا۔

اسد: اس سے بے فکر رہو۔ نوکری گئی تو کیا ہوا۔ لیکن اب بھی میرے ایک

اشارے سے ہوا کا رخ بدلتا ہے۔ ڈھائی گھڑی کی بادشاہی جاتی رہی تو کیا، ابھی تک رعیت اور پولیس میں اُسی طرح میرا سکہ چلتا ہے۔

ابو : اجی بندہ پرور! اپنی حکومت کے قلعے کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کے بھروسے پر نہ رہنا۔ رعب اور حکومت کی مثال آندھی کے جھونکے جیسی ہے۔ جب تک اس کا جوش اور زور قائم ہے، تب تک بڑے بڑے طاقتور درخت اس کے سامنے سر جھکانے کے لیے مجبور ہوجاتے ہیں، لیکن جہاں اس کی طاقت ختم ہوتی ہے تو پھر ادنیٰ سے ادنیٰ تنکا بھی اسے خاطر میں نہیں لاتا ہے۔

نبو : سمجھے۔ مطلب یہ ہے کہ پولیس کے ڈنڈے اور وردی کے ساتھ رعب اور اثر بھی اپنی ٹوپی اور لنگوٹی سنبھالتے ہوئے چلتے ہو چکے۔ اب اگر کسی کے ساتھ ذرا بھی چیں چپڑ کی تو فوراً بڑا گھر بساتا ہوگا اور اپنی بیوقوفی سے زیادہ آگے بڑھ گئے تو سیدھے کالا پانی جانا ہوگا۔

ابو : تو کیا ہوا۔ لوگ آب و ہوا بدلنے کے لیے کوہ مری اور شملہ جاتے ہیں۔ یہ سمجھیں گے کہ ہم دانہ پانی بدلنے کے لیے کالا پانی آ گئے۔

نبو : خیر۔ جس طرح اُس دنیا میں ہمارا جسم اور روح جہنم رسید ہوں گے، اسی طرح اس دنیا میں ہماری ترکیبیں جہنم واصل ہو چکیں۔ اب یہ کہو کہ آئندہ عاقبت کے لیے کون کون سی نیکیاں جمع کرنا چاہتے ہو؟

اسد : تم میرا آئندہ کے لیے ارادہ دریافت کرتے ہو؟

ابو : ہاں بھائی۔ کانگریس اور کانفرنس کی طرح ہماری پاجی جماعت کا بھی تو کوئی پروگرام ہونا چاہیے؟

اسد : ایک جواری جو جوے میں اپنا سب کچھ ہار گیا ہو، اس کا کیا ارادہ ہوتا ہے؟ ایک بھوکا شیر جس کا نگلا شکار اس کی آنتوں سے نکال لیا گیا ہو، اس کا کیا ارادہ ہوتا ہے؟

نبو : عجیب آدمی ہو۔ بات بات پر گرگٹوں کی طرح رنگ بدلتے ہو۔ مگر صاف صاف منھ سے کچھ نہیں اگلتے ہو؟

اسد : صاف یہ ہے کہ میں نے پروین کے ساتھ جو جنگ چھیڑی ہے، اُسے کامل

فتح یا کامل شکست پانے تک پوری طاقت کے ساتھ جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ رات کے وقت پروین کے گھر میں داخل ہوکر اُسے تم دونوں دوستوں کی مدد سے اپنے خفیہ تہہ خانے میں اٹھا لاؤں۔ پہلے قید اور آخر میں قتل کی دھمکی دے کر اس کی پارسائی اور غرور کو نیچا دکھاؤں۔

ابو : تم راستے کی ٹھوکر اور گڈھوں سے بے پروا ہوکر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے گناہ کی طرف چھلانگ بھرنے جا رہے ہو۔ اگر اب بھی تم حد کے اندر نہ رہے تو پیشین گوئی کرتا ہوں کہ عنقریب کسی ناگہانی مصیبت کے ساتھ ساتھ ٹھوکر کھاکر اپنا ہاتھ، منہ توڑو گے اور ساتھ ہی ساتھ ہمارا بیڑا بھی ڈبو کر چھوڑو گے۔

اسد : تمھارا کیا مطلب ہے؟

ابو : میرا مطلب یہ ہے کہ اگر پروین کے بارے میں آئندہ کوئی کارروائی کی تو میں تمھارا شریک نہیں۔

نبو : نہیں یار۔ برادری کا ساتھ چھوڑ دینا ٹھیک نہیں۔ دیکھ بھائی! جو چار چھ مہینے کی سزا پاکر جیل میں جاتے ہیں۔ اُن کا لمبی سزا والے مذاق اڑاتے ہیں۔ اس لیے اگر جہنم کے ممبروں میں اپنی ناک دو بالشت اونچی رکھنا چاہتے ہو تو دنیا سے اتنا گناہ کر کے جاؤ کہ پہنچتے ہی ہیڈ آفیسر کی جگہ تو پا جاؤ۔

اسد : دوست نبو! کہیں دوست دوستی کی آڑ میں کنّی بچاتا ہے؟ ارے یہ تو جس طرح جوان عورت بوڑھے شوہر سے نخرے کرتی ہے اسی طرح اپنے پرانے دوست سے 'نہیں' کہہ کر ناز اٹھوانا چاہتا ہے۔

نبو : دوست لاؤ! ہاتھ بڑھاؤ۔ جس طرح سلیپر پر سلیپر بجتی ہے اسی طرح میں بھی تمھارے ہاتھ سے وعدہ کا ہاتھ ملاتا ہوں۔

ابو : لیکن میں صاف لفظوں میں بلند آواز سے کہے دیتا ہوں کہ اس ارادے میں تمھارا شریک ہونا نہیں چاہتا۔

اسد : خیر جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اچھا مسٹر نبو! آج شام کو آپ کی تشریف آوری کا ٹوکرا کس چوراہے پر ملے گا؟

نبو : بھوت کا ٹھکانہ پیپل اور کہاں ملوں گا؟ اپنے مکان میں یا شراب کی دوکان میں۔

اسد : (ابّو سے) اور میرے فرشتہ خصلت دوست، آپ کی کہاں زیارت ہوگی؟

ابو : میں ٹھیک پتہ نہیں دے سکتا۔

اسد : اچھا تلاش کرلوں گا۔ لیجیے تسلیم!

ابو : تسلیم۔

اسد : اور آپ کو بھی۔

نبو : کیا؟

اسد : آداب۔

نبو : بہت اچھا، یہ لیجیے۔

(آ کر دباتا)

اسد : نبو! ہیں ہیں۔ یہ کیا؟

نبو : تم نے کہا کہ آ۔ داب۔ تو میں نے آ کر دبایا۔

(افضل کا بھکاری کے لباس میں گونگا بن کر آنا)

افضل : آآآ۔

نبو : سنبھلنا بھائی۔ یہ کیا بلا آئی؟

افضل : آآآ۔

اسد : کوئی بھکاری ہے۔

ابو : اور گونگا ہے۔

افضل : آآآ۔ آ۔ آ۔ آ۔

اسد : کہتا ہے میں بھوکا ہوں۔

نبو : بھوکا ہے تو کسی نانبائی کی دوکان پر جھپٹا مارے۔ ہم جیسے فاقہ مست تو خود دوسروں کے مال پر دانت لگائے رہتے ہیں۔ دوست اسد! جس راستے سے یہ منحوس آیا ہے اُدھر سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ یوں چلو۔

افضل : آ آ آ۔

اسد : ابے ہٹ۔ راستے میں تار کے کھمبے کی طرح آکر کیوں کھڑا ہوگیا؟

افضل : آ آ آ۔

نبو : دوست! سنبھلنا۔ کم بخت بڑا ڈھیٹ گونگا ہے۔ کہیں گونگے کے بھیس میں کوئی خفیہ پولیس کا آدمی نہ ہو؟

اسد : یار! لائے تو بڑی دور کی۔ ٹھہرو۔ گونگا ہے تو ابھی معلوم ہوجائے گا۔ (خالی طمنچے کا فائر کرنا) اونہہ ٹھوس۔ بالکل ٹھوس۔

ابو : غریب۔ زبان اور کان دونوں سے محروم ہے۔ (نبو سے) آنکھ پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو؟

نبو : میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ گونگا اتنی فاقہ مستی پر پھولا کتنا ہے؟ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی نے سائیکل کا پمپ لگا کر ہوا بھر دی ہو۔

اسد : یار نبو۔ ہم کو خفیہ تہہ خانے کو صاف رکھنے اور اوپر کا کام کاج کرنے کے لیے ایک آدمی کی سخت ضرورت ہے۔ اتفاق سے یہ گونگا، بہرا، جو نہ کسی کی سن سکے اور نہ کسی سے کچھ کہہ سکے، مل گیا ہے۔ اگر رائے ہو تو روٹی کپڑے پر نوکر رکھ لیں۔ اس سے اپنا کام بھی نکلوائیں گے اور ایک غریب کی مدد کرنے کا خدا کی طرف سے ثواب بھی پائیں گے۔

نبو : تجویز تو اتفاق کے قابل ہے۔ مگر مجھے اس کی چمگادڑ جیسی آنکھیں دیکھ کر خوف معلوم ہوتا ہے۔

ابو : چونکہ تم خود چوٹے ہو، اس لیے دنیا کو بھی چوٹا سمجھتے ہو ـــــ (افضل سے) ابے اے نوکری کرے گا؟

افضل : آ آ آ۔

ابو : ابے نوکری کرے گا؟

افضل : آ۔ آ۔ آ۔

اسد : ابے تجھے اس آ آ کے سوا اور کوئی راگنی بھی آتی ہے؟... ابے دگمبر ناتھ نوکری کرے گا؟

افضل : آ۔ آ۔ آ۔

ابو : لاحول ولا۔ کم بخت نے کان کے پردے پھاڑ دیے۔ ابے نوکری، نوکری، نوکری کرے گا؟

افضل : آ۔ آ۔ آ۔

ابو : ہت تیرے کی۔ اب پتھر میں جونک لگی۔ سمجھا تو سہی۔

اسد : لو بھائی ننو۔ لے چلو۔ یہ تو ٹھیک ہوگیا۔

ننو : لے چلو۔ اگر ٹھیک ہوگیا ہو تو اس کی مہربانی۔ ورنہ ایک دن ہم سب کو ٹھیک کر ہی دے گا۔

(سب کا جانا)

افضل : (خود سے) آہ، یہ ریاکاری کے پتلے، جنھیں میں بیوقوفی سے اپنا دوست جانتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میرے بعد میرے پیاروں سے محبت اور سلوک سے پیش آئیں گے اور ان کو مصیبتوں سے بچانے کے لیے اٹل دیواریں بن جائیں گے۔ مگر افسوس، جب میں اس خیال کو دل میں لیے ہوئے واپس آیا تو کیا دیکھا۔ ان ہی دوستوں کی شرارت اور تکلیف دہی سے ایک دوست کا گھر جل رہا ہے اور اس میں سے ایک بے کس عورت اور معصوم بچی کے سلگتے ہوئے دل کا دھواں نکل رہا ہے۔ اے ہوا جا اور ان بدمعاشوں سے کہہ دے کہ افضل غصہ، جوش اور انتقام کے ہتھیاروں سے مسلح ہو رہا ہے۔ کم بختو! اپنی زندگی بچاؤ۔ اپنے گناہوں کو چھپاؤ، اپنی چالاکیوں کو اپنی مدد کے لیے بلاؤ۔ میں تمھاری ناپاک ہستی کی بنیادیں ہلا دوں گا میں تمھارے اطمینان کے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ میں آندھی بن کر آیا ہوں، سیلاب بن کر گھیروں گا اور برق بن کر تمھیں اور تمھاری بدمعاشیوں کو جلا کر خاک کردوں گا۔ ؎

کرتے ہیں شور ارض و سما انتقام لے
غل کر رہی ہے آب و ہوا انتقام لے

سلور کنگ

رگ رگ سے آ رہی ہے صدا انتقام لے
چلا رہی ہے روح کہ جا انتقام لے
ہاں۔ آؤ آؤ بدگہرو۔ سر لیے ہوئے
روئیں کھڑے ہیں جسم پہ خنجر لیے ہوئے

باب تیسرا ـــــــ سین دوسرا

پُرانا مکان

(افضل کا چوکیداری کرتے دکھلائی دینا)

افضل : ـ

آشوبِ قلب رات کی مٹھی میں بند ہے
خاموش سارا عالم شورش پسند ہے
فکر طرب کسی کو نہ خوف گزند ہے
چپ چاپ گہری نیند میں پست و بلند ہے
اس وقت صرف ایک یہی دل فگار ہے
جس کو نہ نیند ہے، نہ سکون و قرار ہے

خداوند! جس طرح دنیا کے بھاگے ہوئے گنہ گاروں کو تیرے عذاب کے فرشتے قبر میں آ کر جکڑ لیتے ہیں اور اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے نفرت کی لاتیں مار کر دوزخ میں ڈھکیل دیتے ہیں، اسی طرح میں نے بھی تجھ سے طاقت پا کر، ان بدمعاشوں مجرموں کا پتہ لگا کر اس تاریک غار میں گھیر لیا ہے۔ قریب ہے وہ زمانہ جب میں ان کی گردنیں پکڑ کر ٹھوکریں مارتا اور ان کے ذلیل منھ پر تھوکتا ہوا انھیں جیل خانے کے جہنم میں لے جاؤں گا اور پھر اپنے مغموم فرشتے کو تیرے آسمان کے نیچے، زمیں والوں کے سامنے اپنے سینے سے لگاؤں گا۔ اور ان کے ساتھ مل کر اپنی روح کی زبان سے تیری حمد گاؤں گا۔

(ابو کا آنا)

ابو : تم اکیلے ہو؟

افضل : (اشارے سے) انتقام کا خیال اور تمھارے گناہوں کے ثبوت دونوں میرے ساتھ ہیں۔

ابو : میرے اور تیرے سوا اور بھی کوئی یہاں ہے؟

افضل : (اشارے سے) وہ تمام جرم جو تم نے اس چہار دیواری کے اندر کیے ہیں۔

ابو : کوئی آیا تھا؟

افضل : (اشارے سے) نہیں۔

ابو : کوئی نہیں آیا تھا تو پھر یہ روشنی کیوں کر رکھی ہے؟

افضل : (اشارے سے) تاکہ عذاب کے فرشتے تمھارے گناہ آسانی سے دیکھ سکیں۔

ابو : کھانا کھا چکا؟

افضل : (اشارے سے) مگر روح انتقام کی بھوکی ہے۔

ابو : (خود سے) آج یہ گونگا کچھ اداس معلوم ہوتا ہے۔ ہیں۔ یہ کون؟ اسد؟ اور یہ کسے اٹھائے ہوئے لا رہا ہے؟ اوہ یہ تو پروین ہے۔ ؎

آخر کچھ انتہا ہے کب تک جفا کرے گا
اتنا تو کرچکا ہے اب اور کیا کرے گا

(اسد کا پروین کو بے ہوشی کی حالت میں اٹھاکر لانا)

افضل : (خود سے) میرے خدا! یہ میں کیا دیکھتا ہوں؟ نیکی بدی کے ہاتھ میں؟ فرشتہ شیطان کے قبضے میں؟ بہشت دوزخ کے قابو میں؟ اوہ تو۔ ہاں تو اس کی مدد کر۔ ورنہ اپنا غصہ پوری طاقت سے اتاروں گا۔ اس تیری مٹی کے بنائے پتلے کو جس میں شیطان نے اپنی روح ڈال دی ہے، توڑ پھوڑ کر اس زمین پر دے ماروں گا۔ ؎

کر رہی ہیں ستم وقت کی فریاد آنکھیں
ساتھ آنسو کے نہ بہہ جائیں یہ ناشاد آنکھیں

نہ تو اندھی ہیں، نہ پتھر ہیں، نہ فولاد آنکھیں
دیکھ سکتی نہیں نظارۂ بیداد آنکھیں
بوجھ دنیا کا ہے یہ ہستی ناپاک اس کی
ٹھوکروں سے نہ اڑاؤں میں کہیں خاک اس کی

ابو : اسد! یہ کیا؟ یہ کون؟ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

اسد : کون ہے، یہ تیری آنکھیں بتلائیں گی اور میں کیا کرنا چاہتا ہوں، یہ اس کے ہوش میں آنے پر معلوم ہوگا۔

ابو : اسے کس نیت سے لائے ہو؟

اسد : اس نیت سے کہ ایک مرد کا ارادہ ایک عورت کی ضد پر فتح یاب ہو۔ مدتوں کا پیاسا عشق حسن کے چشمے سے سیراب ہو۔

ابو : مگر یہ بات کیوں کر حاصل ہوگی؟

اسد : خوشامد سے، وعدوں سے، قسموں سے، انکساری سے، ناز برداری سے، اظہار محبت اور وفاداری سے اور سب سے آخر میں جبر اور جفا کاری سے۔ ؎

میں بلا ہوں اور بلا اب سر سے ٹلنے کی نہیں
میرے آگے ایک بھی اب اس کی چلنے کی نہیں
جیسے ہو، جس طرح ہو، اپنی بناؤں گا اُسے
پیار کرنا میں زبردستی سکھاؤں گا اُسے

ابو : میرا دل اندر سے کہتا ہے کہ تیری ناپاک ہوس، اس کی پاک دامنی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی ہے۔

اسد : مگر مجھے میرے ارادے میں روکنے والا کون ہے؟

ابو : میرا سمجھانا۔

اسد : میں تیری سننا نہیں چاہتا۔

ابو : تو انسانیت کا خیال۔

اسد : اس کو میں فضول سمجھتا ہوں۔

ابو : اس کی آہ و زاری۔
اسد : وہ مجھ پر اثر نہیں کر سکتی۔
ابو : تو دنیا کی شرم؟
اسد : اس کی میں پرواہ نہیں کرتا۔
ابو : خدا کا خوف؟
اسد : اس کا میں اندیشہ نہیں کرتا۔
ابو : گرفتاری کا ڈر؟
اسد : اس کا میں انتظام کر چکا ہوں۔
ابو : دیکھ اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔
اسد : اسد تم سے زیادہ سمجھتا ہے۔
ابو : میں پھر کہتا ہوں کہ پچھتائے گا۔
اسد : کیا تو میرے ساتھ میری قبر میں بھی جائے گا؟ ؎

سونا نہیں ہے تجھ کو تو کچھ میری گور میں
جانے دے جا رہا ہوں جدھر اپنے زور میں
ڈر ہے اگر تو مجھ کو ہے روز سیاہ کا
دے لوں گا میں خدا کو جواب اس گناہ کا

ابو : خیر سلام۔ تو جانے اور تیرا کام۔ ؎

اتنا سمجھانے پہ اثر نہ ہوا
ایک پتھر ہوا بشر نہ ہوا
خاک چھانے گا خاک چاٹے گا
جیسا بوتا ہے ویسا کاٹے گا

(ابو جانا چاہتا ہے کہ افضل آگے بڑھ کر روکتا ہے)

افضل : (اپنے آپ کو ظاہر کر کے) رحم دل شخص۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

ابو : یہ کون بولا؟ تو؟

افضل : ہاں۔

ابو : تو بات کر سکتا ہے؟

افضل : آہستہ۔

ابو : تو گونگا نہیں ہے؟

افضل : چُپ۔

ابو : تو ہمارا بھید لینے کے لیے گونگا بن کر نوکر ہوا تھا؟

افضل : ہاں۔

ابو : میرے خدا! آج اس ناپاک جگہ میں داخل ہوتے وقت ہی میرے دل نے جو پیشین گوئی کی تھی، آہ وہ سچ نکلی۔

افضل : میرے بھائی! میں نے تمھارے سارے گناہ معاف کر دیے۔ خدا کے لیے اسے بچاؤ۔ اس پر نہیں تو اس کی عزت و آبرو پر رحم کھاؤ۔

ابو : مگر تجھے اس کے ساتھ کیوں ہمدردی ہے؟

افضل : اندر چلو، میں سب سمجھاتا ہوں۔

(دونوں کا اندر جانا، پروین کا ہوش میں آنا)

پروین : خدا! پناہ تیری۔ کیا ڈراونا بھیانک خواب تھا۔ ؎

دم گھٹ چلا تھا پنجۂ بیداد و جبر میں
گویا کہ دفن تھی میں مصیبت کی قبر میں
دیتا رہا دماغ کو کیا کیا عذاب خواب
اللہ نہ پھر دکھائیو، ایسا خراب خواب

اسد : پروین! اُٹھو۔ ؎

دفتر اوراقِ غم محتاج ہے تقریر کا
خواب پورا ہوچکا اب وقت ہے تعبیر کا

پروین : یا خدا! یہ تو سچ مچ عالم بیداری ہے۔ میرے سامنے وہی مجسم سیہ کاری ہے۔ ے

الٰہی کس کو پکاروں میں بے نوائی میں
یہ ظلم تیری زمیں پر تری خدائی میں
تو ہی بچائے گا آکر تو بچ سکے گی جان
غریب گائے کو گھیرا ہے اک قصائی نے

اسد : پروین! دیکھ، ادھر دیکھ۔ میرا درجہ، میرا غرور، عزت، شوکت، شان سب تیرے قدموں کے سامنے محبت کی بھیک مانگنے کے لیے جھکے ہیں۔ ے

اس عرض، اس نیاز کو، اس التجا کو دیکھ
آ بے مروت، اپنے شہیدِ وفا کو دیکھ
آنکھیں اٹھا، نگاہ ملا، بے نوا کو دیکھ
اے بادشاہ حسن، بھلا ہو، گدا کو دیکھ
میری تمام خواہشیں دنیا کو چھوڑ کے
اب سامنے کھڑی ہیں ترے ہاتھ جوڑ کے

پروین : اسد! مجھے جانے دے، چھوڑ دے، راستہ دے۔ تو نے اب تک مجھے سینکڑوں مرتبہ ستایا۔ مگر میں نے اس پر بھی بددعا کے لیے ابھی تک ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ے

پھونک دینے کے لیے نالوں میں کم آگ نہیں
سن کے خوش مت ہو، یہ فریاد ہے کچھ راگ نہیں
چیر جائے جو جگر کو وہ چھری ہوتی ہے
خوف کر! آہ غریبوں کی بری ہوتی ہے

اسد : مجھے بتا کہ مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہے؟

پروین : مجھے بتا کہ تیری کس چیز کے لیے عزت کروں؟

اسد : مجھ میں کیا کمی ہے۔ کیا میں دولت مند نہیں ہوں؟ معزز نہیں ہوں؟ جواں مرد نہیں ہوں؟ سینکڑوں بلکہ ہزاروں میں فرد نہیں ہوں؟

پروین : تم دولت مند، معزز، جواں مرد کچھ بھی نہیں ہو۔ دولت مند ہوتے تو اپنے

دل کی سخاوت دکھاتے معزز ہوتے تو دوسروں کی بے عزتی کرنے سے خوف کھاتے۔ مرد ہوتے تو بزدلوں کی طرح ایک بے کس عورت کو کبھی نہ ستاتے۔ ؎

دیکھو تو ایک ہیرا جو پرکھو تو سنگ ہے
وہ پھول ہے تو جس میں نہ بو ہے نہ رنگ

اسد : غور کر اور پھر بول۔ تو ایک شریف آدمی پر حملہ کر رہی ہے۔

پروین : شریف؟ تو اور شریف؟ ؎

نئی عادت، نئی خو بو، نئے ارمان پیدا کر
تو اپنی خاک سے اک دوسرا انسان پیدا کر
وہ جوہر مرگئے جو، اُن میں سے پھر جان پیدا کر
شریفوں میں جو کھپنا ہے تو ان کی شان پیدا کر
شریف انسان وہ ہے جو شریفوں کا چلن سمجھے
پرائی ماں بہن کو خاص اپنی ماں بہن سمجھے

اسد : دیکھ میرا دل مت توڑ۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور محبت کرتا رہوں گا۔

پروین : تم محبت کرتے رہوگے؟

اسد : ہاں۔

پروین : مگر کب تک؟

اسد : جب تک سینے میں دل ہے۔

پروین : مگر دل کب تک ارادے پر قائم رہے گا؟

اسد : جب تک زندگی ہے۔

پروین : مگر زندگی کب تک سچائی میں بسر ہوگی؟

اسد : جب تک خدا کی مرضی ہے۔

پروین : جب تو تم اپنی محبت اور وعدوں کو واپس لے لو۔

اسد : کیوں؟

پروین : کیونکہ جو شخص دن بھر میں ہزار مرتبہ خدا کی مرضی کے خلاف کام کرنے کو تیار ہے، اس کی محبت اور وعدوں کا کیا اعتبار ہے۔ ـ

نگاہ پلٹاتے دیر کیا ہے، جب اُس کا خوف و خطر نہیں ہے
غریب بندوں سے کیا ڈرے گا، جسے خدا کا بھی ڈر نہیں ہے
خدا کے حکموں کو جس نے توڑا، ہوا جو ثابت مدام جھوٹا
اُس آدمی کے قرار جھوٹے، زبان جھوٹی، کلام جھوٹا

اسد : بس۔ ـ

یہ بے پروائی، خود آرائی صرف اک امتحاں تک ہے
ذرا دیکھوں تو میں انکار کی ہمت کہاں تک ہے
تری جیسی ہزاروں عورتوں کو میں نے جیتا ہے
میں اپنے وقت کا راون ہوں، سمجھی، گر تو سیتا ہے

پروین : اگر تو مجھے سیتا سمجھتا ہے تو یہ بھی سمجھ لے کہ جس طرح سیتا کے سامنے راون اپنے ارادوں میں ذلیل ہوا۔ اسی طرح تو بھی میرے سامنے اپنی خواہشوں میں ناکامیاب ہوگا۔

اسد : مگر سیتا کو مدد دینے کے لیے تو رام موجود تھے۔ تجھے کون بچائے گا؟

پروین : سیتا کو اس کے رام نے بچایا تو مجھے میرا رحیم بچائے گا۔ ـ

فنا ہوجائے گا تو اور جو تیرا ارادہ ہے
کہ طاقت میں مرا زندہ خدا تجھ سے زیادہ ہے

اسد : ـ

نہ چھری میں ہے، نہ خنجر میں، نہ شمشیر میں ہے
جتنی تیزی ترے لہجے، تری تقریر میں ہے
خیر! دیکھ آنکھ سے اب جو تری تقدیر میں ہے
زور صیاد کے بازو میں، کہ نخچیر میں ہے

وقتِ بد سر پہ تری خانہ خراب آ پہنچا

پروین : او خدا!

اسد : ہاں۔ ۔۔

دیکھ وہ دیکھ کہ اک اور عذاب آ پہنچا

(نبو کا پروین کی لڑکی بانو کو لے کر آنا)

پروین : (بانو کو دیکھ کر) میری بچی! میری معصوم! تو یہاں کیوں کر آئی؟

بانو : (نبو کی طرف اشارہ کرکے) انھوں نے کہا کہ تمھاری امی بلاتی ہیں۔

پروین : دغا باز، جلّاد! ۔۔

مجھے جلنے دیا ہوتا اکیلا آتشِ غم میں
اٹھا لائے ہو کیوں اس بے گنہ کو اس جہنم میں

نبو : بے شک۔ یہ جہنم کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ مگر اس جہنم کو جنت بنانا تیرے قبضۂ اختیار میں ہے۔ ۔۔

زمیں کو دم میں چمن زار آسماں کر دے
جو ایک بار تو اپنی زباں سے ہاں کر دے
درست پھر سے خطِ سر نوشت ہوتا ہے
ابھی بدل کہ یہ دوزخ بہشت ہوتا ہے

پروین : ۔۔

زمین اور آسمان بدلے، مکین بدلے مکان بدلے
مگر یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ میری بات اور زبان بدلے
جہاں تک اس جسمِ ناتواں میں مرے یہ جانِ حزیں رہے گی
نہیں کہا تھا، نہیں کہوں گی، ہمیشہ لب پر نہیں رہے گی

اسد : اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو میں تیرے سامنے تیری دنیا اور تیری کوکھ اجاڑ

دوں گا۔ اس کی زندگی کی کتاب کا ایک ایک ورق نوچ کر پھاڑ دوں گا۔ ۔

پیروں میں تو گری نہ اگر ہاتھ جوڑ کر
رکھ دوں گا اس کھلونے کو میں توڑ پھوڑ کر
واقف نہیں ہے تو ابھی میرے جنون سے
نہلاؤں گا تجھے تری بیٹی کے خون سے

پروین : نہیں نہیں۔ یہ انتہا درجے کی بزدلی ہے۔ تجھے اگر برائی سے پیش آنا ہے تو میرے ساتھ پیش آ۔ ۔

ایک بچے پہ ستم تجھ پہ سزاوار نہیں
میں خطاوار ہوں تیری، یہ خطاوار نہیں
انتقام اپنا سیہ بخت، سیہ کار سے لے
بدلہ لینا ہے تو تو اپنے گنہ گار سے لے

اسد : اگر اس کے لیے میرے دل میں رحم پیدا کرنا چاہتی ہے تو میرے جواب میں ہاں بول۔

پروین : ہاں بولوں گی۔

اسد : کب؟

پروین : جب منہ میں زبان نہ ہوگی۔

اسد : تو ایک لمحے کے اندر اس کے جسم میں بھی جان نہ ہوگی۔

پروین : بلا سے۔ ہمیشہ ماں بیٹی پر صدقے ہوا کرتی ہے۔ میں آج سمجھوں گی کہ بیٹی اپنی ماں کی عزت پر قربان ہوگئی۔ ۔

مری ہر ناز برداری کا بدلہ دے دیا اس نے
پیا تھا دودھ میرا، کردیا اب حق ادا اس نے

اسد : یہ آخری جواب ہے؟

پروین : ہاں۔

اسد : یہ آخری فیصلہ ہے؟

پروین : ہاں۔ ہاں۔

اسد : کیا تجھے اپنی اولاد عزیز نہیں؟

پروین : اگر شوہر کی عزت و آبرو پر آنچ آتی ہے تو اولاد کیا، تمام دنیا کوئی چیز نہیں۔

اسد : اگر تجھے یہی قبول ہے تو بحث فضول ہے۔ ۔

دیکھنا لرزش نہ آنے پائے شکر و صبر میں
زندگی کا چاند چھپتا ہے فنا کے ابر میں
لے، چلی یہ دیکھ، تجھ سے پہلے، تیری قبر میں

(لڑکی کو مارنے کی کوشش کرنا۔ ابو کا ظاہر ہوجانا)

ابو : خبردار! بدخصلت!! بدخصال!!! خدا کی دی ہوئی طاقت کا ایسا ناجائز استعمال؟ ۔

تیری جیسی جہاں میں بے غیرت
کوئی ہستی نظر نہیں آتی
ایک بچے پہ ہاتھ اٹھاتا ہے
شرم تجھ کو مگر نہیں آتی

اسد : تو پھر آیا؟

ابو : ہاں۔

اسد : کیوں؟

ابو : تاکہ دو مظلوموں کو بچا لوں۔ تیرے ظلم کی چھری تیرے ہاتھ سے چھین کر توڑ ڈالوں۔

اسد : کیا تو مجھ سے خلاف ہوگیا؟

ابو : ہاں۔ وہ آئینہ جو تیری محبت میں سیاہ پڑگیا تھا وہ اب توبہ کے آنسوؤں سے صاف ہوگیا۔

اسد : تو کیا تو ایک شیر کے منھ سے اس کا شکار چھین لینا چاہتا ہے؟

ابو : اگر تو شیر ہے تو اس کو چھوڑ دے۔

اسد : کیوں؟

ابو : کیوں کہ یہ قسمت کا شکار ہے اور شیر دوسروں کا مارا ہوا شکار کبھی نہیں کھاتا ہے۔

اسد : ابو! تیری باتوں سے دغابازی ٹپک رہی ہے۔ دوستی کی دنیا میں تو مجرم نظر آتا ہے۔

ابو : اگر دوستی کی دنیا میں دغا کرنا جرم ہے تو سب سے بڑا مجرم تو ہے۔

اسد : کس طرح؟

ابو : اس طرح کہ منیر اور افضل بھی کبھی تیرے دوست تھے۔ مگر تو نے اس دوستی کا حق یوں ادا کیا کہ ایک کا اپنی پستول سے خون بہایا اور دوسرے پر قتل کا الزام لگایا۔ وطن سے بے وطن بنایا۔ اور اس کی بیوی بچے کو اس حالت پر پہنچایا۔

پروین : او خدا! او خدا!! آخر تیرا انصاف اندھیرے میں چھپے ہوئے مجرم کو روشنی میں لایا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ثابت کر دکھایا۔ ؎

ایک ایک روئیں کی ہے زباں پر ہزار شکر
زندہ ہوں تو کروں گی ترا بار بار شکر

اسد : افسوس۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تو اتنا بڑا دشمن نکلے گا؟

ابو : اور مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ تو آگے بڑھ کر اتنا بڑا پاجی ثابت ہوگا۔

اسد : دیکھ پچھتائے گا۔

ابو : جس نے گناہ کیا ہے۔

اسد : ذلیل ہوگا۔

ابو : جس نے دغا کی ہے۔

اسد : برباد ہوجائے گا۔

ابو : جس نے خون کیا ہے۔

اسد : خیر۔ ؎

اتنے ستم کیے ہیں تو ملعون اور بھی
دو خون ہو چکے ہیں تو اک خون اور بھی

(مارنا چاہتا ہے کہ افضل آکر گردن پکڑ کر دھکا دیتا ہے)

افضل : خبردار! ـــ

طاقت تری تمام سیہ کار ہو چکی
جور و ستم کی ختم شب تار ہو چکی
کھول آنکھ اب کہ صبح نمودار ہو چکی

اسد : کون؟ گونگا۔ تعجب! حیرت!! تجھے زبان مل گئی؟

افضل : ہاں! اور زبان کے ساتھ تجھ پر لعنت کرنے کے لیے ہزاروں لفظ بھی مل گئے۔ بدبخت عورت! اُٹھ۔ غریب بچی! آ۔ ـــ

جنھیں اُس کا بھروسا ہے وہ ان کے کام آتا ہے
ہزاروں ہاتھ ہیں جن سے وہ بندے کو بچاتا ہے

اسد : بدمعاش! ٹھہر۔

افضل : (پستول دکھا کر) بس وہیں۔ ـــ

میں ٹھوکروں سے زمیں کو غبار کر دوں گا
قدم بڑھا تو دھواں سر سے پار کر دوں گا

(موسیقی)

باب تیسرا ـــــــ سین تیسرا

مرزا چونگا کا مکان

مرزا چونگا:لاحول ولاقوۃ! ایک تو دن بھر بیوی سے جرح کرتے کرتے میرا سر پھر جاتا ہے۔ دوسرے ان خر مغزے موکلوں کی مقدمہ بازیوں سے دماغ کو زکام ہو جاتا ہے۔ کورٹ کے مقدمے سے فراغت ملی کہ بیوی کے اجلاس کی نوبت آئی۔ ریشمی ساڑی لادو۔ اطلس کی جاکٹ بنوا دو۔ ڈاسن کا بوٹ چاہیے۔ انگلش سوٹ چاہیے۔ غرض فرمائشوں کی بوچھار سے، بوٹ کے ٹانکوں کی طرح میرے سر کے بال اکھڑ جاتے ہیں۔ قانونِ شہادت کی دفعوں کی طرح بیوی کے احکام یاد رکھنا پڑتے ہیں۔ اور خدا نخواستہ کبھی بھول ہوگئی تو دفعہ دو سو تین کی رو سے عدم تعمیل حکم میں مجرم قرار دیے جاتے ہیں۔ (پکارتا) او زیٹک!

(زیٹک کا آنا)

زیٹک : حاضر سرکار۔

مرزا چونگا :احکامات مجازیہ، دفعہ چار سو پانچ کی رو سے میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ پہلے ہمارے کھانے کا ٹیبل سجا۔ اور پھر ہماری معزز اور واجب التعظیم بیوی کو بلا لا۔

زیٹک : کیا حضور! آپ کی دو بیویاں ہیں؟

مرزا چونگا :ہت تیری ایسی تیسی۔ ابے دو بیویاں کیسی؟

زیٹک : ابھی آپ نے نہیں فرمایا۔ معزز اور واجب التعظیم۔

مرزا چونگا :نعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

زیٹک : اور سنو۔ معزز اور واجب التعظیم تو تھی ہی، یہ شیطان الرجیم کہاں سے نکلی؟
مرزا چونگا :ابے جا اور بیگم صاحبہ کو بلا لا۔
زیٹک : بہت خوب۔ جناب عالی۔

(زیٹک کا کھانے کی ٹیبل سجانا اور جانا)

مرزا چونگا :لاحول ولا قوۃ۔ کم بخت بیوی اور موکل میرا بھیجا کھانے کو کیا کم تھے جو یہ نوکر بھی نمرودی مچھر کی طرح میرا دماغ چاٹتا ہے۔

(زیٹک کا پھر آنا)

زیٹک : حضور! آپ کی معزز اور واجب التعظیم بیگم صاحبہ تو آپ پر بہت خفا ہیں۔ کہتی ہیں کہ تم ہی زہر مار کرو۔ میں تو مناتے مناتے تھک گیا۔ آپ ہی جاکر ہاتھ پاؤں پڑو۔
مرزا چونگا :یہ لو۔ اب تک تو زبانی فقرے بازی تھی اب پاؤں پڑنے کی نوبت آئی۔ اچھا میری مائی۔ میں چلتا ہوں میرے بھائی!

(مرزا چونگا اور زیٹک کا جانا اور نبو کا بیلف کے خوف سے مکان میں آنا)

نبو : ہائے ہائے۔ کم بختی پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ چھپتے چھپاتے بڑی سڑک تک پہنچا تھا کہ سامنے سے قطب صاحب کی لاٹ کی طرح اسی بیلف کی شکل نظر آئی۔ آخر الٹے پاؤں اسی گھر میں پھر میں بھاگ آیا۔ پر وہ سترہ باپ والا کہاں گیا؟ او ہو ہو۔ یہاں تو ہماری دعوت کا سامان مہیا ہے۔ چلو بیٹا نبو۔ پولیس کی جوتیاں کھانے سے پہلے کھانا تو پیٹ بھر کھا لو۔ آہا ہا۔ مزے دار کٹلس، ٹیس دار کباب، فائن وہسکی، لذت دار مٹن چاپ۔ مگر کوئی آجائے تو گھونسوں کا کچومر اور جوتوں کی چٹنی بھی کھانی پڑے گی۔ اررر۔ کوئی آرہا ہے۔ اب کہاں جاؤں، کہاں چھپوں؟ کم بخت! پیٹ بھی پورا بھرنے نہیں پایا تھا کہ بدہضمی کی ڈکار کی طرح وہی سترہ باپ والا آن پہنچا۔ ٹھیک ہے۔ اس

کباٹ میں چھپ جاؤں۔ مگر یہ دی ہوئی خدا کی نعمتیں کیوں چھوڑوں؟ بس اپنا گھر بھلا اور آپ بھلے۔ اب سترہ باپ والا چولھا پھونکے یا گلگلا تلے۔

(تبو کا کھانا لے کر کباٹ میں چھپنا۔ مرزا چونگا کا مع بیوی کے آنا)

زلفن : نہیں نہیں۔ میں نہ مانوں گی۔ تم میرے لیے آئی گلاس نہیں لائے اور میں نے جیلی کا ڈبا منگایا وہ بھی ابھی تک نہیں آیا۔

مرزا چونگا : (خود سے) لو جرح شروع ہوگئی (مخاطب ہوکر) اتنی خفا کیوں ہوتی ہو؟

زلفن : خفا کیوں نہ ہوں۔ آخر تم پر میرا حق ہے یا نہیں؟

مرزا چونگا : کیوں نہیں؟ تمھارا تو ایسا حق ہے جیسے ماں کا اولاد پر یا نانکہ کا تماش بینوں کی جائداد پر۔ قانونِ حقوق دفعہ نو سو بیں۔ مگر آج ذرا مجھے مقدموں سے فرصت نہیں ملی، اس وجہ سے نہیں لایا۔

زلفن : تمھیں میرے کام کی فرصت نہیں تو جاؤ مجھے بھی بات کرنے کی فرصت نہیں۔

مرزا چونگا : قانونِ روٹھا روٹھی دفعہ چار سو چھ۔ ارے مان جاؤ۔ دیکھو تم نے بھی صبح سے کھانا نہیں کھایا اور میں بھی بھوکا ہوں۔ آو، کھانا کھاؤ۔

زلفن : تم تو روز یوں ہی باتیں بناتے ہو۔ جتنا میں کچھ نہیں بولتی، اتنا ہی مجھے دباتے ہو۔

مرزا چونگا :(خود سے) ارے دن بھر گراموفون کی طرح بجا کرتی ہے اور پھر کچھ نہیں بولتی۔

زلفن : مجھے آج جیلی چاہیے۔ نہیں تو پھر کبھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔

مرزا چونگا :قانونِ ناز و انداز۔ دفعہ پانچ سو پچیس۔ اچھا آؤ۔ مان جاؤ۔ (ٹیبل کی طرف دیکھ کر) ہیں کھانا غائب۔ ٹیبل خالی (پکارنا) ارے زیٹک اور زیٹک!

زیٹک : حاضر جناب عالی!

مرزا چونگا : کیوں بے موالی! یہ ٹیبل پر سے کباب، کٹلس، مسکا روٹی کس نے کھائی؟

زیٹک : مجھے کیا معلوم حضور۔ وہ سب میں کیونکر کھا جاتا۔ میرا پیٹ ہے یا نانبائی کا

تندور؟

نبو : (اندر سے) ـ

زباں میں لذت کٹلس، دماغ میں ہے سرور
خدا نے بھیج دی جنت سے یہ شراب طہور

زلفن : کھانا نہ دانا؟ تم نے خواہ مخواہ مجھے بنایا۔ ڈیڑھ گھنٹے میرا مغز کھایا۔

مرزا چونگا :(خود سے) اب اسے کیونکر یقین دلاؤں؟ خدایا! اپنی لسانی اور وکالت کا یہاں ستیاناس ہے۔ میں نے درجہ سوئم کی ڈگری حاصل کی ہے مگر یہ تو وکالت درجہ اول پاس ہے۔ (زیٹک سے) ابے اے بتلاتا نہیں؟

زیٹک : حضور! میں کیا بتلاؤں؟ شاید آپ ہی کھا کر بھول گئے ہوں گے۔

مرزا چونگا :ابے میں کھا کر بھول گیا ہوتا تو میرا پیٹ جو چپاتی کی طرح پچکا ہوا ہے، ڈبل روٹی کی طرح پھول گیا ہوتا۔

زیٹک : آہا ہا حضور۔ یاد آیا۔ اچھا یہ بتلایئے کہ شب برات میں آپ نے اپنے باپ دادا کی فاتحہ دلوائی تھی یا نہیں؟

مرزا چونگا : نہیں۔

زیٹک : تو بس انھیں میں سے کوئی بھوکا مردہ آ کر آپ کا کیا دھرا چوپٹ کر گیا۔

مرزا چونگا :یعنی؟

زیٹک : یعنی آپ کا پکایا ہوا کھانا چٹ کر گیا۔

مرزا چونگا :ابے مُردے بھی کہیں کھانا کھاتے ہیں؟

زیٹک : کیوں نہیں کھاتے؟ آخر وہ بھی تو ہماری طرح انسان ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم جاندار اور وہ بے جان ہیں؟

زلفن : بس، میں سمجھ گئی۔ تم میاں اور نوکر دونوں ہمیں مل کر بناتے ہو۔ دونوں کے دونوں جھوٹے نظر آتے ہو۔

مرزا چونگا :میں جھوٹا؟ درجہ سوئم کا معزز وکیل اور جھوٹا؟ عدالت میں ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کردوں گا۔

نبو : (خود سے) ارے یارو! کوئی دیکھ کر بولو، وہ کم بخت بیلف گیا ہے یا نہیں۔ آخر کب تک میں اس لکڑی کے اجلاس میں بیٹھا ہوا کباب کا فیصلہ کروں گا؟

مرزا چونگا :جا بے دوسرا ٹیبل لگا۔

(زینک کا جانا)

زلفن : میں نہیں کھاؤں گی۔
مرزا چونگا : تمھیں کھانا ہوگا۔
زلفن : ہرگز نہیں۔
مرزا چونگا : نہیں مانتی؟
زلفن : نہیں۔

(دونوں کا گانا)

مرزا چونگا :یہ نخرے تلے چھوڑو جانی، آؤ کچھ کھاؤ کھلاؤ۔
زلفن : یہ بوڑھے غمزے کہیں اور جا کر۔ دکھاؤ جی، جاؤ۔
نبو : (خود ہی) یہ کباب، کٹلس، مٹن چاپ۔ تازہ، تازہ۔ آؤ لو اُڑاؤ۔
مرزا چونگا : کھالو۔ لِلّٰہ۔
زلفن : توبہ تلّا۔
نبو : (خود ہی) یہ تلّی، یہ باگڑ بلّا۔ گلا پھاڑ مت چلّا۔
یہ وہسکی تازی، آو، لو، اُڑاؤ۔
مرزا چونگا :تم بھی بھوکی، میں بھی بھوکا۔ کھالو میری جان۔
نبو : (خود ہی) دادا جی کا فاتحہ، حلوائی کی دکان۔
وہسکی تازی، آؤ، لو، اُڑاؤ۔
مرزا چونگا :بیوی آؤ۔ مان جاؤ۔ یہ نخرے تلے چھوڑو جانی....
زلفن : بس اب تم کھاؤ، یا تمھارا نوکر، میں ایسے کھانے کو آگ لگاتی ہوں۔

(مرزا چونگا کا منانا۔ زلفن کا ناراض ہوکر چلی جانا)

مرزا چونگا :اچھا تو جاؤ۔ جو جی چاہے کرو۔ ہوا پھانک کر پیٹ بھرو۔ میں یہاں بھوکا رہتا ہوں، تم وہاں بھوکی مرو۔ اچھا ہوا کہ ہائی کورٹ نے عورتوں کو وکالت کرنے کی اجازت نہیں دی، ورنہ ان کے مقابلے میں مردوں کو ایک کیس بھی جیتنا مشکل ہو جاتا۔ بات بات میں ناطقہ بند۔ ذرا ذری میں روٹھا روٹھی۔ بس اب میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ جب تک وہ معافی نہ مانگیں، ہاتھ نہ جوڑیں، نوکر سے نہ بلوائیں، کبھی واپس نہ آوں گا۔

(زیٹک کا آنا)

زیٹک : سرکار! کھڑکی میں سے سترہ باپ والے کو اس طرف آتے دیکھا تھا۔

مرزا چونگا :اس طرف؟

زیٹک : ہاں۔ اس طرف۔

مرزا چونگا :دیکھ! وہ اگر یہاں آئے تو اسے نہ آنے دینا۔ اگر نہ مانے تو پاگل خانے سے ڈاکٹر کو بلا کر اس کے حوالے کردینا سمجھا!

(جانا دو طرف دونوں کا اور نبو کا الماری سے باہر نکلنا)

نبّو : تیلیاں ٹوٹیں۔ پر کھلے۔ وہ اُدھر دفان ہوا اور یہ اِدھر۔ اب میرے جی کا اطمینان ہوا۔ خدا کرے وہ بیلف ٹل گیا ہو تو مصیبت سے جان چھوٹے (دیکھ کر) ہت تیرے کی۔ تجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔ کم بخت جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جب دیکھو اسی جگہ دکھائی دیتا ہے۔ اچھا بیٹا کھڑے رہو۔ تمھارے پاؤں ورم کرکے پھول جائیں گے، میرا کیا نقصان ہوتا ہے۔ یہ لو تمھارا چچا اس صوفے پر پاؤں پھیلا کر سوتا ہے۔

(نبو کا سونا۔ زلفن کا آنا)

زلفن : غصے کے جوش میں بھوکے ہی سوگئے؟ اجی کیا خفا ہوگئے۔

نبو : (خود سے) اررر۔ یہ بلا کہاں سے نازل ہوئی؟

زلفن : اجی اٹھو، میرے پیارے، میرے میاں!

نبو : (خود سے) نبو! تو ہلتا نہیں۔ تو ہلا اور لات گھونسا ملا۔

زلفن : اجی کیا تم مجھے گلے نہ لگاؤ گے؟ جی وکیل صاحب! اپنی قانون داں بیوی کو پیار نہیں کرو گے؟

نبو : (خود سے) ہائے ہائے کیا بدقسمتی ہے۔ ایک حسین عورت گلے پڑ کر پیار دے رہی ہے اور میں لے نہیں سکتا۔

زلفن : اجی سنتے ہو؟ دیکھو۔ میں چادر کھینچے لیتی ہوں۔ اٹھو میرے پیارے (چادر کھینچ لینا اور نبو کو دیکھ کر) او خدا! یہ کون شیطان ہے؟

نبو : یور میل سرونٹ زیلفن نسا!

زلفن : دوڑو۔ دوڑو۔ بھوت۔ بھوت۔

(پکارتے ہوئے اندر بھاگ جانا)

نبو : ہائے ہائے، غضب ہوا۔ یہ ضرور مجھے پٹوا دے گی۔ سارے محلے کو بلوائے گی۔ بیلف چلا گیا ہو تو میں بھی نکل جاؤں۔ (باہر کی طرف دیکھ کر) ہت تیرے کی۔ سامنے ستره باپ والا آ رہا ہے۔ اب کیا تدبیر عمل میں لاؤں؟ (سوچ کر) ہاں خوب۔ اسی الماری کے اندر چھپ جاؤں۔

(نبو کا چھپنا۔ مرزا چونگا کا آنا)

مرزا چونگا : ہائے ہائے۔ جورو کی محبت عجب چیز ہے۔ لاکھ دل کو سمجھایا، مگر طبیعت نہ مانی۔ اور آدھے راستے سے واپس آیا۔ (پکارتا) اچھی بیوی۔ پیاری بیوی۔ وکیل کی وکیلن بیوی۔ (خود سے) دیکھا سنتی ہے پر جواب نہیں دیتی۔ ابھی تک نخرے نہیں گئے؟ اچھا میں بھی یہیں سوتا ہوں؟ آخر تمھیں میرے بغیر چین تو پڑے گا نہیں۔ جھک مار کر آؤ گی اور مجھے مناؤ گی۔

(مرزا چونگا کا اسی صوفے پر سو جانا)

شبو : (خود سے) یہ منانے کے مزے لینا تو ہماری قسمت میں تھا۔ تمھاری قسمت میں تو صرف جوتیاں رہ گئی ہیں۔

(ڈاکٹر اور کمپاونڈر کا آنا)

کمپاؤنڈر :(پکارنا) ارے او زیٹک کا بچہ۔ ہم کو یہاں بھیج کر خود کہاں غائب ہوگیا؟

ڈاکٹر : خیر وہ آجائے گا۔ تم اپنا کام کرو۔

مرزا چونگا :(خود سے) ایک طرف قحط پتلا حال کر رہا ہے۔ دوسری طرف طاعون پامال کر رہا ہے۔ تیسری طرف عورتوں کا نخرہ حلال کر رہا ہے۔ اگر یہی اپنا حال ہے تو اس دنیا میں ہم جیسے بھلے آدمیوں کا جینا بالکل محال ہے۔

ڈاکٹر : معلوم ہوتا ہے یہی شخص مرض جنون میں گرفتار ہے۔

مرزا چونگا :(خود سے) یہ دونوں کون ہیں؟

کمپاؤنڈر :چہرے کی رنگت بالکل زعفرانی ہے۔

ڈاکٹر : یہی تو جنون کی نشانی ہے۔

کمپاؤنڈر :(مرزا سے) زبان دکھلاؤ۔

مرزا چونگا : کیوں؟

ڈاکٹر : دکھلاؤ

(مرزا چونگا کی زبان دیکھنا)

کمپاؤنڈر :ڈینجرس۔ بالکل ڈینجرس۔ بالکل کیس بگڑ گیا ہے۔

ڈاکٹر : زبان کی رنگت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھوپڑی میں بھیجا سڑ گیا ہے۔

کمپاؤنڈر :ہاں تو اس کا سر کاٹ کر پھینک دو۔ ورنہ جینا عذاب ہوجائے گا۔ بھیجے کا زہر پھیلنے سے بیچارے کا بدن خراب ہوجائے گا۔

مرزا چونگا :(خود سے) یا خدا! یہ دونوں قبرستان کے ایجنٹ، ملک الموت کے اسسٹنٹ کہاں سے آگئے؟

ڈاکٹر : (مرزا چونگا سے) پیٹ میں گرمی معلوم ہوتی ہے؟

مرزا چونگا :ہاں! جب ہوا بند ہوجاتی ہے۔

کمپاؤنڈر :پانی زیادہ پیتے ہو؟

مرزا چونگا :پانی؟ جس روز سے کیوڑا ستا ہوا، پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پیتا ہوں۔

ڈاکٹر : کبھی آنکھوں کے سامنے بھینسیں ناچتی ہوئی تو نظر نہیں آتیں؟

مرزا چونگا :(خود سے) البتہ اس وقت دو گدھے دکھائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر : اس وقت تمھارے دل میں کیا خیال آرہا ہے؟

مرزا چونگا :(خود سے) یہ خیال آرہا ہے کہ اس وقت جوتا نکالوں اور تم دونوں کا مار مار کر بھرتا بنا ڈالوں۔

کمپاؤنڈر : پاگل، پاگل۔ ایک دم پاگل۔

ڈاکٹر : اچھا۔ اپنا داہنا ہاتھ ادھر لاؤ۔

کمپاؤنڈر : مرنے کی کچھ پرواہ نہیں۔ مگر اچھے تو ہوجاؤ گے۔

مرزا چونگا :موچیو! حجامو!! نکلو ورنہ میں جوتوں سے تمھاری مرمت کروں گا۔

کمپاؤنڈر : ڈاکٹر صاحب! بے چارے کے دماغ پر دوا پینے سے گرمی چڑھ گئی ہے۔

ڈاکٹر : ہاں ہاں۔ حرارت بڑھ گئی ہے۔ اس کو اسپتال لے چلو۔

مرزا چونگا :نہیں جاتا او جغادری بندر!

کمپاؤنڈر : تو رہ اس تھیلے کے اندر۔

(ڈاکٹر، کمپاونڈر کا جانا۔ مرزا چونگا کا سونا، زلفن کا دو پڑوسیوں کے ساتھ آنا)

زلفن : وہ دیکھو۔ ابھی تک سویا ہوا پڑا ہے۔

پڑوسی ۱ : ہاں استاد لگاؤ۔

پڑوسی ۲ : دونوں کے دونوں لپٹ جاؤ۔

(دونوں کا مرزا چونگا کو پیٹنا۔ اس کا اچھل کر کھڑے ہوجانا)

مرزا چونگا : ارے تم لوگ مجھے کیوں مارتے ہو؟

زلفن : وکیل صاحب؟ اور وہ بھوت کہاں گیا؟
مرزا چونگا : کون بھوت؟ یہاں بھوت کہاں سے آیا؟
زلفن : وہی جس کو میں نے تمھارے دھوکے سے ابھی گلے لگایا۔

(زیٹک کا آنا)

زیٹک : دیکھو بیگم۔ میں نہ کہتا تھا کہ مرحوم بزرگوں میں سے کوئی یہاں ضرور موجود ہے۔

(نبو کا نکل آنا)

نبو : آداب عرض ہے جناب وکیل صاحب!
مرزا چونگا :اررر۔ یہ کہاٹ میں کہاں سے آیا؟
زلفن : ہاں۔ یہی ہے جس نے مجھے گلے سے لگایا۔
زیٹک : تب تو حضرت! اسی نے کٹلس، کباب پر صفائی کا ہاتھ پھرایا۔
مرزا چونگا : کیوں بے! تو میرے سامنے سے دفان ہوگیا تھا۔ پھر کیسے آدھمکا؟
نبو : (کچھ یاد کرتے ہوئے) باپ...... بیٹے....
مرزا چونگا :ابے بیٹے کے بچے! میں جو پوچھتا ہوں، اس کا جواب دے۔
نبو : ہاں تو سنیے۔ میرے باپ کے سترہ بیٹے اور میرے چچا کی سترہ بیٹیاں۔ سترہ اور سترہ چونتیس اور اس میں چار ملایئے۔ سب ہوئے چھتیس۔
مرزا چونگا :ابے خبیث! رذیل!! پھر وہی چونتیس، چھتیس کا جھگڑا نکلا؟
نبو : تو کیا کچھ بھول ہوگئی؟ جناب عالی! اچھا تو پھر سے شروع کیجیے۔ میرے باپ کے...
مرزا چونگا :ابے تیرے باپ کی ایسی تیسی۔
نبو : واہ۔ وکیل کی کھوپڑی اور ایسی؟ اتنا سمجھایا اور سترہ دونا چونتیس کا حساب سمجھ میں نہ آیا۔
زلفن : میاں۔ میری سمجھ میں یہ کوئی دیوانہ آدمی معلوم ہوتا ہے؟

نبو : (جھانک کر بیلف کو دیکھتا ہے) اررر۔ ٹل گیا۔ اچھا وکیل صاحب۔ آپ خفا ہوتے ہیں تو لو میں جاتا ہوں۔ مگر یاد رکھیے گا، میرے باپ کے سترہ بیٹے تھے۔

مرزا چونگا :اے چلا کہاں؟ کھانے کے دام اور بیوی کے گلے لگانے کی فیس رکھ دے۔ کیا دیکھتے ہو؟ ٹھونکو۔ میں عدالت میں دیکھ لوں گا۔

(سب کا مل کر نبو کو مارنا۔ سب کا گانا)

مرزا چونگا :مارو، مارو۔ جوتے دھڑ دھڑ دھڑ۔

زینک : بس چھوڑو، چھوڑو، چھوڑو، یہ کیسی گڑبڑ۔

نبو : یہ کیسی شامت آئی۔

مرزا چونگا :تیری زبان پر قیامت آئی۔

نبو : بس راہ اللہ چھوڑو۔

زلفن : اس کی ہڈی پسلی توڑو۔

نبو : سر ٹوٹا میرا یارو۔

مرزا چونگا :تان کے جوتے مارو۔

نبو : بس بس۔ اب چھوڑو۔ چھوڑو۔ چھوڑو۔
مجھے سب نے مارا پیٹا۔ ہارا۔

مرزا چونگا :جوتے، گھونسے، لاتوں سے ہم کر دیں گے تجھ کو پارا۔

زلفن : چمڑا توڑیں گے ناخن سے ہم تیرا سارا۔

زینک : وہ ماریں گے ہم مار کہ جس سے تو جانے کہ ہاں مارا۔
مارو، مارو، جوتے، دھڑ، دھڑ، دھڑ۔

(گاتے گاتے سب کا جانا)

باب تیسرا ـــــــ سین چوتھا

افضل کا مکان

پروین : میں کہاں تھی؟ کہاں گئی؟ وہاں کیا ہوا؟ کیوں کر بچی؟ کس طرح عزت اور زندگی کے ساتھ گھر پہنچی؟ اب بھی جب زندگی کے اِن خوف ناک گھنٹوں کا خیال آتا ہے، تو آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اے خدا اے کریم و رحیم خدا۔ میں تیری جناب میں اپنی مسکین روح کا عاجزانہ شکریہ پیش کرتی ہوں۔ اسے قبول کر۔ افسوس۔ ؎

بھرا تھا خوف و مایوسی سے سینہ تا گلو میرا
رگوں میں جم گیا تھا فرط دہشت سے لہو میرا
اگر اس بے کسی میں ناخدا بنتا نہ تو میرا
تو بیڑا غرق کردیتے عدوئے آبرو میرا
تیری رحمت کو جوش آیا مری آنکھوں کے قطروں سے
ترا ہی فضل تھا جس نے بچایا مجھ کو خطروں سے

تحسین : میری بچی! وہ ہاتھ جو مٹھیاں باندھ کر تمھیں دھمکی دیتا تھا، وہ آج ہتھکڑی میں ہے۔ اور وہ گلا جس کے اندر سے مکروہ آوازیں نکل کر تمھارے دل میں خنجر بھونکتی تھیں، کل پھانسی کے پھندے میں ہوگا۔ ان کا اس طرح معزز زندگی کی آغوش سے نکل کر ذلیل موت کی ٹھوکروں میں آپڑنا اور تمھارے خوفناک ماضی کا پُر امن مستقبل میں بدل جانا خدا کی طرف سے تمھارے صبر اور شکر کا انعام ہے۔ ان کی ہوسوں اور سیہ کاریوں کا انجام ہے۔ ؎

بدلہ ہر ایک شخص کو حسب عمل ملا
بویا تھا جیسا بیج اُسے ویسا پھل ملا
صد شکر اپنی آگ میں ناپاک جل گئے
بے خوف جی کے جتنے تھے کانٹے نکل گئے

پروین : ہاں۔ مگر ایک کانٹا ابھی میرے دل میں کھٹک رہا ہے۔

تحسین : جس خدا نے اتنے نشتر نکال کر پھینک دیے، وہ اس کانٹے کو بھی دور کرے گا۔

پروین : وہ کانٹا تمھیں دور کرنا چاہیے۔

تحسین : مجھے؟

پروین : ہاں تمھیں۔ کیونکہ تمھارا ہی چبھایا ہوا ہے۔

تحسین : میں نے کانٹا چبھایا اور تمھیں۔

پروین : اچھے تحسین! اگر تم حقیقت میں مجھے خوش رکھنا چاہتے ہو تو میرے دل میں جو رات دن شک کا کانٹا کھٹکتا رہتا ہے، اُسے دور کرو۔ یہ دولت اور یہ ساز و سامان کیا ہے؟ تمھیں کہاں سے ملا؟ اس کا سچ سچ جواب دے کر مشکور کرو۔

تحسین : مگر میں اس سوال کا جو تم بار بار دہراتی ہو، کتنی مرتبہ جواب دوں۔ سینکڑوں مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میرا ایک رشتے دار تھا، جس نے تھوڑے ہی دن ہوئے وفات پائی۔ اور کوئی دوسرا وارث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تمام دولت میرے حصہ میں آئی۔

پروین : مگر تم نے ہمیشہ کہا۔ میں اس دنیا میں بالکل تنہا آدمی ہوں۔ پھر یہ رشتہ دار کہاں سے پیدا ہوگیا؟

تحسین : یہ بھی خوب۔ گرمی برسات میں ہزاروں کھٹمل پسو آپ سے آپ پیدا ہوجاتے ہیں، اگر میرا بھی ایک رشتے دار کہیں سے نکل پڑا تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ یہ بھی قدرت کی کرامات ہے۔

پروین : تحسین! دودھ کا جلا ہوا چھاچھ کو پھونک کر پیتا ہے۔ سانپ کا کاٹا ہوا رسی

سے ڈرتا ہے۔ اس لیے تحسین! تم بھولے اور نیک آدمی ہو۔ اور جو بھولا اور نیک ہوتا ہے، وہ جلد فریب میں آجاتا ہے۔ کسی چالاک بدمعاش نے تمھیں اپنی غرض نکالنے کے لیے اپنا اوزار نہ بنایا ہو۔ ہمدرد بن کر میرے پھنسانے کے لیے یہ سونے چاندی کا جال نہ بچھایا ہو۔

تحسین : کیا تم مجھے دغاباز سمجھتی ہو؟

پروین : ایسا کیوں کہتے ہو؟

تحسین : لالچی اور کمینہ شخص سمجھتی ہو؟

پروین : یہ لفظ کیوں منھ سے نکالتے ہو؟

تحسین : اگر تم مجھے ایسا نہیں سمجھتی ہو، تو پھر یہ تمھارے دل میں وہم ہی کیسے گذرا؟

پروین : میری بدگمانی کا یہ سبب ہے کہ تم بھولے اور نیک آدمی ہو۔ اور نیک آدمی بہت جلد دھوکا کھاتا ہے۔ جتنا کپڑا سفید ہوتا ہے، اتنا ہی جلد اس پر دھبہ آتا ہے۔

تحسین : میری عزیز بچی! اگر تمھاری نظر میں ان سفید بالوں کی کچھ عزت ہے تو اس بوڑھے آدمی کا اعتبار کرو۔

پروین : اگر تم واقعی اپنے گوشت پوست کا مجھے حصہ سمجھتے ہو، تو اپنے دل کے بھید سے خبردار کرو۔

تحسین : (خود سے) لاحول ولا۔ افضل نے مجھے کس جھنجھٹ میں پھنسا دیا۔ اپنا جھگڑا میرے پیچھے لگا دیا۔

پروین : تم جواب نہیں دیتے؟

تحسین : ارے جواب کیا دوں؟ اپنا سر! تم تو خواہ مخواہ وکیلوں کی طرح جرح کرتی ہو۔

پروین : خیر۔ اگر تمھیں راز بتلانے میں کلام ہے، تو تم جانو اور تمھارا گھر۔ آج سے مجھے یہاں پانی پینا حرام ہے۔

تحسین : (خود سے) اررر۔ یہ تو ڈھیلے کا گھر مٹی ہوا چاہتا ہے۔ کم بخت سمجھاؤں تو کیونکر؟ مجھے تو جھوٹ بولنا اور بات بنانا بھی نہیں آتا۔ میری تو وہی مثل

ہوئی کہ سچ کہوں تو ماں ماری جائے، اور جھوٹ کہوں تو باپ کتا کھائے۔

پروین : اچھا تحسین خدا حافظ۔

تحسین : ہیں ہیں۔ چلی کہاں؟

پروین : جہاں عزت کے ساتھ سوکھا ٹکڑا اور امن و امان کے ساتھ رہنے کے لیے ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ملے گی۔

تحسین : نہیں بابا۔ مجھ سے اب یہ راز ہضم نہیں ہوتا۔ زیادہ چھپاؤں گا تو بدہضمی ہوجائے گی۔ خیر تم ضد ہی کر بیٹھی ہو تو میں قول وقسم کا پاس چھوڑے دیتا ہوں۔ سچ مچ بھانڈا پھوڑے دیتا ہوں۔

پروین : میں تمھاری احسان مند ہوجاؤں گی۔

تحسین : تم اُس فرشتے کو تو نہ بھولی ہوگی جس نے اُس روز اشرفیوں کی تھیلی بھیج کر ہماری مدد کی تھی۔

پروین : خدا اسے خوش رکھے۔ میں اُسے بھولی ہوں، نہ بھول سکتی ہوں۔

تحسین : تو بس۔ آج ہمارے اردگرد جس قدر عیش و راحت کا سامان ہے، یہ سب اُسی فرشتے کا احسان ہے۔

پروین : میرے خدا۔ کیا اس خود غرض دنیا میں تو نے ایسے بھی آدمی پیدا کیے ہیں۔ یہ زمانہ جس میں بھائی بھائی کے، بیٹا باپ کے کام نہیں آتا۔ دولت کے لیے فرض، ایمان، دوستی اور رشتہ سب کچھ بھول جاتا ہے تو یہ کیسا شخص ہوگا جو بغیر کسی امید کے اپنی دولت اور نیکی سے دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے؟

بانو : (آکر) امی امی! وہ فرشتے صاحب جنھوں نے اس روز ہمیں اشرفیاں دی تھیں، تم سے ملنے آئے ہیں۔

تحسین : چلو چھٹی ہوئی۔ جان بچی، لاکھوں پائے۔ اب فرشتہ اور فرشتن آپس میں نپٹ لیں گے۔ آیئے آیئے! فرشتہ صاحب۔ ابھی آپ ہی کا ذکر خیر ہورہا تھا۔

(افضل کا بھیس بدلے ہوئے آنا)

افضل : مجھ نالائق کو نیکی سے یاد کرنے والے خدا کرے ہمیشہ خوش اور سلامت رہیں۔

پروین : آیئے دریا دل، فیاض ــــ آپ کو خدا آپ کی نیکیوں کا اجر دے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ پُر عظمت خیال جو آپ کی نسبت میرے دل میں موجود ہے کس طرح ظاہر کروں۔ اور کن لفظوں میں آپ کی بے انتہا مہربانی کا شکریہ ادا کروں؟

افضل : اگر یہ سچ ہے کہ انسان کی شکل اُس کے دل کا آئینہ ہے تو آپ کو ایک لفظ بولنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو کچھ آپ کے دل میں ہے، وہ آپ کے چہرے پر میں دیکھ رہا ہوں۔

پروین : آپ یقین کیجیے کہ میں نے آج تک آپ جیسا نیک اور فیاض انسان کبھی نہیں دیکھا۔ میں ہمیشہ خود کو لونڈی اور آپ کو اپنا سرپرست سمجھوں گی۔

افضل : سرپرست کا لفظ مجھے پوری طرح خوش نہیں کرسکتا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس سے بھی زیادہ بہتر خطاب دے کر اپنی قدر شناسی کا ثبوت دیں گی۔

پروین : آپ دنیا کے بہترین خطابات کے مستحق ہیں۔ فرمایئے میں آپ کو کون سے خطاب سے یاد کروں؟

افضل : وہ خطاب جو شادی کے بعد تم نے افضل کو دیا تھا۔

پروین : یعنی؟

افضل : عزیز شوہر۔

تحسین : ہاں اب بارود میں آگ لگی۔ اب راز کا قلعہ اُڑا چاہتا ہے۔

پروین : افسوس! اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ پھولوں کی آڑ میں سانپ کنڈلی مار بیٹھا ہے اور خالص عنایت کے پیچھے فاسد نیت چھپی ہوئی ہے تو میں فاقوں سے مرجاتی، مگر تمھاری کوئی مدد قبول نہ کرتی۔

افضل : آپ غصہ نہ کیجیے۔ اور سوچیے۔ اس دنیا میں افضل کے بعد مجھ سے بہتر شوہر آپ کو نہیں مل سکتا۔

پروین : بس بس۔ اس سے زیادہ ایک لفظ نہ کہو۔ ورنہ میں تمھارے تمام احسانوں کو بھول کر سخت جواب دینے پر مجبور ہوں گی۔

افضل : اگر آپ ناراض ہوگئیں تو لیجیے تسلیم! میں یہاں ٹھہر کر آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

(جانا چاہتا ہے)

تحسین : ارے او بھائی فرشتے! کہاں جاتا ہے بابا؟ اب انسان کے روپ میں آجا۔ کاہے کو خواہ مخواہ جھگڑا بڑھاتا ہے۔

افضل : تو پھر دور کھڑے منہ کیا دیکھتے ہو، انھیں سمجھاؤ۔

تحسین : بیٹا، مان جاؤ۔ شرع میں شرم کیسی؟ شوہر کہنے میں کیا برائی ہے؟ تم یوں سمجھ لینا کہ افضل کی روح فرشتے کا جنم لے کر تمھارے پاس آئی ہے۔

پروین : تحسین! تم یہ کہتے ہو۔ او بوڑھے دغاباز یہ تیری زبان کے لفظ ہیں۔ تو جو قدرت کے قانون کی طرح اپنی سچائی میں اٹل تھا۔ کیا تجھ پر دنیا کا جادو چل گیا۔ موجودہ عیش و آرام کی جگمگاتی ہوئی دنیا دوبارہ تاریکی میں ہوتے دیکھ کر تیرا ایمان بدل گیا۔

تحسین : میں نے ایمان اس لیے بدل ڈالا کہ بہت پرانا ہوگیا تھا۔ نئی روشنی کے زمانے میں نئے فیشن کے ایمان کی ضرورت ہے۔

افضل : صاحب! ادھر دیکھیے۔

پروین : میں حکم دیتی ہوں کہ گفتگو کے وقت آدابِ شرافت کا لحاظ رکھو۔ ایک عورت کی مرضی کے خلاف تمھیں جرأت دکھانے کا کیا حق ہے؟

افضل : میں ثابت کردوں گا کہ مذہب اور قانون دونوں طرح سے میں تم پر حق رکھتا ہوں۔

پروین : یقیناً اس وقت تم اپنے ہوش میں نہیں ہو۔

افضل : میں ثابت کردوں گا کہ میرا تم سے نکاح ہوچکا ہے۔

پروین : میرے اللہ۔

افضل : میں ثابت کردوں گا کہ تم میری بیاہتا بیوی ہو۔

پروین : او خدا۔ کیا یہ مجھے دیوانہ بنانے کے لیے آیا ہے؟

افضل : میں ثابت کردوں گا کہ یہ میری اور تمھاری پاک محبت کی یادگار، یعنی میری لڑکی ہے،

پروین : تحسین کیا تم سنتے ہو؟
تحسین : کیا میری مدد کی ضرورت ہے؟
افضل : میں ثابت کردوں گا کہ یہ میرا نیا دوست نہیں بلکہ پرانا جاں نثار تحسین ہے۔
تحسین : تو میں بھی ثابت کردوں گا کہ یہ فرشتہ نہیں بلکہ میرا قدر داں آقا افضل ہے۔

(افضل کا اصلی حالت میں آنا)

پروین : وہی وہی۔ مجھے سنبھالو۔ میں بے ہوش ہوا چاہتی ہوں۔ افضل۔ افضل!
افضل : میری بیوی! ایک مرد کو خدا کی دی ہوئی نعمت۔

(دونوں کا ملنا اور سب کا خوش ہوکر گانا)

داتا رے۔ امن چمن سکھ سدا مگن رہیں مل گاؤ۔
منگل آج بھیو، امنگ، ترنگ، سو رنگ جماؤ۔
دُکھ جات رہے دے سُکھ امن سدا مگن رہے۔
صبح اُمید کا شمس فلک پہ چمک دمک نئی دکھاؤ۔
جگ کو بھاوے، گل کھلاوے، من بھاوے۔ دھام کام گاری
ساتھی حشؔر کے دے سُکھ امن سدا مگن رہو۔

(سب کا مل کر ناچنا گانا۔ شراب پینا اور سہیلیوں کا آکر انگریزی ناچ ناچنا)

(پردہ)